إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (القرآن)

کبریت احمر

مصنفہ الغوث الاعظم محبوب سبحانی سیدنا و
مولٰینا الشیخ سید عبد القادر جیلا[illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حصہ اوّل

مع اردو ترجمہ، مکمل شرح و [illegible] لغات
مسمّٰی بہ

شفاء البشر

از

جناب مولینا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری
(صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر و مہتمم حنفی عربی کالج نور باغ سرینگر
صدر محکمہ شرعیہ سرینگر و مدیر اخبار حنفی و رسالہ الاعتقاد سرینگر)

ناشر و طابع
ہمدرد بک ڈپو رجسٹرڈ بکسیلرز اینڈ پبلشرز سرینگر

ہدیہ فی مجلد: بیس (۲۰) روپے

کبریت احمر

صنّفہ حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی سیدنا و
مولانا الشیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حصہ اوّل

مع اردو ترجمہ مکمل شرح وحل لغات

مسمّٰی بہ

شفاء البشر

از

جناب مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری

LIBRARY
No. 872
032

Scanned with CamScanner

(جملہ حقوق بحق مصنّف محفوظ ہیں)

کوائف جلد اوّل

نام تصنیف : کبریتِ احمر (از سیدنا حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رض)
نام شرح : شفاء البشر
اثرِ خامہ : الحاج مولانا سیّد محمد قاسم شاہ صاحب بخاری مدظلہٗ
کتابت : ابو العرفان کشمیری
پریس : نیو کشمیر پریس، سرینگر
صفحات : ۲۶۴ + ۸ (ضروری گذارش، فہرست مضامین وغیرہ)
۲۷۴
تعداد : ایک ہزار
سال اشاعت : ۱۴۰۴ھ (مطابق ۱۹۸۴ء)
ہدیہ : بیس روپیے صرف (Rs. 20.00)

ناشر

ھمدرد بک ڈپو (رجسٹرڈ) بکسیلرز اینڈ پبلشر
سرینگر

ARABIC COLLEGE
LIBRARY
No. 872
Date 832
Price
NOOR BAGH

ضروری گذارش

عصرِ حاضر میں دینِ اسلام کے داخلی اور خارجی دشمن اسلام کی عطر و مہک اور اس کا اصل مغز اس سے علیحدہ کرنے کی جو ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا یہ تقاضا تھا کہ تمام اہلِ حق اور اسلام پسند قوتیں سراپا اخلاص و ایثار بنکر تقریر و تحریر سے ان کی کوششوں کو ناکام و نامراد بناتے۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری باہمی رسہ کشی سے اسلام اور بھی زیادہ کمزور ہو جاتا ہے —— سچ پوچھئے تو اسلام کے رسمی خادم ہی اسلامی اصول و عقائد کمزور کرنے کے ذمہ وار ہیں جس کا اصل سبب یہ ہے کہ اسلام اس طرح پیش نہیں کیا جاتا ہے جس طرح خلفاءِ راشدین رض اور صلحاءِ امت نے پیش کیا تھا —— رفتہ رفتہ اسلام کے اصلی خد و خال مٹا کر جدلیت اور ناپسندیدہ جدیدیت اس میں داخل کی جاتی ہے اور پھر اس قسم کے لوگ اپنے تئیں فرشتہ صفت تصور کرتے ہیں، اسی اصلاحی مقصد کو پیشِ نظر رکھکر بعض دوستوں نے راقم الحروف سے "کبریتِ احمر" مؤلفہ سیدنا و مولانا حضرت شیخ سید عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مفصل شرح لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ کیونکہ حضرت مصنف رض نے اس میں تمام مناقب و نعوتِ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمع فرمائے ہیں اور وہ بھی نہایت اختصار سے۔ اور تمام مسلمانانِ کشمیر اس مبارک وظیفہ کو پورے اشتیاق و احترام سے پڑھتے ہیں اور پڑھنے والوں کو اسکی شرح دیکھکر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ معلوم ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ علم صحیح کے بعد ہی عملِ صالح کی توقع کی جا سکتی ہے چنانچہ اپنی کم علمی، بے اضاعتی اور کم مائیگی کے باوجود کمترین نے شرح کا کام شروع کیا۔ اور اس کی کتابت عزیزی المکرم جناب واجدی صاحب سلمہٗ مالک

کتب خانہ "ہمدرد بک ڈپو" رینگریٹ نے اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ اس حصہ کا اکثر مواد، آپ ہی کے قلم گوہر بار کا عکس ہے، مگر بدقسمتی سے اس دوران کمترین مختلف مصروفیوں اور آزمائشوں کا شکار رہا "والی اللہ المشتکیٰ" اور دوسری طرف کاغذ طباعت، جلد بندی وکتابت اور دیگر لوازم میں جو کمر توڑ اضافہ ہوا ہے وہ اہلِ خرد پر واضح ہے۔ اسلئے عام مسکین خریداروں اور اپنی کم ہمتی کو پیشِ نظر رکھکر اس شرح کو چار جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی جلد شروع سے تا "ومنبع العلم والحکم" تک، دوسری جلد اس کے مابعد سے تا "والوصل والنجو" تیسری جلد "واسریت جبلے سے حتیٰ اتاہ الیقین" تک اور چوتھی جلد "تتمہ صلوٰۃ وسلام" اور حالاتِ مصنف واجازت وغیرہما پر اختتام پذیر ہوگی۔

پیشِ خدمت جلد اول تقریباً "تاج العارفین" کے برابر ہوگی جس کا تقاضا تھا کہ اسکے ہدیہ میں اس سے زیادہ اضافہ کیا جاتا۔ مگر ہمارا مقصد نفع اندوزی نہیں بلکہ نفع رسانی ہے لہٰذا اس کا ہدیہ صرف بیس ۲۰ روپیہ رہے۔ امید ہے کہ اس شرح سے حضرت رحمۃ للعالمین ص کا فیضانِ لطف وکرم کمترین اور اسکے ساتھیوں پر اور بھی زیادہ ہوگا اور آپ کی روحِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ضرور مسرور ہوگی۔ کتاب کے اخراجات حسبِ عادت ذاتی ہیں صرف الحاج محی الدین صاحب خانیاری نے جناب محترم سہروردی صاحب کے ذریعہ پانچسو روپیہ بطور امداد دیئے ہیں جسکے ہم دونوں صاحبوں کے شکر گزار ہیں۔ بہر حال تصنیف وتالیف کا کام نہایت ہی دشوار اور صبر آزما ہے۔ ہم جیسے غریب اس بارے میں کیا کرسکتے ہیں، بزرگوں نے بہت پہلے فرمایا ہے:۔

کریما را بدست اندر درم نیست　　خداوندانِ نعمت را کرم نیست

ہم اس موقع پر جناب ڈائریکٹر صاحب سیشنر تعلیم صوبہ کشمیر اور انکے پُر اخلاص سٹاف کے بھی دل سے شکرگزار ہیں جنہوں نے ہماری حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے "تاج العارفین" جلد اول کی کچھ جلدیں ہائی سکولوں اور سکنڈری سکولوں کی لائبریریوں کیلئے خریدی ہیں فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔ بہرحال اسوقت میرے سامنے "بصیرۃ السلوک شرح ذخیرۃ الملوک" "تاج العارفین" جلد دوم، "شرح کبریت احمر" کی باقی تین جلدیں اور ترجمہ وتفسیر قرآن کریم بزبانِ کشمیری کی تکمیل مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اپنے لطف عمیم سے نواز کر ان اہم دینی خدمتوں کی تکمیل کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

اب آپ وہ دعا ملاحظہ فرمائیے جو کبریت احمر شروع کرنے سے پہلے اور اس کے آخر میں پڑھی جاتی ہے ــــــ اور پھر کتاب کے مضامین اور اس کے

---

۱ :۔ عزیز محترم ومکرم پروفیسر پیرزادہ علی محمد صاحب [illegible]

مصادر و مآخذ کی فہرست ملاحظہ فرمائیے، اور پھر شفاء البشر کا باضابطہ مطالعہ فرمائیے۔

✱ وصلی اللہ علی سیدنا وسندنا و شفیعنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، آمین!

خاکپائے اولیاء
بُخاری عفی عنہ
(عیدگاہ سرینگر کشمیر)

832
871
Library
No.
Date
Price
GOR BAGH

دُعا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
مَظْهَرِ الْجَلَالِ وَالْجَمَالِ مِرْاٰتِ الذَّاتِ
وَالصِّفَاتِ مَخْزَنِ الْمُشَاهَدَاتِ
مُوْصِلِ الْعِبَادِ اِلٰى رَبِّ الْاَرْبَابِ
بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمَاتٍ لَكَ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ کی محبت ہی ہمارا اصل و فرع ہے	۱ تا ۴
۲	آپ کا صحیح طریقۂ محبت	۵
۳	مقدمہ	۶
۴	پہلی فصل (ان ۴۳ مقامات کے بیان میں جنہیں درود شریف پڑھنا مستحب ہے)	۷
۵	دوسری فصل (ان سات جگہوں کے بیان میں جنہیں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے)	۸
۶	تیسری فصل (نماز اور خطبہ میں آنحضور کا نام مبارک سننے وقت درود	۹
۷	صرف درود ہی وہ عبادت ہے جسکی مقبولیت یقینی کہا جا سکتا ہے	〃
۸	کیا آنحضرت پر بھی اپنی ذات گرامی پر درود بھیجنے کا حکم تھا؟ اور کیا جواب	۱۰
۹	قرآن میں جہاں کہیں یا ایہا الذین آمنوا ہے اس سے آنحضرت مراد نہیں ہوتے	〃
۱۰	اللّٰھم صلی علی کے ساتھ سیدنا پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ و دیگر سوالات	۱۱ تا ۱۲
۱۱	کیا غیر نبی پر درود بھیج سکتے ہیں؟	۱۳
۱۲	درود حضور کا ثبوت	〃
۱۳	کیا ساری عمر میں ایک درود شریف پڑھنا فرض ہے؟	۱۴
۱۴	آنحضرت پر درود پڑھنے کا حکم کب ہوا؟	〃
۱۵	درود ابراہیمی میں حضرت ابراہیم کیوں مخصوص کئے گئے ہیں؟ اور اس کے جوابات؟	۱۵
۱۶	نماز میں جو درود شریف پڑھی جاتی ہے وہ مستحب ہے یا فرض؟ اور اس پر علماء کے اختلافات کی تحقیق۔	〃
۱۷	چوتھی فصل (کبریت احمر کی وجہ تسمیہ اور اس کی اہمیت۔	۱۶
۱۸	مصباح کی لغوی تحقیق اور اس کے متعدد نام	〃
۱۹	اخلاص و عاجزی۔	۲۰
۲۰	حب نبی اپنے دل میں پیدا کرنا۔	۲۱
۲۱	کثرت سے آپ کا ذکر خیر کرنا۔	۲۲
۲۲	حضور اقدس سے کمال محبت کی چند مثالیں	۲۴ تا ۲۷
۲۳	پہلی مثال	۲۸
۲۴	دوسری مثال	〃
۲۵	تیسری مثال	〃
۲۶	ایک اور مثال	۲۹
۲۷	آپ سے گستاخی کرنا	〃
۲۸	تنبیہ	〃
۲۹	نعت شریف	۳۰
۳۰	پانچویں فصل (اجازت مشائخ)	[illegible]

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۱	بسم اللہ الرحمن الرحیم: مصنفین کا طریقہ، اور اس کی وجہ۔	۳۲
۳۲	بسم اللہ اور الحمد للہ میں ابتدائی حقیقی و اضافی کی بحث:	۳۵
۳۳	بسم اللہ الرحمن الرحیم کی فوقیت و فضیلت کے بیان میں۔	۳۶
۳۴	اللہ کی لغوی تحقیق۔	۴۱
۳۵	وجود کی تین قسمیں	۴۵
۳۶	خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے طریقے اور خدا کی عظمت۔	۴۶
۳۷	الرحمن الرحیم کی بحث۔	۴۸
۳۸	بسم اللہ الرحمن الرحیم کی عزت کرنے کی وجہ سے ایک شرابی کا بلند مرتبہ حاصل کرنا	۵۳
۳۹	مشائخ کرام اسکو خاص اجازت کے تحت پڑھتے اور پڑھواتے ہیں۔	۵۶
۴۰	بسم اللہ کے تحت قراء قرآن کا اختلاف اور اس کے فقہی احکام۔	۵۹
۴۱	اللھم اجعل صلواتک کی تحقیق و انمی برکاتک سرمدا کی تشریح۔	۶۷
۴۲	و ازکی تحیاتک فضلا و مددا کی بحث و تحقیق۔	۸۵
۴۳	علی اشرف الحقائق الانسانیۃ کی بحث۔	۹۴
۴۴	تشریح: معدن الدقائق الایمانیہ۔	۱۰۱
۴۵	امام بخاری اور امام ابوحنیفہ کے افادات	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۶	تشریح: طور التجلیات الاحسانیۃ	۱۰۸
۴۷	تشریح: ومھبط الاسرار الرحمانیۃ	۱۱۶
۴۸	تشریح: وواسطۃ عقد النبیین۔	۱۱۸
۴۹	نبی اور رسول میں فرق۔	۱۲۲
۵۰	تشریح: ومقدم جیش المرسلین	۱۳۱
۵۱	تشریح و مفہوم: وافضل الخلائق اجمعین۔	۱۳۵
۵۲	مسئلہ حیاۃ النبی۔	۱۶۲
۵۳	تشریح: حامل لواء العز الاعلیٰ	۱۹۰
۵۴	تشریح: ومالک ازمۃ الشرف الاسنیٰ۔	۱۹۵
۵۵	تشریح: شاھد اسرار الازل	۱۹۹
۵۶	مسئلہ حیاۃ النبی کی مزید تحقیق	۲۱۹
۵۷	ومشاھد انوار السابق الاول اور اس کا صحیح مقصد۔	۲۲۰
۵۸	تشریح: وترجمان لسان القدم۔	۲۳۰
۵۹	تشریح: ومنبع العلم والحکم	۲۵۴

Scanned with CamScanner

۵ مصادر و مآخذ شفاء الشریف کے چیدہ اقتباس

۱ : القرآن الکریم
۲ : صحیح بخاری
۳ : صحیح مسلم
۴ : جامع ترمذی
۵ : ابو داؤد
۶ : النسائی
۷ : ابن ماجہ
۸ : موطا امام محمد
۹ : موطا امام مالک
۱۰ : مشکوٰۃ شریف
۱۱ : حلیہ ابو نعیم
۱۲ : اشعۃ اللمعات
۱۳ : دلائل النبوۃ
۱۴ : المستدرک
۱۵ : ترجمان السنۃ
۱۶ : مواہب لدنیہ
۱۷ : فیض الباری
۱۸ : انوار المحمود
۱۹ : حاشیہ بخاری بحوالہ کوفی
۲۰ : دعوات کبیر للبیہقی
۲۱ : حواشی ترمذی
۲۲ : الطحاوی
۲۳ : عقیدہ امام طحاوی
۲۴ : تفسیر کبیر
۲۵ : تاویلات نجمیہ
۲۶ : تفسیر روح البیان
۲۷ : تفسیر معالم التنزیل
۲۸ : تفسیر خازن
۲۹ : حاشیہ جمل علی جلالین
۳۰ : تفسیر بیضاوی
۳۱ : تفسیر مظہری
۳۲ : تفسیر ماجدی
۳۳ : تفسیر قادری
۳۴ : وسیلۃ الوصول الی دیار الرسول
۳۵ : رد المختار
۳۶ : الدر المختار
۳۷ : شرح عقائد نسفی
۳۸ : مسامرہ و مسایرہ
۳۹ : منار الانوار
۴۰ : شرح منار نور الانوار
۴۱ : توضیح و تلویح
۴۲ : حسامی
۴۳ : انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء
۴۴ : قمر الاقمار
۴۵ : تاریخ خمیس
۴۶ : حجۃ اللہ البالغہ
۴۷ : فیوض الحرمین
۴۸ : دلائل الخیرات
۴۹ : شرح الفارسی علی دلائل الخیرات
۵۰ : احیاء علوم الدین
۵۱ : وحی الٰہی از استاذ المکرم مولانا سید محمد اکبر آبادی علیہ الرحمۃ
۵۲ : اقبال کی تحقیق
۵۳ : شرح تہذیب
۵۴ : سیدی
۵۵ : المنجد
۵۵ : مصباح اللغات
۵۶ : الہدیۃ السعیدیہ
۵۷ : کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ
۵۷ : فضائل درود شریف
۵۸ : تقویت القلوب فی دیار المحبوب
۵۹ : مخزن اسرار
۶۰ : زاد السعید

۵ ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں، جنکا عطر شفاء الشریف ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (القرآن)

کبریتِ احمر

مصنفہ حضرت غوث الاعظم محبوبِ سبحانی سیّد نا و مولینا الشیخ سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حصّہ اول

مع اردو ترجمہ، مکمّل شرح وحلِ لغات

مسمّٰی بہ

شِفاءُ البشر

از

جناب مولینا سیّد محمد قاسم شاہ صاحب بخاری

(صدر انجمن تبلیغ الاسلام جموں کشمیر و مہتمم حنفی عربی کالج نور باغ سرینگر
صدر محکمہ شرعیہ سرینگر و مدیر اخبار حنفی و رسالۃ الاعتقاد سرینگر)

832

ناشر و طابع

ہمدرد بک ڈپو رجسٹرڈ ببلیشرز انڈ [illegible] سرینگر

ARABIC COLLEGE LIBRARY 872 032 BAGH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولانا محمد سید الاولین والآخرین وخاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ وعلماء شریعتہ واولیاء طریقتہ اجمعین۔

امّا بعد

اس حقیقت کے اظہار کرنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ مسلمان زیورِ علم سے آراستہ ہو یا اس دولت سے وہ بے بہرہ ہو، نیک ہو یا خطا کار، امیر ہو یا غریب وہ سچے طور سے مسلمان کہلانے کا حقدار اُسی وقت ہے جبکہ اُس کا دل و دماغ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت سے معمور اور سرشار ہو، خلوت وجلوت، کاروبار وتجارت اور حکومت وسیاست ہر ایک کے دل و دماغ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و اتباع اسی طرح جاری و ساری ہو جس طرح بدنِ انسان کے ہر جُز اور ہر ذرہ میں روح جاری اور ساری ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کیطرف آفتابِ ولایت، ماہتابِ اسرار و معرفت، قطب الاقطاب، پیرِ پیران، میرِ میران سیدنا و مولینا محی الدین الشیخ سید عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ نے اشارہ کرتے ہوئے حضرتِ سید المرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونچی شان اور عظمت کے متعلق "روحِ جسد الکونین" فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیا و آخرت کے اصل رُوح اور جوہرِ لطیف ہیں۔ جب فی الواقع آپ ہمارے جسموں کی روح اور اصل ہیں تو پھر ضروری ہے کہ جس طرح روح بدنِ انسانی کے ہر ذرہ میں مؤثر اور کارفرما ہوتی ہے اسی طرح آپ کی عقیدت و محبت بھی ہمارے دلوں، اعتقادات ظاہری حرکات اور باطنی خیالات میں روح کی طرح عامل اور حاکم ہونی چاہیئے بلکہ جس طرح

جسم کی خوبی اور زینت روح سے ہوتی ہے۔ جب روح اس سے نکل جاتی ہے تو جسم بے قدر و قیمت بن کر زیرِ زمین کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمان کی عزت و رفعت اور اُس کا اس نام سے موسوم ہونا اُسی وقت درست ہوگا جبکہ اُس کے دل و دماغ اور اس کے رگ و ریشہ میں عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روح کی طرح رواں دواں ہو۔ اسی نکتے کی طرف حضرتِ علامہ بوصیریؒ صاحب قصیدۂ بُردہ نے بھی اشارہ کیا فرماتے ہیں:

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمٍ

"آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب کائنات کے عموماً، جنوں اور انسانوں کے خصوصاً خواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے بادشاہ اور سردار ہیں"۔

تو سوچنے کی بات ہے کہ جب آپ ہمارے بادشاہ ہیں اور اس اعتقاد پر ہیں کہ قیامت کے دن آپؐ ہمارے شافعِ اعظم ہیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو پھر ہمارے دل و دماغ آپ کی محبت، عظمت و احترام سے کیونکر خالی ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جن برگزیدہ اُمتیوں کو اللہ تعالےٰ نے ایمان و اسلام کی نعمت عطا کی اور عشقِ حبیب سے ان کے دلوں کو منوّر کیا۔ وہ آپ کی ظاہری دوری و جدائی کی بنا پر بھی ماہیِ بے آب کی طرح بے تاب و بے قرار ہیں اور بزبانِ حال و قال عالمِ حیرانی میں غوطہ زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

نزدیک آں چنانکہ و دور آں چنانکہ گفتم
نے تاب وصل دارم و نے طاقتِ جدائی

اہلِ پاکباز دل اور حقیقی عاشقوں کی نفسی کیفیت کچھ اس قسم کی ہوتی ہے یاد ندارد تو حضرت عارفِ جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر یاد کیجئے جس میں وہ فرماتے ہیں

زمہجوری برآمد جانِ عالم ترحّم یا نبیّ اللہ ترحّم

یارسول اللہ آپ کی داغِ مفارقت کی تاب نہ لا کر عاشقوں کی جانیں نکلنے کو آئی

ہیں اور اضطراب و بے قراری سے وہ ختم ہو رہی ہیں اس لئے اے اللہ کے مقدس پیغمبر! ہمارے حالِ زار پر کچھ تو رحم فرمایئے اور اپنے دیدار سے سرفراز فرمایئے اور پھر عارفِ مذکور اپنی انتہائی بے قراری میں فرماتے ہیں ؎

تو اَبرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے ٭ کنی برحالِ لبِ خشکاں نگاہے

یا رسول اللہؐ آپ حقیقی ابرِ کرم اور بارشِ رحمت ہیں اور ہم انتہائی پیاسے بے قرار اور خشک لب ہیں تو کبھی ہم خشک لبوں اور طالبینِ مئے معرفت پر نظر کرم فرمایئے تاکہ یہ بے قراری اور خشک زبانی دور ہو جائے۔

اسی عشق و محبت اور والہانہ اعتقاد کا ثبوت سُلطانُ الشعراء حضرت ملا خسرو رحمۃ اللہ علیہ اس طرح دیتے ہیں۔ ؎

آفاق ہا گردیدہ ام ٭ بسیار خوباں دیدہ ام
مہرِ بُتاں ورزیدہ ام ٭ آما تو چیزی دیگری
مَن تو شدم تو مَن شدی ٭ مَن تن شدم تو جاں شُدی
تاکس نگوید بعد ازیں ٭ مَن دیگرم تو دیگری

اور جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ عشقِ محمدیؐ کا ثبوت اس طرح دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎ ہر کہ عشقِ مصطفٰےؐ سامانِ اوست ٭ بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست
روح را جُز عشق او آرام نیست ٭ عشقِ او روزیست کاں را شام نیست

پس حضرتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اُمتی وہ ہے جس کے رگ و ریشہ ظاہر و باطن اور دل و دماغ میں عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی طرح عامل اور کار فرما ہو جس طرح روح بدن میں عامل اور کار فرما ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ جس کی طرف ابھی ابھی جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کے دو شعروں میں اِشارہ آچکا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت اور وابستہ رہنے کا صحیح طریقہ محبت کا بہترین اور فائدہ بخش طریقہ یہ ہے کہ مسلمان کے دل میں آپ کا اِجلال و احترام

ہو، اعمال اور حرکات و سکنات میں آپ کی پوری اِتباع و پیروی ہو اور زبان سے درودِ شریف کا شغل اور وظیفہ ہر دم اور ہر ممکن وقت میں جاری رہے اور یہ بات یقینی ہے کہ جس مسلمان کے دل میں آپ کا عشق و محبت ہو تو اس کی زبان آپ کی یاد اور درود و سلام سے غافل نہیں رہ سکتی بلکہ ہر وقت اُس کی زبان پر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سیّدنا محمّدٍ وعلٰی اٰلِ سیّدنا ومولٰینا محمّدٍ کا وظیفہ جاری ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ درود خوان کو درودِ شریف سے آپ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ خاص تعلق قائم ہو جاتا ہے اور دل میں آپ کی عظمت بیٹھ جاتی ہے اور قیامت کے دن آپ کی شفاعت نصیب ہوگی یہی وجہ ہے کہ اکابرِ صحابہ سے لیکر تا ایں دم تمام عوام و خواص مسلمان درود شریف پڑھنے کے عادی ہیں اور چونکہ درود شریف کے ہزاروں صیغے قسم قسم کی عبارتیں ہیں اور ہر ایک درود کی خصوصیات اور برکات علیحدہ علیحدہ ہیں اس لئے علمائے اُمّت اور اولیاء اللہ نے درودِ شریف کی فضیلت اور اُس کے پڑھنے اور ادا کرنے کے طریقوں میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔

درودِ شریف کی ان کتابوں میں جو قبولیت دلائلُ الخیرات اور کبریتِ احمر کو نصیب ہوئی ہے وہ اس قسم کی بہت کم کتابوں کو عطا ہوئی۔ گو اُن کی افادیت سے بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ کبریتِ احمر کی قبولیت کی وجہ بالکل بیّن اور ظاہر ہے کہ اس کے مؤلّف وہ برگزیدہ قطبُ الاقطاب ہیں کہ جن کے متعلّق بہت سے مُنصِف اکابر نے لکھا ہے کہ حضرتِ امامِ اعظم ابوحنیفہ اور حضرتِ غوث الاعظم رضی اللہ عنہما کا وجودِ مسعود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے معجزات میں سے ہے اور یہ کہ اسلام کی حقانیت کی دلیلوں میں سے ایک روشن دلیل ہے۔ کبریتِ احمر کی قبولیت کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لاکھوں فرزندانِ توحید صبح و شام نہ صرف اُس کو پڑھتے ہیں بلکہ اُسے حرزِ جان بنائے ہوئے ہیں۔ پس ایسے مُقدّس اور موجبِ سعادت و برکت وظیفہ کے معانی اور مطالب کا سمجھنا اور پڑھنے والوں کو اُس کے

اسرار و رموز سے آگاہ کرنا نہایت ضروری اور ابدی ہے اس لئے بارہا اس ذرہ بے مقدار کے دل میں اردو اور کشمیری زبانوں میں اُس کے تحت اللفظ ترجمہ لکھنے کا خیال آیا مگر دوستوں نے اس کے ساتھ ایک ایسے عام فہم اردو زبان میں مفصل شرح لکھنے کا حکم دیا کہ جس میں علمی باریکیوں سے کہیں زیادہ درودِ شریف ہی کے مسائل و فضائل ہوں اور کبریتِ احمر کی عظمت و شان اس کے پڑھنے والوں پر واضح ہو جاتے چنانچہ میں نے ان حضرات کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے درودِ کبریتِ احمر کی شرح لکھنے کا فیصلہ کیا اور اس شرح اور ترجمہ کا نام شفاءُ البشر فی ترجمۃ وشرح کبریتِ الاحمر قرار پایا۔ مجھے پوری امید ہے کہ ربِ کریم اس خدمت کے طفیل میرے اور مجھ سے وابستہ عزیزوں، دوستوں اور بزرگوں کی ظاہری اور باطنی بیماریوں کا شفاءِ کامل نصیب فرمائے گا اور قیامت کے دن حضرتِ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیگا اور اس کے ساتھ ساتھ میرے اور میرے اسلافِ کرام و مشائخ عظام کی مغفرت نصیب ہو۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز

اس سلسلہ میں ترجمہ اور شرح لکھنے سے پہلے ایک مختصر مقدمہ ہدیۂ قارئین کرام کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ وہ پُورے غور و فکر سے اس مقدمہ کا مُطالعہ فرمائیں گے۔

مُقَدَّمَہ

اس میں بترتیبِ ذیل پانچ فصلیں ہونگی:۔

پہلی فصل میں اُن اوقات و مقامات کا بیان ہے جنمیں خصوصیت کے ساتھ درودِ شریف پڑھنا مستحب ہے۔

دوسری فصل میں اُن اوقات کا بیان ہے جنمیں درودِ شریف پڑھنا شرعاً مکروہ اور ناپسند ہے۔

تیسری فصل میں درود شریف کے متعلق چند اہم مسائل بیان کئے جائیں گے۔

چوتھی فصل میں کبریتِ احمر کی وجہِ تسمیہ، اس کے متعدد نام اور اُس کے پڑھنے کے آداب اور خواص کا بیان ہے۔

پانچویں فصل میں کبریتِ احمر کا اجازت نامہ از راقم تا حضرت سیدنا و مولٰنا شیخ سید عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ اور اس اجازت کی خصوصیت بیان کی جائے گی اور ضمناً بطورِ تبرک اپنے اسلافِ کرام اور اساتذۂ عظام کا ذکرِ خیر آئے گا۔

پہلی فصل

قال خاتمۃ المحققین العلامۃ الفقیہ الفہامۃ النبیہ الشیخ محمد امین فی ردّ المحتار علی الدّر المختار شرح تنویر الابصار فی صفحہ ۳۶۳ ونصّ العلماء علی استحبابھا فی مواضع منھا یوم الجمعۃ ولیلتھا وزید ویوم السبت والاحد والخمیس الی اٰخر۔

یعنے خاتمۃ المحققین الشیخ محمد امین ابن عابدین نے دُرِ مختار کی شرح ردّالمحتار بحوالۂ شرح الفارسی علی دلائل الخیرات میں فرمایا کہ علماءِ اسلام نے مندرجۂ ذیل اوقات و مقامات میں درودِ شریف پڑھنا خصوصیت کے ساتھ مستحب اور بہت پسندیدہ فرمایا ہے۔ وہ مقامات و اوقات یہ ہیں:۔

(۱) جُمعہ کے دن (۲) شبِ جمعہ میں (۳) شنبہ کو (۴) اتوار کو (۵) جمعرات کو (۶) صبح کے وقت (۷) شام کے وقت (۸) مسجد میں داخل ہونے کے وقت (۹) مسجد سے نکلتے وقت (۱۰) آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبرِ اطہر دیکھتے وقت (۱۱) صفا و مروہ پر چڑھتے وقت (۱۲) جمعہ کے خطبہ میں (۱۴) اذان کے جواب کے بعد (۱۵) نماز کے لئے اقامت کے وقت (۱۶) دعاء کے شروع میں (۱۷) دعا کے درمیان (۱۸) دعا کے آخر میں (۱۹) دعاءِ قنوت کے آخر میں (۲۰) حج

میں لبیک سے فراغت پر (۲۱) باہمی ملاقات کے وقت (۲۲) مجمع سے علیحدہ ہونے کے وقت (۲۳) وضوء سے فراغت پر (۲۴) کان بجنے کے وقت (۲۵) کسی چیز کو رکھ کر بھول جانے کے وقت (۲۶) وعظ شروع کرنے کے وقت (۲۷) درس و تدریس کے شروع میں (۲۸) علم حدیث شروع کرنے وقت (۲۹) اس کے آخر میں (۳۰) دینی سوال لکھتے وقت (۳۱) فتوٰی لکھتے وقت (۳۲) ہر مصنّف (۳۳) ہر پڑھنے والے (۳۴) ہر پڑھانے والے کے لئے (۳۵) خطیب کے لئے (۳۶) منگنی کرنے والے کے لئے (۳۷) نکاح کرنے والے کے لئے (۳۸) دوسرے کا نکاح کرانے والے کے لئے (۳۹) چھوٹے رسالوں کے شروع میں (۴۰) اہم کام شروع کرتے وقت (۴۱) حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نامِ مبارک لیتے وقت (۴۲) آپ کا نامِ مُبارک سُنتے وقت (۴۳) آپ کا اسمِ نازنین لکھتے وقت۔ انتہٰی ما قال الفقیہ رحمہ اللہ۔ ان مقامات کے علاوہ اور بہت سے مواقع ہیں جنمیں درودِ شریف پڑھنا مُستحب ہے۔ صاحبِ فضائلِ درودِ شریف وغیرہ نے ان کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔

دُوسری فصل

اُن مقامات کے بیان میں جن میں علّامہ شامی حنفی رحمہ اللہ نے درودِ شریف پڑھنا مکروہ و غیر پسندیدہ بتایا ہے۔ چناں چہ موصوف نے "تنبیہ" کے عنوان کے تحت اس سلسلہ میں سات جگہوں کو ذکر کیا ہے۔ اصلی عبارت یہ ہے:۔

"تکرہ الصّلٰوۃُ علیہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی سبعۃِ مواضعَ الجماع وحاجۃ الانسان وشہرۃ المبیع والعثرۃ والتعجّب والذبح والعُطاس علٰی خلافٍ فی الثلاثۃ الاخیرۃ"

ترجمہ: "سات جگہوں میں درود پڑھنا مکروہ ہے: (۱) صُحبت کے وقت (۲) پیشاب پاخانہ کے وقت (۳) بیچنے کی چیز کو شہرت دینے کے لئے (۴) ٹھوکر کھاتے وقت (۵)

تعجب کے وقت (۶) جانور ذبح کرتے وقت (۷) چھینک آنے کے وقت۔

تیسری فصل میں درودِ شریف کے متعلق چند اہم مسائل بیان کئے جائیں گے۔

(۱) علامہ شامی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کی قرأت میں آپ کا نامِ مبارک ذکر کرنے یا سننے سے زبان سے درود پڑھنا مذکورہ سات چیزوں کے ساتھ ملحق کرنا زیادہ اچھا ہے اسی طرح جمعہ کے خطبہ میں اگر آپ کا نامِ مبارک سُنے تو زبان سے درودِ شریف نہ پڑھے کیونکہ ان دونوں حالتوں (نماز اور خطبہ) میں مقتدی اور سُننے والے پر خاموش رہنا واجب ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان دونوں حالتوں میں بھی دل سے درود پڑھنا چاہیئے۔

(۲) اگر کوئی شخص اثناءِ تلاوتِ قرآن میں آپ کا نامِ مُبارک سُنے تو اُس پر اُس وقت درود پڑھنا واجب نہیں اور اگر وہ تلاوت سے فارغ ہوکر درود پڑھے تو وہ حسن اور بہتر ہے۔

(۳) اگر اثناءِ تلاوت میں آپ کا یا کسی پیغمبر کا نامِ مُبارک آجائے تو تلاوت بدستور جاری رکھنی چاہیئے تاکہ نظمِ قرآن کے درمیان کوئی چیز نہ آجائے اور بعدِ فراغت درود پڑھنا بہتر ہے۔

(۴) علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام عبادتوں میں رَدّ و قبول کا احتمال ہے یعنی کسی عبادت کے متعلق یقین کے ساتھ یہ دعوٰی نہیں کرسکتے کہ یہ عبادت بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ صرف درودِ شریف ہی اس سے مستثنیٰ ہے کہ یہ وہ عمل ہے جو کبھی دربارِ الٰہی میں رَدّ نہیں ہوتا بلکہ اُس کے رَدّ ہونے کا احتمال بھی نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ اور اُس کے فرشتے مسلسل استمرارِ تجدُّدی کے ساتھ حضرت سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذات بابرکات پر درود بھیجتے ہیں جیسا کہ "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" سے ثابت ہے۔ حضرتِ موصوف مزید فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے اُس نے ہم مسلمانوں کو آپ پر درود و سلام بھیجنے کا اس لئے حکم فرمایا ہے کہ ہم کو اس کے واسطہ سے اپنے پیغمبر صاحب صلّی اللہ علیہ وسلّم سے فضل و

Scanned with CamScanner

شرف اور قرب و نزدیکی حاصل ہو جائے ورنہ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے پروردگار کے درود سے ہم جیسوں اور ہماری درود خوانی سے مستغنی اور بے نیاز ہیں۔ حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا "منت منہ کہ خدمتِ سلطان میکنی"

موصوف فرماتے ہیں کہ: پس درود کے رَدّ اور نامقبول ہونے کا امکان ہی نہیں جیساکہ فرمایا فیکونُ دُعاءُ المؤمنِ بطَلَبِ الصَّلوٰۃِ مِن ربّہٖ مقبولاً قطعًا پس مومن کی درودخوانی یقیناً مقبول ہوگی۔ اس کے بعد صاحب فتاوٰی شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک چیز کے مقبول ہونے اور اس پر ثواب ملنے میں باریک فرق ہے کہ ثواب تو درودِ شریف کا اُسی وقت ملیگا جبکہ اس کے آداب و شرائط کی پوری رعایت رکھی جائے گی لہٰذا درود شریف پڑھنے والوں کو خوش رہنا چاہیئے کہ جب وہ پورے اخلاص و محبت کے ساتھ اپنے محبوب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر درودِ شریف پڑھیں گے تو وہ ہرگز ربانی دربار میں ضایع نہیں ہوگا بلکہ وہ اُن کے حق میں بہترین نتیجہ اور عُمدہ پھل پیدا کریگا لہٰذا وہ پُرامید رہیں۔

(۵) یہ سوال بھی قابلِ غور ہے کہ: کہا جاتا ہے کہ جس طرح ہم کو آنحضور صلی اللہ علیہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے کیا اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر بھی اپنی ذاتِ مقدسہ پر درود پڑھنے کا حکم ہے یا نہ؟

اس سوال کا جواب علامۂ ابن عابدین رح ردُّ المحتار میں اس طرح دیتے ہیں۔

لا یجبُ علی النبیِّ صلی اللہُ علیہِ وسلّمَ اَنْ یُصلّیَ علیٰ نفسِہٖ

کہ آنحضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر اپنی ذاتِ مقدسہ پر درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔ موصوف اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں یاایّھا الّذین اٰمنو آیا ہے اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم مُراد نہیں ہوتے۔ ہاں جہاں یا ایّھا النّاسُ، یاعِبادِیْ آتا ہے اس میں آپ بھی شامل ہوتے ہیں، فرماتے ہیں اسمیں یہ حکمت ہے کہ اپنی بہتری اور فایدے کے لئے دُعا کرنا انسان کی جبلّت و فطرت میں داخل ہے

اور شرعی احکام اور خطابُ اللہ اُن چیزوں میں ہوتا ہے جنمیں کُلفت ومشقت ہو چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے اپنی ذاتِ مقدّسہ پر درود بھیجنا کُلفت ومشقت میں داخل نہیں اسی لئے آنجناب پر اپنی ذاتِ مقدّسہ پر درود بھیجنا واجب نہیں ہے (فاحفظم)

(۶) پوچھا جاتا ہے کہ درود ابراہیم میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی کے ساتھ لفظ سَیِّدِنَا پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟

اس سوال کا جواب صاحب ردّ المختار رحمہ اللہ اس طرح دیتے ہیں: وَالْاَفْضَلُ اَلْاِتْیَانُ بِلَفْظِ السِّیَادَۃِ کَمَا قَالَ ابْنُ الظَّھِیْرَۃِ وَصَرَّحَ بِہٖ جَمْعٌ وَبِہٖ اَفْتَی الشَّارِحُ اِلٰی آخِرِہٖ۔

ترجمہ: "درود ابراہیم میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی کے ساتھ سَیِّدِنَا کا لفظ پڑھنا افضل اور بہتر ہے جیساکہ علّامہ ابن ظہیرہ اور دوسرے علماءِ کرام نے اسکی تصریح کی ہے اور صاحبِ دُرِّ مختار نے بھی اسی کے مُطابق فتوٰی دیا ہے اور اسی میں کمالِ ادب واحترام ہے، کیونکہ اس طرح پڑھنا حقیقتِ حال کے عینِ مُطابق ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا سیّدُ الاولین والآخرین ہونا مُتّفق علیہ ہے جیساکہ خود آپ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کہ میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہونگا۔ یہ مسلم شریف کی حدیث ہے اور ترمذی شریف میں بروایتِ حضرتِ ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ اس طرح آیا ہے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا فَخْرَ کہ میں قیامت کے دن اولادِ آدمؑ کا سردار ہوں گا اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں بلکہ حقیقت اور واقعہ نفسُ الامر ہے۔

اس مقام پر اگر کوئی یہ سوال کرے کہ آپ نے قیامت کے دن کے ساتھ اپنی سیادت کیوں خاص کی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ آپ دُنیا میں بھی اولادِ آدمؑ کے سیّد وسردار ہیں اور قیامت کے دن بھی پھر قیامت کے ساتھ اپنی سیادت خاص کرنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ اُس دن تمام انبیاء جمع ہونگے تو جب ان کے ہوتے ہوئے آپ سب کے

سردار و بادشاہ ہونگے تو دنیا میں بطریقِ اولیٰ ہیں یہی ہمارا ایمان ہے۔ اور بقول صاحب فضائل درود شریف صاحبِ فتاوا اتے رملیہ شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ بعض حضرات سیّدنا کے بڑھانے سے منع کرتے ہیں جس کے دو سبب ہیں اوّل یہ کہ جب آپ نے درودِ ابراہیمی کی تعلیم کی تو آپ نے سیّدنا کا لفظ اس میں نہیں سکھایا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ کوئی غیوّر بادشاہ اپنے ماتحتوں سے یہ نہیں کہتا کہ میری تعریف کرو بر تو اُس کے ماتحتوں اور رعیتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی اس طرح تعریف و توصیف کا حق ادا کریں جس تعریف و توصیف کا مستحق اُن کا بادشاہ ہو۔ ایسی تعریف نہیں کرنی چاہیئے جو بادشاہ کے منشا اور اُس کے قانون کے برخلاف ہو۔ اسی طرح سیّدنا کا لفظ بڑھانا شہنشاہِ رسالت حضرت محمّد رسول اللہ کے قانون اور منشأ کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کے عین مطابق ہے کہ آپ نے فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ پس اس لفظ کا پڑھنا عین ادب اور احترام ہے۔

لفظ سیّدنا کی منع کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپ نے فرمایا السیّدُ ھُ اللّٰہُ جیساکہ ابوداؤد میں مذکور ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ صحیح حدیث ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے پر اُس کا اطلاق ناجائز ہو۔ زیادہ سے زیادہ اس کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ حقیقی سردار تو حق تعالیٰ ہی ہے البتہ مجازاً آپ پر بھی اُس کا اطلاق کر سکتے ہیں جیساکہ خود آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک دن بنوسلمہ سے دریافت کیا مَنْ سَیِّدُکُمْ ؟ تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا جدّ بنی قیس۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا بَلْ سیّدکم عمرو بن جموح بلکہ تمہارا سردار عمرو بن جموح ہے۔ خود حضرت امام بخاری حدیث کے اس حصّہ کو ادب المفردین ذکر کیا ہے۔ کما قیل۔ اسی طرح اذا نصح العبدُ سیّدہٗ اور قوموا الٰی سیّدِکُمْ ابوبکر سیّدُنا واعتق سیّدنا ان مختلف احادیث میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے متعدد صحابۂ کرام پر سیّد کا لفظ اطلاق کیا ہے تو پھر آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

لفظ سید کے اطلاق کرنے کی کوئی شرعی ممانعت معلوم نہیں ہوتی۔ آپ تو سید ہی نہیں بلکہ سید السادات اور فخر موجودات ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کما قیل ؎

سیدِ عالم سندِ عالمین   جاء الینا بکتابٍ مبین

نوٹ: احادیث کی کتابوں میں یہ مسئلہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۷) دریافت کیا جاتا ہے کہ غیر نبی پر درود بھیج سکتے ہیں یا نہ؟ اس کا جواب قطب الاقطاب حضرت شیخ سید عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ نے غنیۃ الطالبین کے صفحہ نمبر ۱۰۴ پر اس طرح دیا ہے۔ ویجوز ان یقول الرجل لغیرہٖ صلی اللّٰہ علیک وصلی اللّٰہ علی فلان بن فلان لما رُوِیَ اَنّ علیًّا رض قال لعمر رض صلی اللّٰہ علیک وانسی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اللّٰھم صلِّ علیٰ اٰلِ ابی اوفیٰ۔ (ترجمہ) "یہ جائز ہے کہ ایک شخص غیر نبی پر بھی درود بھیجے مثلاً یوں کہے "تم پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہو" یا یوں کہے "خدا تعالیٰ کی رحمت فلان بن فلان پر نازل ہو۔ جواز کی یہ دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رض کو دعا دیتے ہوئے فرمایا صلی اللّٰہ علیک اللہ کی رحمت تم پر نازل ہو اور خود حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! ابی اوفیٰ کی اولاد پر رحمت نازل فرما۔"

میں کہتا ہوں کہ ابوداؤد میں بھی اسی قسم کی حدیث ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو اس طرح دعا فرمائی صلی اللّٰہ علیکِ وعلیٰ زوجکِ۔ "اللہ کی رحمت تیرے اوپر اور تیرے خاوند کے اوپر نازل ہو"۔

مگر علمائے احناف نے غیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بالذات اور بالاصالۃ درود بھیجنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ہاں بالتبع اور بالواسطہ غیر نبی کے لئے لفظ صلوٰۃ کی نسبت کرنے میں کوئی قباحت نہیں چنانچہ اصول الشاشی کے حاشیے پر اس طرح لکھا ہے:۔

Scanned with CamScanner

(۸) مشہور ہے کہ درود شریف پڑھنا ساری عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اس سے درود شریف کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں ہوتی جیسا کہ کچھ کم علم سمجھتے ہیں بلکہ علماءِ احناف نے اس قاعدہ کے تحت ایسا کہا ہے کہ جو اُن کے نزدیک مُسلم ہے کہ ان الامر لا یقتضی التکرار کہ امر تکرار اور بار بار کا مقتضی اور طلب گار نہیں ہوتا اور جب اس پر ایک دفعہ عمل ہو جائے تو پھر اس پر عمل کرنا فرض نہیں رہتا جیسا کہ حج ایک مرتبہ ادا کرنے سے فرض پورا ہو جاتا ہے اور جن عبادات میں بظاہر تکرار اور بار بار اُن پر عمل دیکھا جاتا ہے وہ اَمر کی بِنا پر نہیں بلکہ اسباب کے تکرار و بار بار آنے کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ نماز، روزہ اور مال اِن میں تکرار صرف اسباب کے مُکرّر اور بار بار آنے کی وجہ سے ہے اور اس مسئلہ کی پُوری تفصیل علم اصول فقہ کی کتابوں جیسے نور الانوار، توضیح وغیرہ میں ملے گی مگر اس مقام پر یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نامِ مبارک سُنے یا آپؐ کا نامِ مبارک زبان پر لے تو اس وقت علی الصحیح ہر بار اس پر درود پڑھنا واجب ہے۔ گو مجلس متحد ہی کیوں نہ ہو۔

(۹) سوال کیا جاتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر درود شریف پڑھنے کا حکم کب ہوا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درود پڑھنے کا حکم اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ سے ثابت ہے اور یہ آیت جیسا کہ مُفسّرین کرام اور علّامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ۲ سنہ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور اس آیت کی تاریخ نزول کا دوسرا قول بھی ہے وہ شب معراج بتاتے ہیں۔ (ذکرہُ العلامۃُ الفقیہ ابن عابدین رحمہ اللہ)

(۱۰) سلسلۂ درود میں یہ سوال مشہور ہے کہ درودِ ابراہیمی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں مخصوص کیے گئے ہیں۔؟ اس کا جواب صاحب دُرِّ مختار وغیرہ نے تین طرح دیا ہے:۔ (۱) شبِ معراج میں حضرت ابراہیمؑ نے اُمتِ مرحومہ کو سلام

بھیجا اور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے فرمایا اَبْلِغْ اُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ کہ اپنی اُمّت کو میری طرف سے سلام پہنچا دیجئے۔ اُس کا بدلہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ رکھا کہ التحیات کے درود میں آپ کا نام مبارک شامل رکھا تاکہ ہماری طرف سے کچھ حق ادا ہو جائے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے ہم کو مسلمان نام رکھا جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ ابراہیم نے ہی تم کو اس سے پہلے مسلمان نام رکھا اور فرمایا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ اور ہماری ذرّیت میں سے اپنے لئے ایک تابعدار جماعت بنا لیجئے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اس درود سے مُطلق درود مُراد نہیں ہے بلکہ خاص قسم کا درود مُراد ہے کہ "اے اللہ! ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلبیت پر ایسا درود بھیجئے جیسا درود آپ نے حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن صلوات اللہ علیہ اور آپ کے اہلبیت پر بھیجا۔ وہ درود کون ہے؟ وہ وہ درود ہے جس سے اللہ تعالیٰ ہمارے پیغمبر صاحب کو اسی طرح اپنا خلیل بنائے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا۔ علامہ شامی نے اس سوال کے مزید دو جواب اور دئیے ہیں کہ ابراہیمؑ آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جدِ امجد ہیں اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ علی الاصح دوسرے پیغمبروں سے افضل اور برتر ہیں اور ان سے برتر صرف حضرتِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔

(۱۱) نماز میں جو درود پڑھا جاتا ہے وہ احناف کے نزدیک سُنت ہے اور امام شافعی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے۔ اُن کے نزدیک بدونِ درود کے نماز جائز نہیں ہے۔ امام طحاوی اور خطابی رحمہ اللہ نے امام شافعی صاحب کے اس مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ امام شافعی صاحب اس رائے میں متفرد اور تنہا ہیں۔ کذا فی انوار المحمود۔

Scanned with CamScanner

چوتھی فصل:

کبریت احمر کی وجہ تسمیہ، اس کے آدابِ معنوی و آدابِ ظاہری اور کبریت شریف کی اجازت و دیگر ضروری امور کے بیان میں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مقدس وظیفۂ درود کے متعدد اسماء ہیں:۔

(۱) اِکسیرُ الحوائج۔ اِکسیر مصباح اللغات کی تحقیق کے مطابق اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے چاندی وغیرہ سونا بنایا جاتا ہے۔ اور حوائج حاجت کی جمع ہے جس کے معنی ضرورت کے آتے ہیں۔ پس جس طرح بنا بر مشہور اِکسیر سے تانبا، چاندی سونا بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح درود کبریتِ احمر سے بھی دل کی چاندی اور تانبا سونا بن جاتا ہے اور جس طرح سونا ظاہری حاجتوں اور ضرورتوں کی کفایت کرتا ہے اسی طرح اس وظیفہ کے پڑھنے سے بھی حق تعالیٰ دینی و دنیوی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور تمام مشکلات آسان فرماتا ہے بشرطیکہ اس کا پڑھنے والا ضروری آداب کا خیال رکھے۔ اس مقدس وظیفہ کا دوسرا نام تریاقُ الاکبر ہے۔[1] تریاق زہر مُہرہ کو کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا خاص معجون ہے جو زہر کے دفع اور اُسکا اثر دور کرنے کے لئے بنائی جاتی ہے۔

اسی طرح اس وظیفۂ مبارکہ کا پڑھنا بھی حاجت مندوں، مصیبت زدوں، طالبین آخرت اور خاصکر حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اُمتیوں کے لئے نہ صرف تریاقُ الاکبر اور معجونِ شفاء ہے بلکہ دفعِ امراض و افلاس اور بے شمار سعادت و برکات کا بھی موجب اور سبب ہے کیونکہ پیرانِ پیر حضرت شیخ سید عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ نے جس جامعیت و استغراق سے اسماءِ مبارکہ، معجزاتِ عالیہ، اوصاف

---

[1] یہ متعدد نام ہم نے وسیلۃ الوصول الی دیار الرسول شرح کبریت احمر مؤلفہ مورخ کشمیر حضرت خواجہ اعظم دیدہ مری مصنفِ تاریخ اعظمی سے نقل کئے ہیں اور موصوف نے یہ شرح ۱۱۴۹ھ ہجری میں شروع کی ہے۔

مُقدّسۂ حضرت ختمیت مآب فِدٰی لہٗ نفسی وروحی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ادعیہ شریفیہ اس پاک وظیفہ میں جمع فرمائے ہیں) وہ اس درجہ اختصار کے ساتھ دوسرے ہمچو قسم کے وظیفوں میں نہیں ملتے[1] اس لئے اس کا نام تریاق الاکبر (بڑا زہر مہرہ) رکھ دیا ہے تاکہ قارئین کرام اور اس کے پڑھنے والے یہ نام سنتے ہی اس وظیفۂ درود کی اہمیت اور بیش بہا فوائد و منافع کا اندازہ[1] کر سکیں گے

اس اعجازی صفت وظیفہ کا تیسرا نام اَلْکِبْرِیْتُ الْاَحْمَر ہے۔ کبریت سرخ گندھک لعل اور زرِ سرخ کو کہتے ہیں۔ الاحمر جیسا کہ مصباح اللغات میں ہے اُس شے کو کہتے ہیں جس کا رنگ سرخ ہو۔ اس کی جگہ اَحَامِرُ آتی ہے۔ اَلْاَحْمَرُ اس کو بھی کہتے ہیں جو سرخ رنگ سے رنگا ہوا ہو تو اُس وقت اس کی جمع حُمْرٌ اور حُمْرَانٌ آتی ہے۔ الکبریت موصوف، الاحمر اس کی صفت ہے۔ پس اگر یہ بطریقِ موصوف صفت پڑھا جائے تو الاحمر اس کے لئے صفتِ مخصوصہ ہوگی۔ کیونکہ گندھک سرخ و سیاہ دونوں قسم کا ہوتا ہے مگر سرخ گندھک زیادہ قیمتی اور کمیاب ہوتا ہے جیسا کہ نظامی اپنے ممدوح سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ ؎

نہ گوگردِ سرخی نہ لعلِ سفید ٭ کہ جوئیندہ گردد زتو ناامید

(اے ممدوح!) میں آپ سے سرخ گندھک یا سفید لعل جیسی نایاب و کمیاب چیزیں آپ سے نہیں مانگتا کہ ایسی چیزوں کا طلب کرنے والا نا امید تو ہو سکتا ہے لیکن میں آپ سے سہل الحصول چیز طلب کرتا ہوں اس لئے میری ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر اس وظیفہ کو اس نام سے موسوم کرنے کی یہ وجہ ہے کہ جس طرح سرخ گندھک بہت قیمتی اور نایاب ہوتا ہے مگر اس کی خاصیت و تاثیر اتنی قوی اور تیز ہے کہ بنا بر مشہور تانبے کو سونا بنا دیتا ہے۔ اسی طرح یہ مجموعۂ وظیفۂ درود بھی گوناگون خوبیوں اور اپنے بے شمار و متنوّع خواص و فوائد کی بنا پر سرخ گندھک اور لعل سفید کی طرح

[1] اس بحث کی تشریح کبریت احمر میں تفصیل کے ساتھ آرہی ہے۔

Scanned with CamScanner

غریز المثال اور نادر الوجود ہے۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں وَقُوْدُ هَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

وَالْكِبْرِيتُ تَتَّقِدُ بِهَا كُلُّ نَارٍ وَإِنْ ضَعُفَتْ لِأَنَّ الْكِبْرِيتَ اسرعُ وَقُوْدًا وَأَبْطَأُ خُمُوْدًا۔ کبریت سے ہر قسم کی آگ سلگائی جاتی ہے خواہ وہ کتنی ہی کمزور ہو اس لئے کہ کبریت (گندھک) بہت جلد سلگ جاتا اور دیر سے بجھ جاتا ہے۔ پس اس صورت میں اس نام سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس وظیفہ کا پڑھنے والا کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو مگر وہ اس وظیفہ کی برکت سے اپنے نیک مقاصد میں کامیاب ہو کر رہے گا اور اس کا اثر اُس کے دل پر تا ممات باقی رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کبریتُ الاحمر کی ترکیب ترکیبِ اضافی ہو اور اس میں لام اسی طرح مقدر ہو جس طرح غُلَامُ زَيْدٍ میں لام مقدر مانکر کہتے ہیں کہ اصل میں غُلَامٌ لِزَيْدٍ تھا۔ پس كِبْرِيتُ الْاَحْمَرِ بھی اصل میں كِبْرِيتٌ لِلْاَحْمَرِ تھا اور احمر سے سُرخ تانبا اور مِسِ خام مُراد ہو اور ناصاف اور ناپختہ دل کو مِسِ خام سے تشبیہہ دینا شایع اور عام ہے۔ اس لحاظ سے اس اضافی معنی کا یہ حاصل ہوا کہ یہ وظیفۂ درود دل کے مِسِ خام کے لئے بمنزلۂ کبریت اور سرخ گندھک کے ہے یعنی اسکی برکت سے پڑھنے والوں کے دل و دماغ منور و معطر ہو کر بارگاہِ رسالت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قریب ہو جاتے ہیں اور قیامت کے دن آپؐ کی شفاعت کے امیدوار بن جاتے ہیں۔ مگر یہ امر واضح رہنا چاہیئے کہ ہر چیز کے لئے کچھ شروط و آداب ہوتے ہیں جن کی حفاظت و رعایت رکھنے سے ہی دامنِ مقصود ہاتھ آجاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے کبریتِ احمر کے خاص خاص شروط و آداب ہدیۂ قارئین کریں لہٰذا معلوم ہونا چاہیئے کہ آداب دو قسم کے ہوتے ہیں آداب ظاہری اور آداب باطنی۔ آداب باطنی سے مُراد دل کی کیفیت جیسے اِخلاص اور رضا جوئی حق اور آداب ظاہری کا تعلق ظاہری جسم و جہت اور زمان و مکان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس دونوں

Scanned with CamScanner

قسم کے آداب کبریتِ احمر پڑھنے والے حضرات کے لئے اس نیت سے پیش خدمت کرتے ہیں کہ وہ اِن آداب کا بھرپور خیال رکھیں گے تاکہ ان کی محنت کما ینبغی بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوجائے اور ہم اسی خاص غرض سے آدابِ باطنی آدابِ ظاہری پر مقدم کرتے ہیں۔

کبریتِ احمر پڑھنے کے باطنی آداب

دل پاک کرنا یہ درود شریف پڑھنے والا پہلے اپنے دل کو حسد، کینہ، بغض وعداوت، مکر و ریا، عُجب وخودستائی، غرور و پندار، حرص وہوا، دُنیا طلبی اور شہرت و ناپاک اغراض سے پاک وصاف کرلے اور جو شخص اِن اوصافِ ذمیمہ سے ملوّث اور آلودہ ہو ظاہری پاکی وصفائی سے اُسے کوئی فایدہ نہیں ہوگا ع کہ زنگی بشستن نہ گردد سفید

مضامین کی حقانیت کا یقین ہونا کبریتِ احمر پڑھنے والے کے دل میں اُن معانی و مضامین کی حقانیت وصداقت کا یقین ہونا چاہیئے۔ جو اس میں مذکور ہیں خاص کر آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رفعت و اُبہت، آپ کی عظمت وشوکت، آپ کے اوصافِ حمیدہ، شمائلِ شریفہ، معجزات و کمالات کے متعلق یقین کرے کہ فی الواقع آپ ایسے ہی ہیں جیسے کہ کتابوں میں مذکور و معروف ہیں صلّی اللہ علیہ وسلّم بلکہ اس بات کا بھی یقین کرے کہ آپ کی عظمت کما حقہٗ بیان کرنا قلم اور زبان کی طاقت سے باہر ہے اور آپ کی مدح کا حق کسی فردِ بشر سے ادا نہیں ہوسکتا جیساکہ صاحب قصیدہ بُردیہ (بُردہ) رحمہ اللہ نے آپ کے بارے میں فرمایا ؎

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ
حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

ترجمہ: آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کمالات کی کوئی ایسی نہایت نہیں ہے جسے کوئی

فصیح و بلیغ اپنے بیان کے احاطہ میں لائے۔

كَالشَّمْسِ تَظْهَرُ لِلْعَيْنَيْنِ مِنْ بُعُدٍ
صَغِيْرَةً وَتُكِلُّ الطَّرْفَ مِنْ أَمَمٍ

آپ کی مثال آفتاب کی طرح ہے جو دور سے مختصر اور محدود دکھائی دیتا ہے اور جب نزدیک سے اُسے دیکھا جائے تو دیکھنے والوں کی آنکھیں اُس کے دیکھنے سے عاجز اور خیرہ پڑجاتی ہیں اس لئے وظیفہ ہذا پڑھنے والے کا دل و دماغ آپ کی عظمت و توقیر سے معمور اور سرفراز ہونا چاہیئے۔

اخلاص وعاجزی

حقیقت اور طریقت سے کوسوں دور پڑے ہوئے کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ کبریت احمر یا دوسرے وظایف پڑھنے کا کمالِ ادب بس یہ ہے کہ بہت اونچی آواز، بلند اور جسم ہلا ہلا کر پڑھا جائے خواہ اس کے معانی و مطالب کا علم ہو یا نہ ہو۔

بزرگو! یہ طریقہ آداب میں داخل نہیں بلکہ کمال ادب تو یہ ہے کہ کلماتِ طیبات اور تمام چھوٹے بڑے وظائف حضورِ قلب، اخلاص و عاجزی اور متوسط درجہ کی آواز سے پورے اطمینان و سکون سے پڑھے جائیں اور "وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْكُمْ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" ہم تم کو تمہاری شہ رگوں سے بھی زیادہ نزدیک ہیں" پر پورا یقین و ایمان ہو۔ کہ ہر قسم کے کلمات و اذکار کے وقت دل میں اخلاص اور خدا تعالیٰ کی رضامندی کی سچی طلب اور پوری تڑپ ہو اور اگر یہ سعادت ہاتھ آئی تو تمام مقاصد ہمکنار ہو گئے اور اگر یہ سعادت میسّر نہیں تو پھر سمجھ لیجئے بزرگانِ دین کی پیروی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ خود حضرتِ مصنّف رضی اللہ عنہ غنیۃ الطالبین میں فاذکرونی اذکرکم کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں: "فَاذْكُرُوْنِيْ بِالْاِخْلَاصِ اَذْكُرْكُمْ بِالْخَلَاصِ" ارشادِ باری ہے کہ اے میرے بندو تم مجھے اخلاص کے ساتھ یاد کرو تو میں تم کو خلاصی اور نجات سے یاد کروں گا۔ "اُذْكُرُوْنِيْ بِالْقُلُوْبِ اَذْكُرْكُمْ بِكَشْفِ الْكُرُوْبِ"

"تم مجھے اپنے دلوں سے یاد کرو میں تم کو مصیبتوں سے چھٹکارا دیکر یاد کروں گا۔"
اذکرونی بالاعتذار والاستغفار اذکرکم بالرحمۃ والاغتفار
"تم مجھے عذر خواہی اور مغفرت طلبی سے یاد کرو تو میں تم کو رحمت و مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا۔" اذکرونی بالقلب اذکرکم بکشف الحجب "تم مجھے سچے دل سے یاد کرو میں تم کو تمہارے پردے ہٹا کر یاد کروں گا"۔ اذکرونی بالتذلل اذکرکم بمغفرۃ الزلل "تم مجھے ذلت و خواری، عجز و نیستی کے ساتھ یاد کرو، میں تم کو تمہارے گناہوں کی بخشش و مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا۔" اُذکرونی بطاعتی اَذکرکم بمعونتی "تم مجھے اپنی عبادت و بندگی کے ساتھ یاد کرو میں تم کو اپنی مدد اور نصرت کے ساتھ یاد کروں گا"۔ کما قال اللہ تعالیٰ "وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا" اس لئے ضروری ہے کہ اس وظیفۂ درود کا پڑھنے والا پہلے اپنے دل کو اخلاص و تقویٰ سے معمور بنا لے تب کبریتِ احمر پڑھنا شروع کرے۔

حُبِّ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دل میں پیدا کرنا

چونکہ کبریتِ احمر کا تعلق خصوصیت کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات کے ساتھ ہے اس لئے ضروری ہے کہ دل میں آپؐ کی محبت کا غلبہ اور ظاہری اعضاء سے آپؐ کے احکام و ارشادات کی اطاعت بے تکلف ظاہر ہو جائے۔

سوال یہ ہے کہ دل میں آپ کی محبت کس طرح قائم ہو جائے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے آپ کے احسانات کا تصوّر کیا جائے اور اگر اس کا صحیح تصوّر کیا جائے تو یقیناً تصوّر کرنے والا آپ کی محبت کو تمام مخلوقات کی محبت و تعظیم پر ترجیح دیگا کہ آپؐ ہی نے دنیا سے کفر و شرک، خاندانی تفوّق، نسبی نخوت، رنگ و نسل، اونچ نیچ کے امتیازات مٹا کر بنی نوعِ انسان کو رواداری، حق پرستی، اخوّت، ہمدردی اور مساوات کی تعلیم دی اور آپؐ ہی کی رحمت، رأفت اور شفقت و عنایت سے آدمی اپنے

اصلی مقام اور مقصدِ زیست و حیات سمجھنے لگا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مختصر یہ ہے کہ تمام جہاں پر آپ کے لاکھوں احسانات عموماً اور آپ کے امتیوں پر اَن گنت فیوض و حقوق اور برکات ہیں اس لئے نیک بخت اور سعادت مند وہ شخص ہے کہ جسکا دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت سے معمور اور منوّر ہو۔

حضرتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبّت کرنے کی علامتیں قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے کتابُ الشفاء کے دوسرے جزو میں حضرتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت کی متعدّد علامتیں لکھی ہیں جن میں سے چند ایک ہم تیمّناً اس مختصر شرح میں ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں اِعْلَمْ اَنَّ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اٰثَرَہٗ وَاٰثَرَ مُوَافَقَتَہٗ جو شخص کسی چیز سے سچّی محبّت قائم کرتا ہے تو وہ اُسے باقی تمام چیزوں پر ترجیح دیتا ہے اور اس کی موافقت ہر صورت میں اختیار کرتا ہے۔[1]

کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر کرنا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کی علامت یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ آپ کا ذکرِ خیر ہو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۲) آپ کے دیدار و ملاقات کا انتہائی شوق ہو اور اس کے لئے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا ہو۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کی علامت یہ بھی ہے کہ دل میں آپ کی عظمت و توقیر ہو اور آپ کا نامِ مقدّس سُنتے وقت دل میں خشوع اور اعضاء پر انکساری اور عاجزی نمودار ہو جائے۔ (۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ دل میں اُن لوگوں کا احترام اور عزّت ہو جن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبّت کرتے تھے جیسے کہ اہلبیتِ عظام اور تمام صحابۂ کرام۔ اور محبّت کے لوازم میں سے یہ بات بھی ہے کہ دل میں اُن لوگوں کا رنج اور دُکھ ہو جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے برخلاف چلتے ہوں اور اُن لوگوں سے بھی نفرت برتنے جن کے دلوں میں اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ائمۂ دین، علماءِ ابرار اور دوستانِ خدا کی ضد و نفرت یا بغض

[1] محبّتِ نبوی کی یہ علامتیں کتابُ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مذکور ہیں۔

Scanned with CamScanner

وعداوت ہو۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کی محبت ہو جس کا عملی اظہار تلاوتِ قرآن، عمل بالقرآن اور فہم قرآن سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔ آپؐ کی محبت کی نشانی یہ بھی ہے کہ آخرت کی محبت اور دنیا کی نفرت ہو اور دُنیا کے لئے صرف بقدرِ کفایت سعی و تلاش کرے اور محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی علامت یہ ہے :۔ فقر کو غنیٰ پر ترجیح دے اور در در پھر کر اپنے متاعِ ایمان کو ضایع نہ کرے۔ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اِنِّیْ اُحِبُّکَ مجھے آپؐ کی بے انتہا محبت ہے۔ آپؐ نے اس کو جواب دیا اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ اپنی بات پر خوب غور کرو۔ اس نے تین دفعہ پھر یہی دُہرایا کہ اِنِّیْ اُحِبُّکَ مجھے آپؐ کی سخت محبت ہے۔ تب آپؐ نے ان کو فرمایا اِنْ کُنْتَ تُحِبُّنِیْ فَاَعِدَّ لِلْفَقْرِ تَجْفَافًا کہ اگر تم کو میری محبت ہے تو تم فقر اختیاری کا لباس اختیار کرو۔

واضح ہے کہ فقرِ اختیاری کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ آدمی دوسروں پر بوجھ بنے گھر گھر پھرے اور زیرِ سایہ عبادت و ریاضت اور مواعظ و قیادت اپنی ضروری معیشت اور گذر اوقات کے لئے کاروبار نہ کرے۔

کتاب الشفاء میں اس بات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے کہ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا معنی ہیں؟ اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی مراد ہے۔ کچھ اہلِ علم کے نزدیک محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معنی اِعْتِقَادُ نُصْرَتِہٖ وَالذَّبُّ عَنْ سُنَّتِہٖ وَالْاِنْقِیَادُ لَهَا وَھَیْبَةُ مُخَالَفَتِہٖ اعتقاداً آپؐ کے دین کی مدد کرنا، آپؐ کی سنت کی حفاظت کرنا اور اس پر اعتراض کرنے والوں کا دفاع کرنا اور اس کے سامنے عملاً سرِ اطاعت خم کرنا اور آپؐ کی مخالفت کا دل میں خوف ہونا۔

Scanned with CamScanner

بعض علماء کے نزدیک محبّتِ نبوی ﷺ کے یہ معنی ہیں دَوَامُ الذِّکْرِ لِلْمَحْبُوْبِ آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ہمیشہ دل و زبان میں یاد اور ذکرِ خیر ہوتا رہے۔ بعض علماءِ اسلام آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی محبّت کا یہ معنی مُراد لیتے ہیں کہ مُوَاطَاۃُ الْقَلْبِ لِمُرَادِ الرَّبِّ "دل سے حکمِ الٰہی کی فرمانبرداری کرنا"۔

پس اے عزیز! اگر تم یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ تمہارے دلوں میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی محبّت وعقیدت کس درجہ کی ہے تو خود غور کرو کہ کس درجہ کہ آپ اُٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، کاروبار و تجارت اور حکمرانی و امارت کی حالتوں میں کہاں تک آپ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مقدّس شریعت کے تابع اور پیرو ہیں اور آپ کی کمال اتباع کی سعادت اسی وقت حاصل ہوگی جب دل میں آپ کی کمال محبّت ہو۔

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے کمالِ محبّت کی چند مثالیں

(۱) رُوِیَ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَھْلِیْ وَمَالِیْ وَاِنِّیْ لَاَذْکُرُکَ فَمَا اَصْبِرُ حَتّٰی اَجِیْئَ فَاَنْظُرُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ ذَکَرْتُ مَوْتِیْ وَمَوْتَکَ فَعَرَفْتُ اَنَّکَ اِذَا دَخَلْتَ الْجَنَّۃَ رُفِعْتَ مَعَ النَّبِیِّیْنَ فَاِنْ دَخَلْتُھَا لَا اَرَاکَ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی "وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ" - الآیۃ فَدَعَا بِہٖ فَقَرَأَھَا عَلَیْہِ

ترجمہ: روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے مال و اولاد سے زیادہ محبوب ہیں اور جب آپ مجھے یاد آجاتے ہیں تو بے قرار ہو کر آپ کے دیدار سے بہرہ ور ہوتا ہوں۔ اس کے ساتھ جب میں اپنی موت اور آپ ﷺ کا وصال یاد کرتا ہوں تو حیران ہو جاتا ہوں

کہ جنت میں آپ کا مقام پیغمبروں کے ساتھ ہوگا اور اگر میں جنت میں داخل ہو بھی جاؤں تو آپ کے دیدار سے بہت دور ہونگا کیونکہ میرے اور آپ کے مقام کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوگا۔ آپ نے سائل کو اپنی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا البتہ جلدی سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی کہ جو کوئی خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریگا تو ایسے لوگ قیامت کے دن پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہونگے اور یہ بہترین رفیق راہ ہیں۔ لہ

اس واقعہ سے دو باتیں سمجھ میں آگئیں ایک تو صحابۂ کرام رضؓ کی کمال عقیدت و محبت۔ کہ اتنی زیادہ تھی کہ وہ دنیا میں بھی آخرت کی فکر میں تھے اور دار آخرت کی بڑی سعادت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار اور ملاقات کو سمجھتے تھے۔

دوسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ عاشقانِ رسالت اور شیدایانِ حضرتِ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان معمولی نہیں بلکہ اُمتی ہونے کے باوجود جنت میں وہ اپنے پیغمبر صاحب سے دور نہ ہونگے بلکہ آپ کے دیدار سے سرفراز ہوجائیں گے مگر شرط ہے کہ آپ کے احکام و ہدایات کی کمال اتباع اور پیروی ہو۔ افسوس ہے کہ اس معاملہ میں ہم بہت خام اور کچے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کی دوسری مثال

کتابُ الشفاء میں ہے اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ خَدِرَتْ رِجْلُہٗ فَقِیْلَ لَہٗ اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ یَزُلْ عَنْکَ فَصَاحَ یَا مُحَمَّدَاہ

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں کو سخت تکلیف ہوئی جس سے آپ کی بے قراری اور بے آرامی بہت بڑھ گئی۔ باوجود علاج کے کوئی فرق نہ ہوا

لہ محدثین میں اختلاف ہے کہ یہ صاحب کون تھے، کچھ حضرت ثوبان اور کچھ عبیداللہ بن زید بتاتے ہیں۔ حاشیہ شفاء

Scanned with CamScanner

تو ایک تجربہ کار نے آپؓ سے عرض کیا اے عبداللہ! آپ اُس شخص کو یاد کیجئے کہ جو تمام جہاں کے لوگوں سے آپ کو زیادہ محبوب اور مطلوب ہو یہ سُن کر عبداللہ بن عمرؓ نے چیخ کر آواز دی یا مُحَمَّدَاہ! تو فوراً آپ کی بے قراری اللہ تعالیٰ کے فضل سے دور ہوئی۔

تیسری مِثال :

حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ پر انتقال سے پہلے بے ہوشی طاری ہوئی۔ آپ کی بی بی سے ضبط نہ ہوسکا اور وَا حُزْنَاہ (ہائے میری مصیبت، و پریشانی) کہہ کر چیخ پڑیں۔ اس سخت آواز سے حضرتِ بلالؓ ہوش میں آ گئے اور وَا طَرَباہ غداً اَلْقی مُحَمَّداً وَحِزْبَہٗ کا جُملہ اپنی زبان مبارک پر لایا کہ یہ وقت میرے لئے غم واندوہ اور حسرت و پریشانی کا نہیں بلکہ یہ وقت تو میرے لئے ابدی فرحت و سرور کا ہے کہ کل یعنی وفات کے بعد اپنے نبی حضرت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کے ساتھیوں سے برزخ میں جا ملوں گا۔

سبحان اللہ اس عشق و محبّت کے کیا کہنے کہ صحابۂ کرامؓ اس راہ میں مر مٹنا بھی اپنے لئے باعثِ صد عز و افتخار سمجھتے تھے رضی اللہ عنہم۔ اور دوسرے ہیں ہم کہ کبریتِ شریف دنیا کے عوائد و فوائد کے لئے پڑھتے ہیں) اور پھر بد قسمتی ہے کہ اپنے آپ کو عاشقوں اور جان نثاروں میں شمار کرتے ہیں "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"

ہاں بزرگو! کبریتِ احمر اس لئے پڑھو کہ ہم پر حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ آلہٖ وسلّم کے کروڑہا احسانات و عنایات ہیں ہم اُن احسانوں کا بدلہ ہوا ئے اس کے کیا دے سکتے ہیں کہ اپنے مولا ربّ العالمین سے درخواست کریں کہ اے اللہ آپ ہماری طرف سے سیّد الاوّلین والآخرین خاتم المرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ا ہ اجر و برکات عنایت کیجئے جس سے آپ کے کچھ حقوق و احسانات ہم سے ادا ہو سکیں۔ یہ پڑھنا اور یہ دُعا و درود اُسی وقت قبول ہو گا جبکہ ہمارے دل دنیوی اغراض و آلائشوں سے پاک ہوں

مُحبّتِ نبوی ؐ کی ایک اور مِثال :- اہلِ مکّہ نے حضرت زید بن دثنہ پر

جب قابو پایا تو انہوں نے قِصاص لینے کی غرض سے حرم شریف سے انکو باہر نکالا ٹھیک جبکہ قصاص کا وقت قریب آیا اور اب حضرت زید کے دنیا میں چند لمحات اور گنتی کے چند سانس باقی رہ گئے تھے اُن کا اسلام کی نصرت و حمایت کے سوا کوئی جُرم نہ تھا۔ اسی حال میں ابو سفیان رضؓ نے اُن سے قسم دیکر پُوچھا کہ اے زید تجھے خدا کی قسم ہے سچ بتاؤ کہ کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ تم کو اس قصاص سے رہا کیا جائے اور تمہاری جگہ حضرت محمدؐ صلّی اللہ علیہ آلہ وسلّم پکڑ لیئے جائیں اور اُنہیں سے قصاص لیا جائے کیونکہ تم کو یہ تکلیف انہیں کی محبت کی وجہ سے پہنچی ہے۔

اب آپ دیکھیئے کہ عشق و محبت اور پیغمبر کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عزّت و احترام کسے کہتے ہیں کہ حضرت زیدؓ اس بے کسی و بے بسی کی حالت میں بھی جواب دیتے ہیں کہ خدا کی قسم مجھے یہ منظور نہیں کہ میں آرام سے رہوں اور آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاؤں میں کانٹا چُبھ جائے کہ یہ بات پسند کروں کہ میں خلاصی پاؤں اور آپ شہید کیئے جائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہی وہ محبّت ہے جس کا بدلہ عزّتِ دارین، سعادتِ کونین، جناتُ النعیم اور دیدارِ الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دل بھی آپؐ کی محبّت سے معمور اور سرشار فرمائے۔ آمین!

ایسے ہی عاشقوں اور پاکبازوں کے متعلّق آپ نے ارشاد فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کہ آدمی قیامت کے دن اپنے محبوب کے ساتھ اُٹھے گا۔

ہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ جیسا کہ حقیقی حُبّ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم بڑی سعادت اور آخرت کی نجات کا وسیلہ اور ضامن ہے اسی طرح اس مقدّس ذات ستودہ صفات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بے ادبی اور گستاخی کرنا بھی سب سے بڑی گمراہی اور شقاوت کا موجب ہے حتّیٰ کہ اگر کسی ایسی چیز سے بھی بے ادبی اور گستاخی کی جائے جو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں میں پکڑی ہو یا اُس سے مس کیا ہو تو یہ بے ادبی بھی اُس شخص کے لیئے باعث تباہی اور بربادی کا باعث ہے جیسا کہ کتابُ

الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مذکور ہے کہ جھجاہا الغفاری نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصای مبارک چھین کر اپنے گھٹنوں پر رکھ کر توہین کے طور پر توڑنے کا ارادہ کیا تو یہ دیکھ کر لوگ اس پر برس پڑے کہ اس عصا سے بے ادبی مت کرو کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصای مبارک ہے اس بے ادبی کا یہ نتیجہ ہوا کہ فوراً اس کے گھٹنوں میں ایک خاص قسم کی مہلک بیماری لاحق ہو گئی، علاج کے باوجود ٹھیک نہ ہوا آخر کار گھٹنے کاٹنے پڑے اسی پر بس نہیں بلکہ ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ وہ بدبخت[۱] مر گیا۔

لیجئے کتاب الشفاء کی اصلی عبارت بعینہا درج کی جاتی ہے:۔

وَحُكِيَ اَنَّ جَهْجَاهَا الْغَفَارِيَّ اَخَذَ قَضِيْبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَدِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَتَنَاوَلَهُ لِيَكْسِرَهُ عَلٰى رُكْبَتِهٖ فَصَاحَ بِهِ النَّاسُ فَاَخَذَتْهُ الْاَكِلَةُ فِيْ رُكْبَتِهٖ فَقَطَعَهَا وَمَاتَ قَبْلَ الْحَوْلِ[۲]

بہرحال ہم تو اس وقت کبریت احمر پڑھنے کے آداب قلبی کی طرف آپ کی توجہات مبذول کر رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو محبتِ نبی ﷺ سے منور کرے اور قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا امیدوار بنائے اور ہم کو آپ کی اتباع اور نقشِ قدم پر چلنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

یہ ہیں کبریتِ احمر پڑھنے کے معنوی اور باطنی آداب جو ہم نے آپ کے سامنے مختصراً بیان کئے۔ اور اب ہم کبریت احمر پڑھنے کے ظاہری

---

۱ مرضٌ معروف۔ ۲ افسوس ہے کہ اب بھی کچھ بے ادب کھیلتے کودتے، جوا بازی اور مے نوشی کی حالت میں آپ کا نام مبارک زبان پر لاتے ہیں اور جانتے نہیں کہ وہ کس خطرناک جرم کا ارتکاب

اور ضروری آداب پیشِ خدمت کرتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:-
(۱) پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا (۲) باوضو ہونا (۳) روبقبلہ پڑھنا (۴) صحت اور الفاظ درست کر کے پڑھنا۔ (۵) دوزانو بیٹھ کر پڑھنا (۶) حتی الامکان الفاظ کے معانی و مطالب سمجھنے کی کوشش کرنا۔ (۷) بدن اور ہاتھوں کو ہلائے بغیر حضورِ قلب سے پڑھنا۔ (۸) پڑھتے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت ملحوظ رکھنا۔ (۹) اگر کسی مجاز اور شیخِ طریقت سے اجازت لیکر پڑھے تو سونے پر سُہاگا ہوگا اور بہترین نتائج برآمد ہوں گے۔ (۱۰) مُنہ کو بدبودار چیزوں سے پاک وصاف رکھنا۔ (۱۱) پڑھتے وقت ہر قسم کے کلام سے اجتناب اور پرہیز کرنا۔

تنبیہ: حضرتِ فاضل شارح کاشر شرح کبریتِ احمر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح میں اور بھی چند آداب تحریر فرماتے ہیں تو وہ بھی ذہن نشین رکھیں۔

بہر حال آدابِ ظاہری و باطنی کی بھرپور رعایت رکھئے اور یہی آداب کامیابی اور مقصود تک پہنچانے کے لئے بہترین وسایل اور ذرایع ہیں۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ؎

از خدا جوئیم توفیقِ ادب ؎ بے ادب محروم ماند از فضلِ ربّ

چونکہ اس فصل میں بسلسلۂ آدابِ باطنی و آدابِ ظاہری آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت، توقیر و احترام اور اتباع و پیروی کا ذکر آیا ہے اس لئے نہایت مناسب ہوگا کہ ہم اس فصل کو مندرجہ تحتانی نعتیہ ابیات پر ختم کریں تاکہ نعتِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے ستار العیوب اور غفار الذنوب پروردگار ہماری مغفرت فرمائے۔ آمین!

Scanned with CamScanner

نعتِ شریف

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عاشقِ او خدای او — صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ جان و دِلم فدای او
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ آنکہ خدا بیافرید — صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ارض و سما برای او
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ آنکہ برفعت آمدہ — صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عرش بزیرِ پای او
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ آنکہ ہمہ پیمبران — صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ آمدہ در لوائے او
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ آنکہ بجنتم خدا — صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بہرہ از لوائے او
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ آنکہ نیاید از کسی — صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ثنایِ او در خورِ او
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ آنکہ دلِ حزینِ من — صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ دمبدم است جایِ او

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ گشت رہا دل از بلا
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ تا شُدہ مُبتلای او (الیٰ آخرہ)

(از فصیحؔ)

بقیہ صفحہ ۳۲ :-

انتہیٰ بقلمہ الشریف اَطال اللہ بقائہٗ۔

باقی حضرات کے اجازات خاصکر فقیرِ ملت حضرت سید میرک شاہ صاحب کاشانی رحمہ اللہ آخر کتاب میں عرض کروں گا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

کمترین خلائق : بُخاری

۲۷-۷-۱۹۸۳ء — عیدگاہ سرینگر
۱۴۰۳ھ

Scanned with CamScanner

پانچویں فصل

بسلسلۂ اجازاتِ مشائخ

اس حقیر سراپا تقصیر کو درود کبریت کے خود پڑھنے اور دوسرے صالح مسلمانوں کو پڑھانے کی اجازت متعدد مشائخ کرام نے عطا فرمائی ہے جن میں سے کشمیر و بیرونِ کشمیر کے حضرات بھی ہیں۔ اس فصل میں سب اجازات کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے لہٰذا ہم اس جگہ صرف ایک اجازت کا تبرکاً و تذکاراً اجمالی طور ذکر کرتے ہیں کہ بندۂ ہیچمدان کو کبریتِ احمر، الحزب الاعظم، آیۂ رحمت، قصیدۂ بردہ، اسمِ یا لطیف، صحاح ستہ وغیرہ کے پڑھنے پڑھانے کی خاص اجازت اپنے پیرِ روشن ضمیر، صاحبِ صدق و صفا، بقیۃ السلف حجۃ الخلف سیدنا و مولٰنا حضرت محمود الطرازی المدنی ادام اللہ ظلہ السابغ علٰی جمیع محبیہ و متبعیہ نے عنایت کی ہے۔ آپ چالیس برس کی زیادہ مدت سے مدینۃ الرسول کے جوارِ رحمت حرم محترم میں مہاجرانہ زندگی گذارتے ہیں اور حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن و حدیث کا درس دے رہے ہیں۔ پینتیس زاید حج کئے ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں جب کشمیر تشریف لائے تو اسوقت تک آپکے فرمانے کے مطابق پچیس ۲۵ حج کئے تھے۔ پھر ماشاء اللہ تفسیر قرآن بزبانِ ترکی اور دیگر اعلیٰ تصنیفات کے مصنفِ بلند پایہ بھی ہیں۔ بہت بڑے ادیب اور نظام و نثار ہیں آپکی تالیفات میں عقیدۃ الطحاوی کا منظوم خلاصہ ایک قابلِ قدر تالیف ہے جس پہ آپکو سرکردہ علماء اسلام فضیلۃ الشیخ محمد مخلوف سابق مفتی اعظم مصر، علامہ صاوی علی سعلان، مولانا ابو الحسن علی الندوی صاحب، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مرحوم) مفتی اعظم پاکستان۔ مولانا محدث محمد یوسف صاحب بنوری مرحوم اور دیگر مالکی علماء نے اپنی تقاریظ کے ذریعہ شاندار الفاظ میں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

مزید تفصیل کے لئے النظم الحاوی فی عقیدۃ الامام الطحاوی ملاحظہ کیجئے
آپ عصرِ حاضر میں حنفی مسلک اور صوفی مشرب کے اہلِ بصیرت کے امام ہیں۔ یہ آپ بحمد اللہ
ابھی بقیدِ حیات ہیں۔ آپ کا اجازت نامہ جملہ علوم و وظائفِ شریفہ الجوھر المنظوم
فی اسناد العلوم میں مذکور ہے۔ اس کتاب کے مندرجہ ذیل تین شعر ملاحظہ فرمائیے:

وَاِن سئلتَ یا ابا الفضائِل ... عن سند الاحزاب والدلائل
اخذتُہٗ عن سادۃ المدینۃ ... فی بلدۃ الحبیبۃ المدینۃ
عِندی اثباتٌ لہم محبّرۃٌ ... حرّرھا ایدیہم المطہّرۃ

مختصر یہ کہ آنجناب کی اجازت جملہ وظائف ان کے شیوخ تک برابر پہنچتی
ہے اور کبریتِ احمر کی اجازت پورے تسلسل کے ساتھ سیدنا و مولینا شیخ الجن
والانس حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتی ہے۔
جس کا تذکرہ آخرِ کتاب میں مفصلاً آئے گا۔ پھر ہم درجِ ذیل اجازت نامہ تبرکاً
حضرت والا کا پیش کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ وھی ھٰذہٖ :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارسلُ ھٰذہ الھدیۃ الفاخرۃ الحاضرۃ حبیبی اخی الفاضل
فخر عصرہٖ دُرّۃ دھرہٖ مولٰنا و بکُلّ تعظیم اولٰنا مولٰنا المکرم
فضیلۃ الشیخ السید محمد قاسم البخاری الکشمیری رزقنا اللہ
زیارتَہٗ وتقبیل یدہ الکریمۃ مع الاجازۃ الرسمیّۃ لقراءتہٖ وَ
لتعلیم مَن یستحقّ القراءۃ والاجازۃ لعلمی وتیقّنی باھلیتہٖ
بل بفوقیتہٖ علیٰ امثالی کثّر اللہُ امثالَہٗ واُجیزہٗ کما اجازنی
اساتذتی ومشائخی بجمیع الطرق ووظائف سلاسل المقرّبین
رضی اللہ عنہم وارضاھم۔ العبد العاجز :-
محمود بن نذیر بن مکرم الطرازی المدنی عفی عنہ
۲۱/۱۱/۱۳۹۸ھ المدینۃ المنورۃ

(باقی برص ۳۰)

کِبرِیتِ اَحمر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ARABIC COLLEGE
LIBRARY
No 871
Date 832
Price
NOOR BAGH

شرح :-

حضرت مصنف رضی اللہ عنہُ نے درود شریف کے اس مقدس وظیفہ کی ابتدأ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے فرمائی ہے تاکہ قرآنِ کریم کی اتباع اور حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم گرامی قدر کی تعمیل اور پیروی ہو جائے۔ کیونکہ قرآنِ کریم کی ترتیب بھی اسی طرح ہے کہ اُس کی ابتدأ سورۂ فاتحہ سے ہوتی ہے اور اُس کی انتہا سورۂ وَالنّاس پر ہو جاتی ہے اور پہلی سورہ یعنی سورۃ الحمد کی ابتدأ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے ہے اور پھر اس کے متصل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے، اس ترتیب میں تمام مصنفین و مؤلفین کو اس بات کی تعلیم اور ھدایت ہے کہ جب وہ کوئی دینی کتاب لکھنا شروع کرنا چاہیں یا کوئی اچھا اور نیک کام کا ارادہ کریں تو اس کتاب یا نیک کام کی ابتداء بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے کریں تاکہ پروردگارِ عالم اس نیک کام میں برکت فرمائے اور اسے قبولیت کا درجہ بخشے۔ اور حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا: كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ، اور بعض روایتوں میں بجائے اَقْطَعُ، اَجْذَمُ، کا لفظ آیا ہے۔ کہ ہر وہ شاندار و عمدہ کام جس کی ابتداء ...

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے نہ کی جائے وہ ناتمام اور دُم بُریدہ ہے۔ پس اس وعید سے
بچنے اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی برکت حاصل کرنے کے لیے حضرت
مُصنّف رضی اللہ عنہ نے کتبِ رنیتِ اَحمس کی ابتداء بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ سے کی ہے۔ گو بعض روایتوں میں کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ فِیْہِ
بِالْحَمْدِ فَھُوَ اَبْتَرُ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ) بھی آیا ہے جس کا مقصد یہ ہے
کہ کتابوں اور نیک کاموں کی ابتداء اَلْحَمْدُ[1] سے ہی ہونی چاہیئے اور پہلی حدیث کا 872
تقاضا ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ ہی سے شروع کرنا چاہیئے۔ اس لیے ظاہری اور سطحی طور پر
دونوں مذکورہ حدیثوں میں تعارض اور ٹکراؤ دکھائی دیتا ہے۔ علماء نے اس
تعارض اور ٹکراؤ کو دور کرنے کے لیے بڑی کدوکاوش اور تحقیق وچھان بین
کرتے ہوئے کہا کہ بِسْمِ اللّٰہِ کی حدیث میں جو ابتداء مذکور ہے اس ابتداء سے

لہ وهذا الاعتراض بعينه قد ورد على سيد المحدثين الامام محمد بن اسمعيل البخاري رحمه الله تعالى حيث لم يأت في صحيحه بالحمد بعد البسملة واكتفى على بسم الله الرحمن الرحيم ثم رقم باب كيف كان بدء الوحي الى آخر فاعتذر العلماء عنه فيه باعذار الاول أنّ الحديث ليس على شرطه. الثاني أنّ الاقتداء بالتحميد محمول على ابتداءات الخطب دون غيرها انجرارا عما كانت الجاهلية عليه من تقديم الشعر المنظوم والكلام المنثور لما روي أنّ اعرابيا خطب فترك التحميد فقال صلى الله عليه وسلم كلّ امر ذي بال (الحديث) الثالث أنّ حديث الافتتاح بالتحميد منسوخ بأنّه عليه السلام لمّا صالح قريشا عام الحديبية كتب بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما صالح عليه محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم فلو لا نسخ لما تركه. الرابع [illegible]

ابتدائے حقیقی مُراد ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کی حدیث میں جو لفظ ابتدا آیا ہے اس سے ابتداءِ اضافی یا ابتداءِ عرفی مُراد ہے۔

ابتداءِ حقیقی وہ ہے جو مقصود وغیر مقصود یعنی ہر شے پر مقدم ہو۔ اور ابتداءِ اضافی وہ ہے جو مقصود یعنی کتاب کے مضامین پر مقدم ہو اور بسْمِ اللّٰہِ سے مؤخّر ہو کیونکہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم بالذات ذاتِ الٰہی پر دلالت کرتا ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بالذات صف... پر دلالت کرتا ہے۔ چونکہ ذات ہمیشہ صفت پر مقدم ہوتی ہے اور صفت ذات سے مؤخر ہوتی ہے اس لئے حدیث بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ابتداءِ حقیقی اور الحمدُ للّٰہ کی حدیث میں جو ابتداء مذکور ہے اس سے ابتداءِ اضافی یا عرفی مراد لینا عینِ فطرت کا تقاضا ہے۔ اس لئے دونوں حدیثوں کا مطلب اپنی اپنی جگہ ٹھیک اور راست ہے اور دونوں حدیثوں میں کسی قسم کا تعارُض اور ٹکراؤ نہیں ہے۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اس جواب میں بہت زیادہ تکلّف ہے کیونکہ حضور اقدس علیہ السلام کے ارشاداتِ طیبات بالکل صاف اور واضح ہوتے ہیں اور اعتراض کا منشا بس اتنا ہے کہ اعتراض کرنے والوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

(متعلقة بالسمة الماضية) نُزّلَ من القرآن اقرأ و يا ايها المدثر و ليس فى ابتداءها بسم الله۔ الخامس ان الذى اقتضاه الخبر ان يحمد لا ان يكتبه۔ والظاهر انه حمد بلسانه۔ الاحسن ما سمعته من بعض مشائخى الكبار انه ذكرها بعد التسمية فى مسودته كما ذكره فى بقية مصنفاته وانما سقط ذلك من قلم بعض المتبيضين فاستمر على ذلك والله اعلم۔

كل ذلك من حواشى البخارى وقد علمت ما هو الحق فى هذا الباب۔

کے کلام فصاحت التیام پر غور نہیں کیا اور اگر وہ آپ کی ہر دو مد مثہا پر پورا تامّل کرتے تو انہیں بھی کوئی تعارض دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ نیک کام کرتے وقت یا خصوصیت کے ساتھ دینی کتابوں کے لکھتے وقت سب سے پہلے اللہ رب العلمین کے نام پاک سے ابتداء کرنی چاہیئے تاکہ اس کام میں برکت ہو اور وہ کام پایۂ تکمیل پہنچے۔ اسی مطلب کو آپ نے کبھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے تعبیر فرمایا اور کبھی اسی مقصد کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے عیاں کیا۔ تو پھر اعتراض کی نوعیت ہی ختم ہوجاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام نیک کاموں اور خاص کر علمی کتابوں اور علمی مباحث کی ابتداء بسم اللہ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یا کسی ایسے لفظ سے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرے ہونی چاہیئے جیسا کہ نظم قرآنی، احادیث قولی اور سلف صالحین کے اعمال و حالات سے ثابت اور ظاہر ہے۔

مگر تف آج کل کے ان نام کے ادیبوں پر جو اپنی ادبی کتابوں کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن لکھنا اپنی عظمت اور بڑائی کے خلاف تصور کرتے ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے حالات لکھنے بیٹھتے ہیں۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ۔ ہماری شکایت تو اللہ ہی کی طرف ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۵

کی فوقیت اور فضیلت کے بیان میں ایک لطیف بحث

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے غُنْیَۃُ الطَّالِبِیْن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی فضیلت اور اس کی عظمت و ثواب متعدد سندوں سے ثابت کی ہے، من جملہ ان کے آپ نے بِسْمِ اللّٰہِ شریف کی فضیلت اس حدیث

مبارک سے بیان فرمائی ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لا یرد دعاء فی
اولہ بسم اللہ الرحمن الرحیم
قال وان امتی یاتون یوم
القیمۃ وھم یقولون بسم
اللہ الرحمن الرحیم فتثقل
حسناتھم فی المیزان فتقول
الامم ما ارجح موازین امۃ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم
فیقول الانبیاء لھم کان
امۃ محمد صلی اللہ علیہ و
سلم مبتدء کلامھم ثلاثۃ
اسماء من اسماء اللہ تعالی
الکرام لو وضعت فی کفۃ
المیزان ووضعت سیئات
الخلق جمیعا فی الکفۃ الاخری
لرجحت حسناتھم وجعل اللہ
ھذہ الآیۃ شفاء من کل
داء وعونا لکل دواء وغناء
من کل فقر وسترا من

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
وہ دعا رد نہیں کی جائیگی جسکی ابتدا
بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کی جائے اور
آپ نے فرمایا قیامت کے دن میرا امتی بسم
اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے آئینگے
جس کی بدولت انکی نیکیاں اعمال کی
ترازو میں بھاری ہونگی۔ یہ دیکھ کر
دوسرے پیغمبروں کے امتی کہیں گے کہ آنحضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کی نیکیاں
کس قدر ترازو اعمال میں بھاری ہیں۔
تو یہ سن کر انکے پیغمبر انکو جواب دینگے کہ آپ
کے امتی خدا تعالی کے تین بڑے محترم اور
معزز ناموں سے اپنا کلام شروع کرتے
تھے (یعنی اللہ، الرحمن، الرحیم سے جو
بترتیب بسم اللہ الرحمن الرحیم میں مذکور ہیں)
اگر یہ تین نام ترازو اعمال کے ایک پلہ میں
اور دوسرے پلہ میں سارے مخلوقات کے گناہ رکھے
جائینگے تو پھر بھی انکی نیکیاں غالب رہینگی۔
اور اللہ تعالی نے بسم اللہ الرحمن الرحیم
کو ہر بیماری کیلئے شفا ہر دوا کے لیے مددگار

Scanned with CamScanner

النّارِ و اماناً من الخسف و المسخ و القذفِ ما داوموا علىٰ قرأتها۔

(غنیۃ الطالبین)

ہر قسم کے فقر کے لئے بے نیازی کا سامان، جہنم کی آگ کیلئے سپر اور ڈھال اور زمین میں دھنسنے، صورت بگڑنے اور ذلت و سختی سے بچنے کا باعث امن و نجات کا ضامن بنایا،

بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اسکے پڑھنے پر پابندی کرتے رہینگے۔ (ماخوذ من غنیۃ الطالبین)

وقال ابو بکر الورّاق رحمہ اللہ بسم اللہ روضۃٌ من رِیاضِ الجنّۃِ لکلّ حرفٍ منھا تفسیرٌ علیحدۃٌ فالباءُ علیٰ ستّۃِ اوجہٍ ۔

حضرت ابو بکر وراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے۔ اس کے ہر ایک حرف کی علیحدہ اور مستقل تفسیر و مفہوم ہے۔ مثلاً بسم اللہ کے با کے چھ معنی ہیں :۔

۱۔ بارِئٌ خلقہ من العرشِ الی الثّریٰ بیانہٗ ھو اللہ الخالقُ البارِئُ من العرشِ الی الثّریٰ۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی عرش سے لیکر زمین کے نچلے طبقہ تک کے تمام مخلوقات و کائنات کا پیدا کرنے والا ہے، جیسا کہ آیت ھو اللہ الخالق البارئ سے روشن اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق ہے، اسمیں اسکا کوئی بھی شریک نہیں۔

۲۔ بصیرٌ بخلقہ من العرشِ الی الثّریٰ بیانہٗ واللّٰہُ بصیرٌ بما تعملون۔

۲۔ با کا دوسرا معنی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے سارے مخلوقات کی حرکات و سکنات کو عرش سے لیکر فرش یعنی زمین کے نچلے طبقہ تک دیکھتا ہے اور اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ یہ مفہوم آیت واللّٰہ بصیرٌ بما

۳۔ باسطُ رزقِ خلقہ من العرشِ الی الثّریٰ بیانہٗ اللّٰہ یبسُطُ الرّزقَ لمن یّشآءُ و یقدِرُ ۔

۴. بَاقٍ بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِهٖ مِنَ الْعَرْشِ اِلَى الثَّرٰى بَيَانُهٗ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ[1]۔

۵. بَاعِثُ الْخَلْقِ بَعْدَ الْمَوْتِ مِنَ الْعَرْشِ اِلَى الثَّرٰى لِلثَّوَابِ وَ الْعِقَابِ بَيَانُهٗ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔

۶. بَارٌّ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْعَرْشِ اِلَى الثَّرٰى بَيَانُهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ۔

تَعْمَلُوْنَ (کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے) سے ظاہر اور واضح ہے۔

۳. اللہ تعالیٰ اپنے سارے مخلوقات کا عرش سے لیکر زمین کے نچلے طبقے تک روزی رسان اور مُسَبِّبُ الاسباب ہے جیسا کہ اس مفہوم پر یہ آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ ہی جس کے لئے وہ چاہے رزق میں فراوانی اور وُسعت فرماتا ہے اور جس کے لئے وہ چاہے تو اسکے لئے تنگی فرماتے ہیں۔

۴. باءِ بسم اللہ کا چوتھا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے مخلوقات کو فنا کرنے کے بعد عرش سے نچلے فرش تک باقی رہنے والا ہے۔ کیونکہ بقاو دوام اُسی مولائے کریم کے لئے زیبا اور شایان ہے۔ یہ معنیٰ سورۂ الرحمٰن کی اس آیت سے واضح اور لائح ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو زمین پر ہے وہ فنا ہونے والی ہے اور اے نبیؐ! صرف تیرے پروردگار کی پُر عظمت اور شان و شوکت والی ذات باقی رہے گی۔

۵. با کا پانچواں معنیٰ باعث ہے یعنی مخلوق کو عرش سے لیکر فرش تک ثواب و سزا کے لئے دوبارہ پیدا فرمانے والا ہے جیسا کہ یہ معنیٰ اس آیت کے ترجمہ سے عیاں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مُردوں کو زندہ فرمائے گا۔

۶. با کا چھٹا معنیٰ بندوں سے بہت نیکی اور بھلائی کرنے والے کے آتے ہیں کیونکہ

---

[1] مزید مطالعہ کے لئے غُنیۃ الطالبین پیش نظر رکھئے۔

معبودِ برحق کا احسان اور فضل تمام عرش، اور فرش کے رہنے والے مخلوقات پر شامل اور محیط ہے۔ یہ معنی بھی اس آیت کے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے مخلوق پر بہت احسان کرنے والا مہربان ہے۔ یہی حال بسم اللہ کے باقی حرفوں کا ہے۔

اس سے ہمارا مطلب صرف یہ عرض کرنا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بہت بڑی برکت و فضیلت اور ثواب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عارفین اور باخدا انسان بکثرت اس آیت کو وِرد و وظیفہ کے طور پر پڑھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ غنیۃ الطالبین میں بسم اللہ کی فضیلت ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں :-

بِسمِ اللّٰهِ لِلذَّاكِرِينَ ذُخْرٌ وَ لِلْاَقْوِيَاءِ عِزٌّ وَ لِلضُّعَفَاءِ حِرْزٌ وَ لِلْمُحِبِّيْنَ نُوْرٌ وَلِلْمُشْتَاقِيْنَ سُرُوْرٌ.
بِسْمِ اللّٰهِ رَاحَةُ الْاَرْوَاحِ
بِسْمِ اللّٰهِ نَجَاةُ الْاَشْبَاحِ
بِسْمِ اللّٰهِ نُوْرُ الصُّدُوْرِ
بِسْمِ اللّٰهِ نِظَامُ لِنِظَامِ الْاُمُوْرِ
بِسْمِ اللّٰهِ تَاجُ الْوَاثِقِيْنَ
بِسْمِ اللّٰهِ سِرَاجُ الْوَاصِلِيْنَ
بسم اللّٰهِ مُغْنِي الْعَاشِقِيْنَ
بِسْمِ اللّٰهِ مَنْ عَزَّ عِبَادًا فِي اَدَلَّ عِبَادًا۔ الخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یادِ خدا کرنیوالوں کے لئے بہترین ذخیرۂ ثواب و برکات ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عبادت پر قوت رکھنے والوں کے لئے عزت و آبرو ہے۔ بسم اللہ کمزوروں کی جان کی حفاظت کا سامان ہے۔ بسم اللہ کا وِرد عاشقوں کے لئے نور ہے۔ بسم اللہ مشتاقین کے لئے باعث خوشی و سرور ہے۔ بسم اللہ روحوں کی راحت اور جسموں کی خلاصی ہے۔ بسم اللہ سینوں کا نور۔ بسم اللہ تاریک چیزوں کو روشن بنانیوالا وظیفہ ہے۔ بسم اللہ عارفوں کا تاج اور واصلوں کا چراغ ہے۔ بسم اللہ عاشقوں کو ماسوی اللہ سے بے نیاز بنا دیتا ہے۔ بسم اللہ اُس ذات پاک

کا نام ہے جس نے بہت سے بندوں کو عزت اور بہت سے بندوں کو ذلت سے ہمکنار کیا۔

ثُمَّ قَالَ بسم اللهِ كَلِمَةٌ تَمَّتْ بِهَا النِّعْمَةُ كَلِمَةٌ كُشِفَتِ النِّقْمَةُ كَلِمَةٌ خُصَّتْ بِهَا هٰذِهِ الْأُمَّةُ كَلِمَةٌ جَمَعَتْ بَيْنَ جَلَالٍ وَ جَمَالٍ

پھر آپ نے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایسا کلمہ ہے کہ جب بندہ اسے پابندی سے پڑھے تو اسے کوئی غم و پریشانی نہیں ہوگی اس کی برکت سے تمام نعمتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ ایسا کلمہ ہے کہ جس سے تمام قسم کے عذاب اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں۔

بسم اللہ ایسا کلمہ ہے جس سے یہ اُمت خاص کی گئی کہ اُسے بطورِ تحفہ کے مِلا ہے۔ بسم اللہ ایسا کلمہ ہے جس میں خدائی جلال و جمال جمع کیا گیا ہے۔

اسی طرح حاشیہ جُمل عَلَی الجَلالَین میں لکھا ہے کہ :

سارے قرآن کا ماحصل سورہٗ فاتحہ میں ہے، سورہٗ فاتحہ کا ماحصل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور اُس کا ماحصل بسم اللہ کی با میں ہے اور با کا خلاصہ اس کے تحتانی نقطہ میں ہے۔

حضرت تھانوی صاحبؒ نے اعمالِ قرآنی اور علامہ دیربیؒ نے اپنی بعض تالیفات میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے خواص شرح و بسط سے لکھے ہیں۔ یہاں پر زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں ہے

اَللهُ کی لغوی تحقیق

یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اُس کا اصل اِلٰہٌ تھا، شروع کا ہمزہ حذف کیا گیا۔ اُس کے عوض میں الف لام لایا گیا اور لام اوّل کو لام دوم میں مطابقِ قواعدِ صرفیہ اِدغام دیا گیا تو اَللّٰه ہو گیا۔ لفظِ اللّٰه کے مشتق ہونے میں علماءِ عربیت کے مختلف اور متعدد اقوال ہیں :-

Scanned with CamScanner

(۱) اَللّٰہُ · اَلَہَ اِلٰھَۃً وَ اُلُوْھِیَّۃً سے نکلا ہے جس کے معنی عبادت کرنے کے ہیں۔ اللہ کو اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہی ہر قسم کی بندگی اور عبادت کا مستحق ہے۔

(۲) یہ اَلِہَ بمعنی تَحَیَّرَ سے نکلا ہے جس کا معنی متحیر ہونے کے آتا ہے چونکہ تمام انسانی عقلیں اللہ تعالیٰ کی معرفت میں حیران و سرگردان ہیں کہ کوئی بھی کامل سے کامل تر اور عاقل سے عاقل تر اس کی حقیقت و کنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے اللہ اس نام سے موسوم ہوا۔ چنانچہ حضرت سعدی شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎ اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

واز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر

ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(۳) یہ اَلِھْتُ اِلیٰ فُلَانٍ ای سَکَنْتُ اِلَیْہِ سے نکلا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ میں نے فلانی کے پاس جا کر سکون اور چین حاصل کیا ہے۔ چونکہ پاکبازوں اور صحیح الفطرت دلوں کی تسکین، قرار اور اطمینان اللہ تعالیٰ کی یاد اور اسکے ذکر و فکر سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ کہ اچھی طرح سُن لو کہ خدا ہی کی یاد اور ذکر سے دل حقیقی چین اور سکون پاتے ہیں۔ لہٰذا چونکہ خدا تعالیٰ کے ذکر و فکر سے بندوں کے دل قرار اور آرام حاصل کرتے ہیں اس لئے اللہ کو اللہ کہا جاتا ہے۔

(۴) یہ اَلِہَ اِذَا فَزِعَ سے نکلا ہے یعنی جب کوئی کسی سے گھبرائے اور خوف زدہ ہو جائے تو اس وقت وہ اَلِہَ بولتے ہیں چونکہ آدمی کتنا ہی گمراہ اور سخت دل ہو تو وہ بھی خوف و گھبراہٹ کے وقت اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے

Scanned with CamScanner

اور اُسی سے فریاد کرتا ہے اس لئے اللہ اس نام سے موسوم ہُوا۔

(۵) اللہ، لَاہَ یَلِیْہُ لِیْہًا و لَاھًا سے نکلا ہوا ہے جن کے معنے چھُپ جانے اور بلند ہونے کے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہماری ظاہری آنکھیں محسوس نہیں کرتیں اور وہ اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے سب سے بلند اور ارجمند ہے اس لئے وہ اس نام سے موسوم ہوا ہے۔[1]

حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے غنیۃ الطالبین میں خلیل بن احمد اور اہلِ عرب کی ایک جماعت کا یہ قول نقل کیا ہے اِنَّہٗ اِسْمٌ مَوْضُوْعٌ لِلّٰہِ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ لَا یُشَارِکُہٗ فِیْہِ اَحَدٌ" قال اللہ تعالیٰ "ھَلْ تَعْلَمُ لَہٗ سَمِیًّا" یعنی لفظ اللہ صرف ذات باری تعالیٰ کے لئے وضع اور متعین کیا گیا ہے اس کے سوا اس لفظ کا اطلاق کسی اور پر نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ یہ لفظ کسی لفظ سے مشتق نہیں جیسا کہ اس کی ذاتِ مقدسہ کسی سے مشتق نہیں۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے مخاطب کیا تو حق تعالیٰ کا کوئی ہمنام جانتا ہے، یعنی ہرگز نہیں اس کا کوئی بھی ہم نام نہیں جیسا کہ وہ ذات متعالی شرکت اور دوئی سے بے نیاز ہے اور لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ کا حکم رکھتا ہے اسی طرح وہ اپنے لفظ کے اعتبار سے بھی کسی لفظ سے پھُوٹا اور نکلا نہیں لہٰذا اللہ کا لفظ کسی مخلوق پر بول نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ اسمِ ذات ہے کہ ذاتِ باری کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس لئے علماءِ منطق نے فرمایا "ھُوَ عَلَمٌ لِلذَّاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُجْتَمِعِ لِجَمِیْعِ صِفَاتِہِ الْکَمَالِیَّۃِ" کہ خدا تعالیٰ علَم اور نام ہے اس ذات کے لئے جس کا وجود واجب اور ضروری ہے اور جس میں تمام صفات کمالیہ بالفعل پائے جاتے ہیں۔ بہتوں سے علماءِ منطق نے فرمایا کہ وجود کی تین

[1] یہ سب اقوال قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں نقل کیے ہیں۔

Scanned with CamScanner

قسمیں ہیں واجبؔ ممکنؔ اور ممتنعؔ ۔ واجبؔ تو وہ ہے جس کا ہونا ضروری ہو۔ اور یہ کہ اس پر عدم کا طاری ہونا محال اور ناممکن ہو جیسا کہ اللہ کا وجود ضروری ہے اور اس پر عدم کا واقع ہونا ناممکن اور محال ہے۔ کیونکہ وہ تمام کائنات کے لئے عِلَّۃُ العِلَلْ[1] ہے اور اُسی کے وجود باجود سے تمام کائنات نے فیضان وجود حاصل کیا ہے اور اَللّٰہ ذات و صفات کے اعتبار سے بے مثال اور وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اُس کا کوئی خالق نہیں بلکہ وہ سب کا خالق و مالک ہے۔ وہی تمام موجودات کا سرچشمہ ہے جیسا کہ حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَاحِدٌ لَامِنْ قِلَّۃٍ وَمَوْجُوْدٌ لَامِنْ عِلَّۃٍ ۔ اللہ ایک ہے اس میں کسی قسم کی کمی نہیں، وہ بے علت و بے سبب موجود ہے ۔ جو لوگ مادہ کو قدیم مان کر اشیاء کا اصل قرار دیتے ہیں وہ مادہ کے جس نوع اور جس قسم کو بھی وہ کائنات کا اصل قرار دیں تو اُن پر بھی سوال وارد ہوگا کہ مادہ کی وہ قسم اور وہ نوع کہاں سے آئی ہے باوجود یکہ وہ ان کے نزدیک ممکن ہے جب کہ وہ اپنے ممکن کو قدیم قرار دینے میں) شرماتے نہیں ہیں تو اگر ہم کائنات کی عِلَّۃُ العِلَلْ اور ان کا خالق ایسی ذات کو قرار دیں جس کا وجود واجب اور قدیم ہے تو ہم پر طنز اور مذاق کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اشیاء کی اصل قرار دینے کے لئے کسی چیز کی طرف محتاج ہیں اور ہم بھی۔ اسی طرح وہ بھی اشیاء کا کوئی اصل اور واقعی سبب ڈھونڈتے ہیں تو ہم تمام مخلوقات کا خالق اور علت ایسی ہستی قرار دیتے ہیں جو واجب ہے اور جس میں تمام صفات کمالیہ بالفعل پائے جاتے ہیں اور یہ ہستی واجب ہونے کی وجہ سے غیر کی طرف محتاج نہیں۔ اس کے برخلاف مادہ پرست وہ اشیاء کی اصل مادہ کی کوئی ایسی جزئی اور

---

[1] اصل میں یہ بحث فلسفہ الٰہیات اور علم الکلام کی ہے لہٰذا تحقیق درکار ہو تو شرح عقائد
[illegible] دیکھئے۔

نوع قرار دیتے ہیں جو ممکن ہے اور جو اپنے وجود میں خود دوسری چیز کی طرف محتاج ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے جو خود اپنے وجود میں محتاج ہو وہ کس طرح خالقِ اشیاء اور علّۃ العِلَل بن سکتی ہے۔

وجود کی دوسری قسم مُمکن ہے کہ جس کا ہونا اور نہ ہونا ضروری نہ ہو اور یہ اپنے وجود میں علّت کی طرف محتاج ہوتا ہے۔ تو وہ علت وہی ہو سکتی ہے جو بمنزلۂ واجب ہو اور جس پر تمام اشیاء کی علّتیں ختم ہوں، جسکی کوئی بدایت اور نہایت نہ ہو جس کو ہم حضرت اللہ کہتے ہیں وہی حقیقت میں علّۃ العِلَل ہے۔

وجود کی تیسری قسم مُمتنع ہے یعنی جس کا نہ ہونا ضروری ہو۔ جیسے شریکِ باری کہ خدا کا شریک ناممکن، محال اور درجۂ امتناع میں ہے۔

غور کیجیے کہ چھوٹے چھوٹے کارخانوں کا چلانے والا جب تک ایک صاحبِ کمال کے سپرد ہو تو کارخانہ ٹھیک چلے گا اور اگر دو تین شخصوں کے ہاتھوں میں اس کارخانہ کی چابیاں ہوں تو وہ کارخانہ ایک وقت ضرور ٹھپ ہو کر رہیگا اسی طرح عالمِ سفلی اور عالمِ علوی کا یہ بڑا کارخانہ سیاروں اور ستاروں کی موزون اور متناسب حرکتیں، زمین کی حرکتِ یومیہ یا زمین کی حرکتِ سنویہ اور باقی تمام چیزیں کیا آپ ہی آپ ہیں اور کائنات کا یہ طبعی نظام خود بخود ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ ضرور ایسی ہستی کے نظام کے تحت چلتا ہے جو ہستی واجب، غیر محتاج، قدیم، ازلی اور ابدی ہے۔ اُس کے علم و حکمت کے تحت سب کچھ جاری و ساری ہے، اسی کو ہم اہلِ اسلام اللہ کہتے ہیں۔ یہ اکیلا اور وحدہٗ لاشریک لہ ہے۔ کیونکہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور چند خدا ہوتے تو سارے کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اور مخلوقات میں ہر مخلوق اسی اللہ کا پیدا کردہ ہے۔

Scanned with CamScanner

وہ سب کا خالق اور مالک مختار ہے۔ اسی نے ہم کو عدم سے لاکر وجود سے مشرف کیا۔ نظیری نیشاپوری نے کیا خوب فرمایا ؎

نے عدم بود نے وجود اینجا ٭ صورتِ وہم می نمود اینجا

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ جس طرح ذاتِ باری تعالیٰ تمام جہاں کے وجود کے لئے علّت اور فیض بخش ہے اور جس طرح یہ ذات تعالیٰ بے نیاز و بے ہمتا ہے اسی طرح اس کا نام پاک بھی فیض رسان اور فیض بخش ہے اور اس کے سوا کسی مخلوق پر اس کا اطلاق کرنا درست نہیں اور اس مقدس اسم کا وظیفہ اور وِرد اور کثرت سے پڑھنا دل کو روشن کرتا اور ضمیر کو بیدار کرتا اور ظاہری اور باطنی پریشانیوں سے نجات دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ قول الجمیل میں مشائخ نقشبندیہ کے احوال و اشغال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:-

قَالُوا طُرُقُ الوُصُولِ اِلَی اللّٰہِ ثَلٰثٌ اَحَدُھَا الذِّکْرُ فَمِنْہُ النَّفْیُ وَالاِثْبَاتُ وھوالماثورُ عَنْ مُتَقَدِّمِیہِمْ وَمِنْہُ الاِثْبَاتُ المُجَرَّدُ۔

یعنی مشائخ نقشبندیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے تین طریقے ہیں، اُن میں سے ایک ذکر الٰہی ہے۔ اسکے دو طریقے ہیں ایک کلمۂ نفی و اثبات یعنی کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کثرت سے پڑھنا اور دوسرا طریقہ اس کے پڑھنے کا ذکرِ مجرد ہے یعنی اللہ اللہ کا کثرت سے وِرد رکھنا۔ اس سے دل روشن ہوگا اور پڑھنے والے کا دل اپنے وقت پر عجائبات کا منظہر ہوگا۔ حضرت بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ دستور السالکین

میں فرماتے ہیں قطب کا آخری وظیفہ اور ورد اَللہُ اَللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کی
ہم نے کچھ تشریح اپنی تالیف تصبیرۃ السلوک میں کی ہے۔ فراجع الیہ۔
غرض شاہ صاحب فرماتے ہیں وصول اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کے تین طریقے
ہیں۔ (۱) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور اللہ اللہ کا وِرد (۲) مراقبہ اور
(۳) اپنے پیرِ طریقت کے ساتھ سچا اور پکا ربط و تعلق ہے اور ان دونوں کی
تشریح اِن شاء اللہ تعالیٰ اسی کتاب میں اپنی جگہ بیان کی جائے گی۔
فانتظروا ولا تکن من العاجلین۔[1]

اَللہ تعالیٰ کی اسی عظمت کی بنا پر

بہت سے علماء نے اسے اسمِ اعظم قرار دیا ہے اور بہت سے علماء نے پوری
بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم کو اسمِ اعظم کے قریب تر قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن
عفان رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بسم اللہ کی حقیقت
دریافت کی تو آپ نے فرمایا ھُوَ اِسْمٌ مِنْ اَسْمَاءِ اللہِ عَزَّ وَجَلَّ
وما بینہ و بین اسم الاعظم اِلَّا کما بین سَوَادِ العَین و
بَیَاضِھَا من القُرب۔ کہ بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم اللہ پاک کے ناموں میں
سے ایک نام ہے اُس کے اور اسمِ اعظم کے درمیان اتنی ہی نزدیکی ہے جتنی
کہ آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کے درمیان ہے۔

بہرحال جب سالکِ راہِ معرفت اللہ اللہ کہے تو اس کا دل و دماغ
اس یقین و شعور سے معمور ہونا چاہیئے کہ بس اللہ تعالیٰ ہی وہ ہستی ہے جو
ازلی اور ابدی ہے اور جس کا علم ذاتی اور تمام کائنات پر محیط ہے اور خیر

[1] مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو قول الجمیل اور دستور السالکین کا مطالعہ کیجیئے۔

Scanned with CamScanner

وشر اور نفع و ضرر اسی کے عنانِ اختیار میں ہے اور یہ کہ اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ انبیاءِ کرام اور مرسلینِ عظام، صحابۂ کرام اور اولیاءِ اُمت کو جو کچھ بھی علم و نبوت، حکمت و معرفت اور جمال و جلال سے عنایت ہوا ہے، وہ اس اللہ کی عنایت سے اُنہیں ملا اور عطا ہُوا ہے جس کی شان ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اللہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے اسمِ ذاتی اور عَلَم ہے۔ اس کا اطلاق ماسوی اللہ پر کسی طرح درست نہیں اور اسکی خاصیت یہ ہے کہ جس قدر بھی اُس کا وِرد و وظیفہ کیا جائے اور کثرت سے پڑھا جائے اُسی قدر اس سے صفاءِ قلبی حاصل ہوتی ہے اور دل سچے طور پر جلوہ گاہِ الٰہی بن جاتا ہے دوستانِ خدا اور اولیاءِ اللہ کو جو کچھ روحانی قرب و اصطفیٰ حاصل ہوا وہ اللہ ہی کے ذکر و فکر اور اس کے احکام و ہدایات پر عمل کرنے سے حاصل ہوا ہے اللہ کے علاوہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے اور بھی بہت سے نام ہیں جنکو شریعت کی زبان میں اَسماءِ حُسنیٰ[1] کہتے ہیں۔ یہ نام بلحاظ اس کے صفات کے ہیں جو ننانوے ۹۹ ہیں۔ جن میں سے پہلا درجہ الرحمٰن کا ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یہ دونوں لفظ رحمۃ سے نکلے ہوئے ہیں، جن کا اصلی معنی رِقّت

LIBRARY 872

[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اِنَّ لِلّٰہِ تسعۃً وتسعین اسمًا مَن احصاھا دخل الجنۃ ولیس فی ھذا الحدیث ذکرُ الاسماء وھو حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ والذی فیہ تفصیلُ الاسماءِ فھو حدیثٌ غریب۔
ابوابُ الدعوات ترمذی شریف جلد ۲

قلب کے ہے لیکن یہاں پر لغوی معنی مُراد نہیں ہے بلکہ اُس کا لازمی معنیٰ مُراد اور مطلوب ہے یعنی افاضۂ خیر اور بہت زیادہ مہربان اِنسے مطلب ہے۔ یہی حال باقی اسماء اللہ کا ہے کہ اُن کا معنیٰ ان کے مادہ اور اصل کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کا معنیٰ باعتبارِ غایات و لوازم مراد لیا جاتا ہے۔ پس اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا لازمی معنیٰ یہ ہے کہ وہ معبودِ برحق اپنے بندوں پر بہت زیادہ مہربانی اور جود و بخشش فرمانے والا ہے۔

البتہ بعض علماء ان دو لفظوں کو صفاتِ ذاتیہ اور بعض علماء ان کو صفاتِ فعلیہ سے مانتے ہیں اور اَلرَّحْمٰن میں الرحیم کے بمقابلہ معنیٰ میں نہایت وُسعت اور مبالغہ ہے کیونکہ اَلرَّحْمٰن اس کو کہیں گے کہ جس کی رحمت و رافت ہر ہر ذرہ پر محیط اور شامل ہو جیسا کہ ربُّ العٰلمین کی رحمت سے کائنات کی کوئی چیز ذرہ برابر خالی نہیں۔ وہ رحمت و احسان اس درجہ عام اور بے نہایت ہے کہ اس میں دوست و دشمن، اپنے پرائے، مُطیع و عاصی، فرمانبردار اور گنہگار کی کوئی تفریق اور امتیاز نہیں بلکہ اُسکی نعمتوں اور عنایتوں سے ہر ایک محظوظ اور خوشہ چین ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ؎

ای کریمی کہ از خزانۂ غیب — گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کُنی محروم — تو کہ با دشمناں نظر داری

(ترجمہ) اے پروردگار! آپکے کرم و احسان کے کیا کہنے۔ آپ کے خزانۂ غیب سے آپ کے سخت نافرمان بُت پرست اور آتش پرست بھی تو لطف اندوز ہو رہے ہیں جبکی شان یہ ہو کہ وہ دشمنوں پر ہمیشہ نظرِ کرم و احسان رکھتا ہو پھر وہ اپنے دوستوں، مومنوں اور اصحابِ توحید و اعتقاد کو کیسے اور کیونکر ضائع فرمائیگا۔

اللہ تعالیٰ خود یہ مفہوم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ

Scanned with CamScanner

كُلَّ شَيْئٍ کر میری رحمت وعنایت نے تمام ذراتِ جہاں پر احاطہ کر رکھا ہے
البتہ رحمٰن اور رحیم میں تھوڑا فرق ہے۔ وہ یہ ہے الرَّحمٰنُ العاطف
علیٰ جمیع خلقہٖ مومنہم وکافرِھِم وبرِّھِم وفاجرِھِم بأنّ خلقھم
ورزقھم۔ والرحیم بالمومنین خاصّۃً بالھدایۃ والتوفیق فی
الدنیا وبالجنۃ والرؤیۃ والآخرۃ قال اللہ تعالیٰ وَكَانَ
بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا۔ یعنی الرَّحمٰن وہ ہے جو تمام مخلوق مومن وکافر
نیک وبد اور اچھے اور برے پر مہربان اور ذرہ نواز ہو کہ انہیں عدم سے
نکال کر وجود کے خلعت سے بہرہ ور بنائے اور پھر ان کے رزق اور انکی ضروریات
اُن کے آخری دم تک فراہم کرتا رہے۔ اور الرحیم وہ ہے جس کی رحمت
وبخشش اور فضل وکرم با ایمانوں اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو کہ مادی
اور جسمانی ضروریات کے علاوہ اُنہیں راہِ حق کی طرف ھدایت فرمائے، دنیا میں
نیک کاموں کی توفیق دے اور آخرت میں جنّت اور اپنے دیدار سے سرفراز فرمائے۔
جیساکہ خود فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں با ایمانوں
پر خصوصی مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

چنانچہ سیدنا ومولانا حضرت شیخ سید عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ
رحمٰن ورحیم کی تحقیق میں فرماتے ہیں:۔

فالرحمٰنُ خاصُ اللفظ عامُ المعنیٰ۔ والرحیمُ عامُ اللفظ
خاصُ المعنیٰ من حیثُ انّہٗ لا یجوزُ ان یُسمّٰی بہٖ احدٌ غیرُ
اللہ عامٌ من حیثُ انّہٗ یشتملُ جمیعَ الموجوداتِ من طریقِ الخلق
والرزق والدفع۔ والرحیمُ عامٌ من حیثُ اشتراکِ المخلوقین
فی المُسمّٰی بہٖ خاصٌ من طریقِ المعنیٰ لانّہٗ یرجعُ الی اللطفِ

وَالتَّوْفِيْق. (غُنْيَةُ الطالبين)

ترجمہ:۔ رحمٰن لفظ کے اعتبار سے خاص اور معنی کے لحاظ سے عام ہے اور رحیم لفظی مفہوم کا خیال رکھتے ہوئے عام اور بلحاظِ معنیٰ خاص ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لفظ اَلرَّحْمٰن ماسوی اللہ پر بولنا اسی طرح نادرست اور ناجائز ہے جس طرح لفظ اللہ غیر اللہ پر اطلاق کرنا ناجائز ہے۔ اور اَلرَّحْمٰن میں یہ نزاکت بھی ہے کہ اپنے معنیٰ کے مفہوم و وُسعت کے لحاظ سے تمام موجودات پر حاوی اور محیط ہے کہ کوئی بھی مخلوق ایسا نہیں کہ جو اس کی عنایت و مہربانی سے لُطف اندوز نہ ہو جیسا کہ کائنات کو پیدا کرنا، اُن کے لئے روزی مہیا کرنا، اُن کو نفع پہنچانا اور اُن سے مشکلات دور کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں رحمٰن کے مفہوم میں داخل ہیں۔ چونکہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی ذات اور قدرت کے ساتھ مخصوص ہیں اس لئے رحمٰن اللہ تعالیٰ کے سِوا کسی ایک مخلوق پر اطلاق نہیں کر سکتے۔ اور رحیم کے لفظ کو مخلوق کے ساتھ لفظی اِشتراک کی گنجایش ہے لیکن رحیم معنے کے اعتبار سے خاص ہے کہ اُس کے مفہوم میں لُطف، توفیق وغیرہ داخل ہے۔ مُجاھِد رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اَلرَّحْمٰن دُنیا والوں کے لئے ہے اور اَلرَّحِیْم آخرت میں مومنین کے لئے ہے۔ اس لئے ادعیہ ماثورہ میں یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَیَا رَحِیْمَ الْاٰخِرَۃِ آیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:۔ ھُمَا اِسْمَانِ رَقِیْقَانِ اَحَدُھُمَا اَرَقُّ مِنَ الْاٰخِرِ۔ کہ رحمٰن و رحیم دونوں نام معنیٰ و مفہوم کے لحاظ سے نہایت باریک ہیں بلکہ رحمٰن کا معنیٰ رحیم کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ باریک ہے۔

یہاں یہ بات [illegible] یاد رکھنے کے قابل [illegible]
کے اعتبار سے نہیں بلکہ [illegible] کے اعتبار سے مراد [illegible]

کچھ علماء اسلام نے رحمٰن و رحیم کے معنی میں اس طرح فرق کیا ہے ۔

اَلرَّحْمٰنُ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ اَعْطٰی وَالرَّحِیْمُ الَّذِیْ اِذَا لَمْ یُسْئَلُ یَغْضَبُ کہ رحمٰن وہ ہے کہ جب اُس سے مانگا جائے تو وہ عطا فرمائے اور کوئی روک ٹوک نہ کرے۔ اور رحیم وہ ہے کہ جب اُس سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہو جائے۔

چنانچہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ مَنْ لَا یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضِبُ عَلَیْہِ کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر ناراض ہوتا ہے جو اس سے نہ مانگے ۔ اسی معنیٰ کے پیش نظر عرب کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

اَللّٰہُ یَغْضَبُ اِنْ تَرَکْتَ سُؤَالَہٗ
وَابْنُ اٰدَمَ حِیْنَ یُسْئَلُ یَغْضَبُ

یعنی خدا تعالیٰ کی شان اور صفت ہے کہ اگر تو اس سے نہ مانگے تو وہ ناراض ہوتا ہے اور انسان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ مانگنے اور سوال کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔[1]

---

[1] گویا رحمٰن کی عظمت اور حکم وہی ہے جو اللہ کا ہے۔ کہ اس کا اطلاق کرنا کسی مخلوق پر درست نہیں مگر ہمارے حضرات کی ستم ظریفی اور دینی واقفیت کی داد دیجیئے کہ خود تو ہو گئے مرشد، پٹھان، پیر اور سیّد لیکن جب غریب اور سیدھے مسلمان کا نام رکھنے کا وقت آیا تو اسکو رحمٰن اور رحیم بٹ لکھتے ہیں اور جانتے بھی نہیں کہ رحمٰن پروردگارِ عالم کی سب سے بڑی صفت ہے اس کا رکھنا کسی مخلوق کے لئے جائز نہیں۔ ہاں اگر عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم نام رکھا جائے تو ماشاء اللہ کیا ہی اور زیبا ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ جو دین مساوات اور برابری کی تعلیم دینے کے لئے آیا تھا آج اس دین کے پادری اور اسکے علمبردار مسلمانوں کو صحیح نام رکھنے کی تعلیم دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں ... اور فرضی امتیازات قائم رکھ کر استحصالِ مال و زر اسی طرح کیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب عام مسلم ... اسلامی ناموں کو رفتہ رفتہ رخصت کر کے یہود و نصاریٰ کے نام اپنے بچوں کو رکھنے لگے کیونکہ ان کو ملاؤں کی ملائیت پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔ یہ سب ہماری دین فروشی کا نتیجہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

بعض علماء نے فرمایا رحمٰن تو وہ ہے کہ جو مخلوق پر رحم کرنے اور اس سے ضرر دور کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ رحیم وہ ہے جو رزق عطا کرنے، کھلانے پر طاقت رکھتا ہو اور خود کھانے پینے سے منزّہ اور پاک ہو۔ غنیۃ کی اصل عبارت یہ ہے الرّحمٰنُ الّذی یرحمُ ویقدِرُ علیٰ کشفِ الضّررِ ودفعِ الشّرِّ الرّحیم الّذی یرزقُ ویُطعِمُ ولا یُطعَمُ۔

بہرحال دنیا کی ہر چیز اور ہر ہر ذرہ میں ربّ العالمین کا رحم و کرم، بخشش اور جود کارفرما ہے۔ بندہ کو اس سے یہی سبق ملتا ہے کہ ہر وقت اور ہر آن اس کی توجہ اور التفات اسی خدائے رحمٰن و رحیم کی طرف رہے جس کی عنایت و مہربانی کی طرف گذشتہ صفحات میں ہم نے کچھ اشارات کئے ہیں۔ اس لئے حضرت نبی رحمت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اَلرّاحِمُونَ یَرحَمُہُمُ الرَّحمٰنُ دوسروں پر رحمت و شفقت کرنے والوں پر پروردگار رحمٰن بھی خصوصی طور پر رحم و کرم فرماتا ہے مگر افسوس آج مسلمانوں کے عالم و لیڈر باہم دست و گریبان اور ایک دوسرے کی پگڑی خوب اچھال رہے ہیں اور اللہ کے دین کے نام پر اسلامی ملکوں کی بیخ کنی کرتے ہیں۔ پھر بھی خدمتِ دین کا دعویٰ کرتے میں شرماتے نہیں ہیں۔

بہرحال بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی عظمت پر اصلی بحث کی ابتدا ہوئی تھی اس کے متعلق بزرگوں کی ایک عجیب و غریب حکایت یاد آئی ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اس حکایت کا ترجمہ ہدیۂ قارئین کرلیں تاکہ انہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی عظمت اور مرتبہ کا پورا اور مکمل احساس ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی عزت کرنے کی وجہ سے
ایک شرابی ولایت کے درجہ تک پہنچا

"تذکرۃ الاولیاء" شیخ عطار رحمۃ اللہ میں حضرت بشر حافی رح سے متعلق لکھا

ہے کہ یہ ابتدائی حال میں بہت مست اور عموماً شراب خانوں میں ہوتے تھے۔
اسی اثناء میں ایک دن مستی کے ساتھ ایک راستہ سے رواں دواں تھے کہ کاغذ کا
ایک پرچہ پڑا زمین پر دیکھا۔ انہوں نے اس پرچہ کو اٹھایا تو دیکھا کہ اس میں
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا ہے یہ دیکھ کر دل پر نہایت شاق گذرا کہ اس پرچہ
میں ذات باری کا نام متعالی اور دو بہت بڑے صفت لکھے ہوئے ہیں اور پھر بھی
یہ پرچہ زمین پر پڑا اور لوگ اپنے پاؤں اور جوتوں سے بے خبری کے عالم میں اس
مقدس پرچہ کاغذ کو روندتے ہیں تو بہت افسوس ہوا، فوراً بازار گئے اور عطر اور
خوشبو خریدی اور وہ اس پرچہ کو لگا کر ایک جگہ تعظیم و حفاظت سے رکھا۔ بس
پھر کیا تھا کہ "رحمت خدا بہانہ می جوید" کہ اسی رات ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ
ان کو حکم ہوا کہ بشر کے پاس جا کر ان کو اس بات کی بشارت دو کہ طَيَّبْتَ
اِسْمَنَا فَطَيَّبْنَاكَ وَ بَجَّلْتَ اِسْمَنَا فَبَجَّلْنَاكَ طَهَّرْتَ اِسْمَنَا
فَطَهَّرْنَاكَ فَبِعِزَّتِيْ لَاُطَيِّبَنَّكَ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔[۱]

(تذکرۂ اولیاء فارسی ص۵۸)

(ترجمہ) تم نے ہمارے مقدس نام کو معطر کیا، تم نے ہمارے بابرکت نام کی عزت
کی تو ہم نے بھی تمہاری عزت کی، تم نے ہمارے نام کو داغ دھبوں سے پاک کیا تو
ہم نے بھی تم کو کئے ہوئے گناہوں سے پاک کیا۔ اور مجھے اپنی عزت و ارجمندی
کی قسم ہے کہ میں تم کو دنیا و آخرت میں اسی طرح معطر بناؤں گا۔

یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں خواب سے بیدار ہوا تو ایک طرف سے بشر
حافی کا رندانہ پن ذہن میں حاضر تھا اور دوسری طرف سے اس خواب کا تقاضا
آنے لگا تو خیال ہوا کہ کیا معلوم کہ یہ خواب خدائی ہے یا شیطانی۔ اس لئے تجدید

وضو کیا اور کچھ رکعتیں پڑھیں تو پھر سویا پھر یہی خواب دیکھا۔ یہی حال تین بار رہا۔ آخری بار یہ ہوا کہ صبح ہوتے ہی بشر حافی کے گھر گیا ان سے پوچھا کہ بشر کہاں؟ وہ بولے کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ شراب خانوں میں گھومتا پھرتا ہے۔ یہ بزرگ بھی وہاں گئے اور بشر سے پوچھا تو نے کون سا اچھا کام کیا ہے؟ اس نے کہا حضرت! میں نے کوئی بھی اچھا اور قابلِ قدر کام نہیں کیا۔ البتہ کل ایک پرچہ زمین پر پڑا ہوا دیکھا، اس کو اٹھایا تو اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا دیکھا۔ دل میں چوٹ سی آئی کہ پروردگار رحمٰن کے مقدس نام کی بے عزتی اور بے حرمتی کس طرح ہو رہی ہے تو بازار جا کر خوشبو خریدی اور وہ اس پر لگائی اور اس کو محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔ اور کوئی میرا نیک عمل نہیں ہے۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا یہ پرخلوص عمل قبول ہوا۔ تمہارے متعلق یہ بشارت ملی ہے کہ جس کا اوپر ترجمہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ اسی وقت بشر نے توبہ کی۔ رجوع الی اللہ فرمایا یہاں تک کہ وہ سرکردہ اولیاء میں مانے جاتے ہیں[1]۔

یہ ہے نامِ خدا کی عزت کرنے کا نتیجہ۔ اور دوسری طرف سے عصر حاضر کے مسلمانوں کو دیکھئے تو وہ قرآنی آیات اور دینی کتابوں کی اس قدر بے عزتی اور بے حرمتی کرتے ہیں کہ ایسے کاغذات شکستہ ہونے کے وقت دکانداروں کو فروخت کرتے ہیں جو ان کاغذات میں تمباکو جیسی غلیظ چیزیں بھرتے ہیں۔ غرض نہ اساتذہ کو عزتِ قرآن کا پاس رہا نہ ان کے ننھے منے شاگردوں کو۔ عام مسلمین کی شکایت ہی کیا۔ ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی اسی عظمت و برتری کی بنا پر مشائخ کرام اس کو خاص اجازت کے تحت پڑھتے ہیں اور پڑھواتے ہیں جس کے ثواب

---

[1] حضرت بشر حافی کے پورے حالات دیکھنے مقصود ہوں تو تذکرۂ اولیاء اور حضرت شیخ فریدالدین عطار رح کا مطالعہ فرمایئے۔

عظیم کے علاوہ بے شمار اور بے انتہا فوائد بھی ہیں۔ البتہ تعداد میں اختلاف ہے۔
میں نے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً کے دوران اپنے پیر روشن ضمیر علامہ زمان شیخ دوراں حضرت سید محمود طرازی مدنی البخاری نفعنا اللہ بطول حیاتہ سے مدینۂ طیبہ میں درخواست کی کہ مجھے ایسے وظیفہ کی اجازت مرحمت فرمایئے جو ازروئے فوائد وخواص سہل اور خاص الخاص ہو۔ آپ نے من جملہ ارشادات کے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم روزانہ نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد ایک سو چودہ بار پڑھا کیجئے اور اول و آخر تین تین بار درودِ مشہور پڑھا کیجئے۔ اور فرمایا کہ یہی وظیفہ ہمارے بزرگوں میں مخصوص ہے۔ خاکسار نے اول اول اپنی نادانی اور کم علمی سے یہ وظیفہ معمولی جانا مگر جب آنکھیں کچھ کھلنے لگیں تو معلوم ہوا کہ حضرت طرازی صاحب کا ارشاد بلاشبہ بہت بڑے عجائب و غرائب کا مرکز و منبع اور سرچشمہ ہے۔

رہا یہ سوال کہ مشائخ کرام نے اس کے پڑھنے کی تعداد ایک سو چودہ کیوں خاص کی تو ہم یقینی طور پر اس کی کوئی وجہ نہیں بتا سکتے اور نہ اس پر بحث کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مقام فرض و وجوب کا نہیں بلکہ مقام اطاعت بزرگانِ دین ہے جو عشق و محبت سے تعلق رکھتا ہے پھر بھی اس خاص تعداد کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قرآنِ کریم کی مجموعی طور پر ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ اس تعداد سے پڑھنے والے کی توجہ قرآنِ مجید کی ایک سو چودہ سورتوں کے مضامین کی طرف جاتی ہے جس سے قربِ ربانی کا حاصل ہونا یقینی امر ہے۔

ہاں اس جواب پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ قرآنِ مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں مگر ہر ایک سورۃ کے شروع میں بسم اللہ ہونا

مُسلّم نہیں کیونکہ نویں سورہ یعنی سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں۔ اس اعتبار سے بسم اللہ کی تعداد ایک سو تیرہ رہ جاتی ہے۔ تو میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ سوال ٹھیک ہے مگر سورۂ نمل کے درمیان جو بسم اللہ واقع ہے، اس کے سمیت ایک سو چودہ جگہ بسم اللہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے۔ لہٰذا ہمارا جواب کافی ہے۔ سورۃُ النّمل کی جس بسم اللہ کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ اس طرح ہے:- یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ۔[1]

رہا یہ امر کہ سورۃ التوبہ کے شروع میں بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم کیوں نہیں ہے تو مفسّرین کرامؒ نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں:-

اَوّلاً سورۃ التوبہ اور اس سے پہلی سورۃ الانفال کے مضامین سورۃ التوبہ کے مضامین ومعانی سے بہت زیادہ [illegible] ربط وضبط رکھتے ہیں۔ چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے آتی ہے اس لئے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لاکر اس بات پر تنبیہہ کی گئی کہ سورۃ التوبۃ اپنے معانی ومضامین کے اعتبار سے مستقل سورۃ نہیں ہے بلکہ اپنے ماقبل سورہ یعنی سورۃ الانفال

---

[1] (ترجمہ) اے اہلِ دربار میرے پاس ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے جو سلیمان کی طرف سے ہے اور اس کا مضمون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد یہ ہے کہ تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو اور میرے پاس فرمانبردار ہو کر آؤ۔

بعض بزرگوں نے بلحاظِ حروفِ ابجد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۷۸۶ بار پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں اور بعض حضرات کچھ اور بتاتے ہیں۔ تمام بزرگانِ دین کی باتیں اپنی اپنی جگہ معقول وجہ ہیں۔

تتمیم وتکملہ کے طور پر ہے اس لئے اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے تاکہ دونوں سورتوں کے تلاوتِ تسلسل میں بسم اللہ سے فصل اور حائل نہ آئے۔

دوسرا یہ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیتِ رحمت وامان ہے جو اس بات کی مقتضی ہے کہ مومن کا دل بھی رحمت وشفقت سے معمور ومنور ہونا چاہیئے۔ مگر جہاد اور ضرورت کے اوقات میں رحمت وشفقت کے مقابلہ میں غیظ و غضب، ضرب وحرب اور جہاد وقتال ہی زیادہ زیبا اور مناسب ہے۔ اس لئے بسم اللہ نہ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ سورۃ کا مضمون و معنیٰ ملحوظ رکھ کر یہاں پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ذکر نہ کرنا ہی مناسب ہے۔ تاکہ رحمت وشفقت غیر محل اور غیر مناسب جگہ واقع نہ ہوجائے۔

یہ دونوں معنے ہم نے تفسیر خازن وجلالین سے حاصل کئے ہیں

جلالین کی عبارت ملاحظہ ہو:-

ولم تکتب فیہا بسملۃ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یأمر بذلک کما یؤخذ من حدیث رواہ الحاکم واخرج معناہ عن علیٍ ان البسملۃ امانٌ وھی نزلت لدفع الامن بالسیف وعن حذیفۃ انکم تسمونہا سورۃ التوبۃ وھی سورۃ العذاب وروی البخاری عن البراء انہا اٰخر سورۃ نزلت الا اٰخر اٰیتہا ای لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم الخ فانہا نزلت بمکۃ۔ قالہ مقاتل من عشرۃ الخ۔

ثالثاً: تیسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ الانفال اور سورۃ التوبۃ میں نسبت تشبیہ ہے کہ ہر چند دونوں سورتیں مدنی ہیں مگر پھر بھی من وجہ

سورۃ الانفال مدینہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی اور سورۃ التوبۃ مدینہ میں آخر میں نازل ہوئی۔ اس نسبت اوّلیہ و آخریہ کو قائم رکھنے کے لئے بسم اللہ سورۃ التوبۃ میں نہیں لکھی گئی تاکہ اس نسبت کے درمیان اجنبی نہ آجائے۔ (ماخوذ من انوار المحمود شرح ابی داؤد)

بسم اللہ کے متعلق قرّاءِ قرآن کا اختلاف

اور اس کے فقہی احکام

قرّاءِ قرآن کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۂ فاتحہ کی جزء ہے یا نہیں تو اس اختلاف پر کچھ اہم مسائل متفرع ہونگے۔

قرّاءِ مکہ و کوفہ اور ان کے فقہاء اور حضرت عبد اللہ بن مبارک اور امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی جزء ہے۔ لہٰذا سورۂ فاتحہ کے احکام اس پر بھی حاوی اور شامل ہونگے۔ اس کے برخلاف مدینۂ طیّبہ بصرہ و شام اور ان کے فقہاء اور امام مالک و امام اوزاعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سورۂ فاتحہ کی جزء نہیں ہے۔ البتہ مطلق قرآن کریم کی آیت ہے جیسا کہ امام محمد بن حسن شیبانی رح شاگرد رشید حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جب اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ کَلَامُ اللّٰہِ کہ جو دو پٹھوں کے درمیان ہے وہ قرآن کریم ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سورۂ فاتحہ یا اور کسی سورۃ کی جزء ہو البتہ سورۃ النمل میں جس بسم اللہ کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا وہ بالاتفاق سورۂ النمل کی جزء ہے۔ ان حضرات کی دلیل جو بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ الفاتحہ کا جزء مانتے اور تسلیم کرتے ہیں کچھ حدیثیں ہیں جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں جس کی روایت حضرت ابوہریرۃ

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ سَبْعُ آیَاتٍ اُولٰھُنَّ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں ان میں سے پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔

اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الحمد پڑھی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العٰلمین کو ایک آیت شمار کیا۔ اصل عبارت یوں ہے:-

قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْفَاتِحَۃَ وَعَدَّ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اٰیَۃً۔[1]

اگر آپ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر غور فرمائیں گے تو واضح ہو جائے گا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پوری آیت نہیں ہے اور یہ کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بطریق تبرک تلاوت فرمائی ہو اور یہ کہ اصلی سورۂ فاتحہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع ہو جاتی ہے۔

بہرحال احناف کے نزدیک بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ سورۂ فاتحہ کی جزء ہے اور نہ اور کسی سورۃ کی بلکہ یہ دو سورتوں کے درمیان فرق کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ جس پر قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار صفحہ ۹ کی عبارت شاہد اور گواہ ہے:-

اِعْلَمْ اَنَّ التَّسْمِیَۃَ اٰیَۃٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اُنْزِلَتْ لِلتَّفْصِیْلِ بَیْنَ السُّوَرِ وَلَیْسَتْ جُزْءًا مِّنَ الْفَاتِحَۃِ وَلَا مِنْ کُلِّ

اچھی طرح سمجھ لو کہ بسم اللہ شریف سارے قرآن کریم کی ایک آیت ہے جو قرآنی سورتوں میں فرق کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔ یہ نہ سورۂ فاتحہ کی جزء ہے اور

[1] قد لخصنا ذٰلک من انوار التنزیل واسرار التاویل المشہور بالتفسیر البیضاوی۔

Scanned with CamScanner

سُوْرَةٍ كَمَا نُقِلَ عَنْ ابْنِ
عَبَّاسٍ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ خَتْمَ
سُوْرَةٍ وَلَا اِبْتِدَاءَ اُخْرٰى
حَتّٰى نَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرَئِيْلُ
بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
فِيْ اَوَّلِ كُلِّ سُوْرَةٍ رَوَاهُ
اَبُوْدَاؤُدَ وَالْحَاكِمُ كَذَا قَالَ
الْعَلِيُّ الْقَارِيُّ فَالْقُرْاٰنُ
عِبَارَةٌ عَنْ مِائَةٍ وَاَرْبَعَةَ
عَشَرَ سُوْرَةٍ وَاٰيَةٍ وَهِيَ
التَّسْمِيَةُ فَلَا بُدَّ فِيْ
خَتْمِ الْقُرْاٰنِ مِنْ قِرَاءَةِ
التَّسْمِيَةِ مَرَّةً عَلٰى صَدْرِ
اٰيَةٍ سُوْرَةٍ كَانَتْ وَهٰذَا
كُلُّهٗ عِنْدَنَا عَلَى الْمُخْتَارِ وَ

ناہی کسی اور قرآنی سورۃ کی جزء ہے جیساکہ
حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ
آپ نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں
کی ابتداء و انتہا میں فرق نہ کرتے تھے
یہاں تک کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام
نے آپ کے ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ نازل
کی۔ اس حدیث کی روایت ابوداؤد
اور حاکم نے کی ہے۔ اور سلطان المحدثین
ملا علی قاری نے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ پس
اس تحقیق کی رو سے قرآن کریم ایک سو چودہ
سورتوں اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے
مجموعہ کا نام ہے۔ لہٰذا ختم قرآن کرتے وقت یہ
ضروری ہے کہ قاری قرآن کسی سورت کی ابتدا
میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی تلاوت کرلے۔
اور فرماتے ہیں یہ تحقیق ہمارے حنفی مسلک کے
مطابق ہے اور یہی پسندیدہ اور علماء احناف

لہ بایں ہمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۂ فاتحہ کے شروع میں ہر ایک رکعت میں آہستہ آواز سے پڑھنا سنت اور بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہے۔ جو علماء احناف یہ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم سرًّا اور چپکے پڑھنا واجب ہے اُن کے نزدیک اس کے سہوًا چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ جیساکہ ابن وھبان نظم میں فرماتے ہیں ؎

وَلَوْلَمْ يُبَسْمِلْ سَاهِيًا كُلَّ رَكْعَةٍ ۔ فَيَسْجُدُ اِذْ اِيْجَابُهَا قَالَ اَكْثَرُ

(باقی صفحہ آئندہ پر)

عِنْدَ الامام الشافعی رحمہ جُزْءٌ مِنْ كُلِّ سُوْرَةٍ سِوٰى سُوْرَةِ الْبَرَاءَةِ . فَلَوْ تُرِكَتْ فِیْ صَدْرِ سُوْرَةٍ مَا حَصَلَ الْخَتْمُ ثُمَّ هٰذَا الاختلافُ فی غیرِ الْبَسْمَلَةِ الَّتِیْ فِیْ سُوْرَةِ النَّمْلِ وَاَمَّا فِی النَّمْلِ فَهُوَ بَعْضُ اٰيَةٍ اِتِّفَاقًا.

کے نزدیک زیادہ صحیح اور راجح ہے. اور امام شافعیؒ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک بسم اللہ ہر ایک سورۃ کی جُزء ہے۔ بغیر سورہ براءۃ کے اس تحقیق پر اگر قاری قرآن کسی سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو ختم قرآن حاصل نہیں ہوا۔ البتہ اختلاف سورۃ النمل کی بِسم اللہ میں نہیں کیونکہ وہ اتفاقاً سورہ کی ایک جزء اور آیت کا ایک حصہ ہے. جیسا کہ پہلے اس کی تحقیق ہو چکی ہے.

بہر حال اس فقہی اختلاف کی وجہ سے کئی امور متفرع ہونگے :-

مثلاً سورۃ فاتحہ پڑھنے والے کے لئے شروع میں بِسْم اللہ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ یہ سُورۃ کی جُزء ہے۔ اور احناف کے نزدیک ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ فاتحہ یا اور کسی سورۃ کی جُزء نہیں ہے. دوسرا اختلاف یہ ہو گا کہ اگر یہ سورۃ فاتحہ کی جُزء ہوتی تو تب جہری نمازوں میں اس کا جہری پڑھنا ضروری ہے اور جو حضرات اسے فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جُزء قرار نہیں دیتے جیسے ہم احناف تو ان کے نزدیک بسم اللہ قرأت کے تابع نہیں ہے اُس کے احکام علیحدہ اور جُدا گانہ ہیں۔ اس مختصر شرح میں دلائلِ جانبین تفصیل سے ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ میرے

(پیوستہ گزشتہ) مگر صحیح یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے شروع میں عمداً بسم اللہ چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ ہاں باقی سورتوں کے شروع میں پست آواز سے بسم اللہ پڑھنا امام محمد کے نزدیک مستحب اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک مباح اور درست ہے مگر یہ سورۂ فاتحہ یا کسی سورۃ کی احناف کے نزدیک جُزء نہیں ہے +

نزدیک احناف کی تحقیق اقرب الی الحق والصواب ہے۔ کیونکہ سورۃ الکوثر بالاتفاق تین آیتیں ہیں جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے اور اگر بسم اللہ سورۃ الکوثر کی جزو اور ایک آیت مان لی جائے تو تب اسکی چار آیتیں ہونگی جس کا کوئی قائل نہیں۔ اسی طرح سورۃ الملک بالاتفاق تیس ۳۰ آیتیں ہیں اگر بسم اللہ سورۃ الملک کی جزء اور ایک آیت ہوتی تو تب اسکی اکتیس ۳۱ آیتیں ہونگی جس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ اسی طرح سورۃ الاخلاص بالاتفاق چار آیتیں ہیں اگر بسم اللہ اسکی جز اور حصہ مان لیا جائے تب اسکی پانچ آیتیں ہونگی وَلَمْ يَقُلْ بِهٖ اَحَدٌ کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ اور پھر احناف کی سب سے بڑی اور اونچی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت انس بن مالک وام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ لِاَنَّ اَوَّلَ مَا نَزَّلَ بِهٖ جِبْرِيْلُ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْبَسْمَلَةَ فِيْ اَوَّلِهَا فَدَلَّ عَلٰى اَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْهَا۔

ترجمہ: "آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز اللہ اکبر اور الحمد للہ رب العلمین سے شروع فرماتے تھے۔ اس میں بسم اللہ کا کوئی ذکر نہیں اور یہ کہ سب سے پہلے سورۃ اقرأ نازل ہوئی۔ اسکے شروع میں بسم اللہ نہیں تھی تو ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ کسی سورۃ کی جزء نہیں ہے"۔

پس معلوم ہوا کہ بسم اللہ کے احکام جدا گانہ ہیں لہٰذا تمام نمازوں میں خواہ سری ہوں یا جہری ان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پست اور چپکے سے

پڑھنا چاہیئے۔ یہی مسلک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عبداللہ بن مغفل اور بہت سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ اسی مسلک کو تابعین وغیر تابعین حضرت حسن بصری، امام شعبی، ابراہیم نخعی، قتادہ، اعمش، حضرت سفیان ثوری، امام مالک، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل وغیرہم کا ہے۔ اس پر قرینہ جامع ترمذی کی یہ حدیث ہے:-

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تَرْكِ الْجَهْرِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

حَدَّثَنَا احمدُ بْنُ منیعٍ قَالَ حَدَّثَنَا اسمٰعیلُ بْنُ ابراهیمَ قَالَ حَدَّثَنَا جریریٌ عن قیسِ بن عبایةَ عن ابنِ عبدِ اللهِ بنِ مُغفلٍ قال سَمِعَنِیْ اَبِیْ وَاَنَا فِی الصَّلٰوةِ اَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فقال ای بُنَیَّ مُحْدَثٌ اِیَّاكَ وَالْحَدَثَ قَالَ وَلَمْ اَرَ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَبْغَضَ اِلَیْهِ الحدثُ فی الاسلام یعنی مِنْهُ وَقَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِنْهُمْ یَقُوْلُهَا فَلَا تَقُلْهَا اِذَا اَنْتَ صَلَّیْتَ فَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ قَالَ ابو عیسٰی حدیثُ عبدِ اللهِ بنِ مُغفلٍ حدیثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَیْهِ عِنْدَ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِیٌّ وَغَیْرُهُمْ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِیْنَ وَبِهٖ یَقُوْلُ سفیانُ الثوریُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ واحمدُ واسحاقُ لَا یَرَوْنَ اَنْ یَجْهَرَ بِبِسْمِ اللّٰهِ

اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالُوْا وَیَقُوْلُھَا فِیْ نَفْسِہٖ۔

(الجلدُ الاوّل مِن جَامِعِ التِّرمذِی صفحہ ۳۳)

ترجمہ بحذفِ السند :۔ "باب اس بیان میں کہ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہرًا (اونچی آواز سے) نہ پڑھے۔ عبداللہ ابن عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ مجھے اپنے والد عبداللہ بن مغفل نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز سے پڑھتے ہوئے سنا انہوں نے فرمایا نماز میں بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنا بدعت ہے اور خبردار بدعت سے دور رہا کرو اور فرمایا کہ میں نے صحابۂ کرام میں بدعت سے مبغوض اور ناپسند کوئی چیز نہیں دیکھی اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت ابو بکر رضؓ وعمر رضؓ وعثمان رضؓ کے پیچھے نماز یں پڑھیں اُن میں سے کوئی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز سے نہیں کہتا تھا لہٰذا تم بھی نماز میں بسم اللہ اللہ اونچی آواز سے نہ کہا کرو۔ ہاں جب تم نماز پڑھا کرو گے تو الحمد للہ سے جہرًا پڑھا کرو (یعنی جہری نماز میں) بسم اللہ ہر حال میں چپکے پڑھا کرو اسی کے مطابق اکثر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد کے اہل علم کا عمل ہے جیسے ابوبکر صدیق، فاروق اعظم، حضرت عثمان اور بہت سے تابعین کا یہی مسلک امام سفیان ثوری، ابن المبارک، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق کا ہے کہ سب کے نزدیک نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چپکے اور پست آواز سے پڑھنا چاہیے۔"

یہی ہمارے امام ہمام حضرت امام اعظم ابو حنیفۃ النعمان اور کروڑوں مسلمانوں کا مسلک ہے۔ اس سے امام اعظم رضؓ کی حدیث دانی اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے اور صحیح مسلم میں اس سے واضح تر ہے اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُسِرُّ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ پست آواز سے پڑھتے تھے۔

اسی قسم کے آثار آثار طحاوی، معجم الطبرانی، حلیہ بن ابی نعیم اور مختصر ابن خزیمہ میں ہیں۔ اور جن حدیثوں میں آیا ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن نمازوں میں بسم اللہ جہراً پڑھتے تھے وہ بھی صحیح ہیں مگر وہ گاہ گاہ اور کبھی کبھی آپ بابت تعلیم ایسا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے بعض اوقات ظہر کی نماز میں تعلیم کے لئے قرأت اونچی آواز سے پڑھی ہے تاکہ صحابہ کرام کو معلوم ہو جائے کہ آپ کیا پڑھتے ہیں۔ اور باقی رہا کہ آپ کی عادت مستمرہ اور دائمی طریقہ عمل و دستور کیا تھا تو وہ وہی ہے جو احناف کا مسلک ہے۔ اس پر مسطورہ بالا حدیث اہل انصاف کے لئے شاہد عدل ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ عَدَدًا

اے خدا! نازل فرما اپنے بہترین درود و رحمتیں شمار کے لحاظ سے۔

اے خدا! نازل کر پنی نم درود تہ رحمتیم شمار کہ لحاظہ سبتھاہ بہتر تہ اعلیٰ آسن

الشّرح :

اَللّٰھُمَّ : اصل میں یا اللہُ تھا، یا حرفِ ندا ہے اور اللہ مُنادیٰ۔ یا حرفِ ندا حذف کیا گیا اور اس کے عوض میں میم مُشدّد بڑھا دیا گیا جس سے کلام میں حُسن و جمال اور معنیٰ و مقصد میں عمدگی اور کمال حاصل ہوا، باقی لفظ اللہ کی کچھ تفصیل سابقہ سطور میں آگئی ہے۔

اِجْعَلْ : یہ صیغہ امر ہے بمعنی دُعا، یہ جعل سے نکلا ہے جس کے متعدد معانی عربی زبان میں آتے ہیں۔ ہم اُن میں سے کچھ معنی یہاں لکھتے ہیں:۔

(۱) پیدا کرنا۔ جیسے جَعَلَ اللّٰهُ الظُّلُمَاتِ (اللہ تعالیٰ نے تاریکیاں پیدا کیں)

(۲) رکھنا اور تبدیل کرنا۔ جیسے جَعَلَ الْحَسَنَ قَبِيْحًا (اُس نے بہتر چیز کو بُری چیز سے بدل دیا۔ اُس نے اچھی چیز کو ناپسند جگہ رکھ دیا۔

(۳) ظن اور گمان کرنا۔ جیسے جَعَلَ الْحَقَّ بَاطِلًا (اس نے حق کو باطل گمان کیا)

(۴) مقرر کرنا۔ جیسے جَعَلَهٗ حَاكِمًا (اس نے اسکو حاکم مقرر کیا)

(۵) شرط باندھنا، شروع کرنا، دینا اور عطا کرنا۔ جیسے اِجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ (مجھے نیک نامی عطا فرمایئے۔[1]

(۶) بمعنی تصییر کہ ایک چیز کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنا اور منتقل کرنا۔

[1] دیکھو بیضاوی اور مصباح اللغات۔

چونکہ اس مقام پر اس کا صلہ عَلیٰ آیا ہے اس لئے یہ اَنْزِلْ کے معنیٰ کا متضمّن ہو گیا اور اِجْعَلْ اگرچہ لفظ کے اعتبار سے امر ہے مگر معنیٰ کے لحاظ سے دُعاء و درخواست بسوئ ذاتِ باری ہے ۔

اَفْضَلَ

صیغۂ اسم تفضیل، فضل اُس کا مادہ اور اصل ہے۔ اُس کے بہت سے معنیٰ آتے ہیں :۔

(۱) اَفْضَلَ عَلَیْہِ : بڑھنا، بھلائی کرنا، مہربانی کرنا۔

(۲) اَفْضَلَ عَلَیْہِ فی الحسب : وہ اُس پر حسب میں بڑھ گیا، زیادہ ہونا۔ کہاجاتا ہے رَأَیْتُ صَفَّھُمْ قَدْ اَفْضَلَ عَلٰی صَفِّنَا میں انکی صف کو دیکھا کہ وہ ہماری صف سے بڑھ گئی۔

(۳) اِسْتَفْضَلَ مِنَ الشَّیْئِ : بقیہ چھوڑ دینا۔

(۴) تَفَضَّلَ عَلَیْہِ : مہربانی کرنا، فضل کا دعویٰ کرنا۔ تَفَضَّلَ الرَّ... اس نے شب خوابی کا لباس پہنا۔ یا اُس نے کام کاج کے لئے لباس پہ...

(۵) فَضَلَ وفَضِلَ فَضْلاً از بابِ نَصَرَ یَنْصُرُ و سَمِعَ یَسْمَعُ ... رہنا، زاید ہونا۔

(۶) فَضَلَہٗ : فضل میں غالب ہونا۔

LIBRARY ... COLLEGE No. 872 Date ... Price 832 ... COR BAGH

صَلَوَاتُ : صلوٰۃ کی جمع ہے۔ شریعت میں اُس کے بہت سے معانی آتے ہیں جیسے ثنا، مہربانی کرنا، دُعاء، رحمت، اِستغفار، دین، نماز۔ اس مقام پر صَلَوات کی اضافت کافِ خطاب کی طرف ہے اور اُس کا مخاطب حضرت اللہ ہے اس لئے معنےٰ میں جو نزاکت اور حسن و خوبی پیدا ہوئی وہ اہل اور اہلِ معنےٰ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب صلوٰۃ کی نسبت خداتعالیٰ

طرف کی جائے تو اس سے رحمت مُراد ہوتی ہے، جب اسکی نسبت فرشتوں کیطرف کی جائے تو اس وقت اُس کا معنی یہ ہے کہ وہ مومنین کے لیئے استغفار کرتے ہیں اور جب اُس کی نسبت وحوش وطیور کی طرف کی جائے تو اس سے تسبیح و تہلیل مُراد لیتے ہیں۔

حضرت مُصنّف رضی اللہ عنہ نے غنیۃ الطالبین میں صلوٰۃ کی تفسیر اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ کی تفسیر میں ان لفظوں میں کی ہے:۔

اَلصَّلوٰۃُ مِنَ اللّٰہِ الرَّحْمَۃُ وَمِنَ الْمَلَائِکَۃِ الشَّفَاعَۃُ وَالْاِسْتِغْفَارُ وَمِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الدُّعَاءُ وَالثَّنَاءُ۔ وَقَالَ مُجَاھِدٌ الصَّلوٰۃُ مِنَ اللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَالْعِصْمَۃُ وَمِنَ الْمَلَائِکَۃِ الْعَوْنُ وَالنُّصْرَۃُ وَمِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الْاِتِّبَاعُ وَالْحُرْمَۃُ۔ وَقَالَ ابْنُ عَطَاءٍ اَلصَّلوٰۃُ مِنَ اللّٰہِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْوُصْلَۃُ وَمِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُتَابَعَۃُ وَالْمَحَبَّۃُ۔ وَقَالَ غَیْرُہٗ صَلوٰۃُ الرَّبِّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعْظِیْمُ الْحُرْمَۃِ وَصَلوٰۃُ الْمَلَائِکَۃِ عَلَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِظْھَارُ الْکَرَامَۃِ وَصَلوٰۃُ الْاُمَّۃِ عَلَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الشَّفَاعَۃِ۔ وَقَدْ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔[1]

ترجمہ: "جب صلوٰۃ کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس سے رحمت جب فرشتوں کی طرف اسکی نسبت کی جائے تو اس سے شفاعت و طلب مغفرت اور مومنین کی طرف اسکی نسبت کی جائے تو اس سے دُعا و ثنا مُراد ہوتی ہے۔ اور مُجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب صلوٰۃ کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کی جائے تو

---

[1] کُلُّ ذٰلِکَ مَاخُوْذٌ مِنْ غنیۃ الطالبین من صفحۃ ۱۸ مطبوعۃ رفیق عام لام پور۔ یو۔پی

اس سے نیک کاموں کے کرنے کی توفیق وحفاظت، فرشتوں کی طرف اس کی نسبت کی جائے تو اس سے امداد و نصرت، مومنین کی طرف اسکی نسبت کرنے کی صورت میں اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم کی اتباع و پیروی اور آپ کا احترام اور عزت کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ ابن عطا نے فرمایا جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ صَلٰوۃُ اللّٰہِ عَلَی النَّبِیِّ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو تو اس سے تعلق و نزدیکی، فرشتوں کے درود سے اتباع و پیروی اور محبت مراد ہوتی ہے۔ دوسرے علماء نے فرمایا خدا تعالیٰ کے درود سے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و توقیر فرشتوں کے درود سے مراد یہ ہے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و احترام اور بزرگی و برتری ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح جب صلوٰۃ کی نسبت مومنین کی طرف کی جائے تو آپ کی شفاعت مطلوب و مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھیگا تو اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود اور رحمت بھیجتا ہے۔"

اس مقام پر ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے

کہ ہم مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ فرمایا: یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کہ اے ایمان والو! تم بھی اپنے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجا کرو۔ اس حکم کی تعمیل میں مسلمان بزدات مقدس حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم درود وسلام مختلف اور متعدد

[1] رواہ فی المشکوٰۃ۔

صیغوں میں پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ ہی ہماری طرف سے اپنے حبیب محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجئے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ مضحکہ خیز ہے کہ جس چیز کا حکم پروردگار عالم نے اپنے بندوں کو دیا ہے، بندے وہی چیز خدا تعالیٰ کی طرف لوٹاتے ہیں۔ اور اُس سے درخواست کرتے ہیں کہ اے خدا! تو خود ہی ہمارے آقا ومولے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کیجئے۔ یقیناً یہ طریقہ دُرست نہیں ہے۔

اس سوال کے دو جواب ہیں۔ ایک جواب نقلی اور دوسرا جواب عقلی ہے، نقلی جواب کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ جب درودِ شریف کی آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضؓ نے دریافت کیا کہ ہم آپؐ پر کس طرح درودِ شریف پڑھیں گے؟ تو آپؐ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ الی آخر پڑھا کرو۔ پس جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو حکم دیا تو اُسی کے مُطابق عمل کرنا اور اُسی کے مُطابق اتباع وپیروی کرنا ہی موجبِ نجات وسعادت ہے اور اس میں چون وچرا کرنا مُناسب نہیں۔ یہ جواب بے معنی اور بے مطلب نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے نسبت ربط وضبط رکھنا اور آپ کا نامِ نامی کثرت سے لیکر آپؐ کے احسانات وعنایات یاد کرنا پھر رفتہ رفتہ یہی آپؐ کا کثرتِ ذکر وفکر آپؐ کی محبت واتباع کی طرف پہنچاتے گا جو نجاتِ ابدی کا باعث اور داعی ہے۔ یہ ہماری طرف سے سفارش نہیں بلکہ درخواست بسوی بارگاہِ حضرتِ اللہ ہے جس سے عظمتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی واضح اور ظاہر ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

عقلی جواب یہ ہے کہ درود شریف پڑھنے سے اصلی مقصد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لِتذاتہٖ اعتناءً و توجّہ کرنا مقصود ہے، وہ اسی وقت حاصل ہوگا جبکہ درود خوان کے دل پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم و توقیر ہو۔ اس تعظیم و توقیر کی علامت یہی ہے کہ ہم حضرت اللہ سے درخواست کریں کہ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ حضور رحمۃ للعٰلمین ﷺ کے الطاف اور احساناتِ عظیمہ کا حق ادا کریں۔ البتہ اے خدا! ہم آپ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہی ہماری طرف سے اُن احساناتِ عظیمہ اور الطافِ عمیمہ کا بدلہ اور عوض دیں کیونکہ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ ہم از خود آپ کے حقوق میں سے کچھ حق ادا کریں۔ پس درود خوانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس سے ربط و ضبط اور احترام و توقیر مقصود ہے اور کوئی مادی صورت نہیں ہے کہ ہم اس سے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حق ادا کر سکیں گے لہٰذا خالقِ کائنات ہی سے ہم عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمارے پیغمبر صاحب صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نزولِ رحمت و برکات کا فیضان فرمائیے کیونکہ آپ ہی کی شان اور عظمت ہے کہ اپنے پیغمبر کریم ﷺ کا مقام اور مرتبہ کائنات میں اور بھی زیادہ چمکائیں گے اور روشن کریں گے۔ یہ دربارِ الٰہی میں حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حق میں سفارش نہیں بلکہ استدعا اور درخواست ہے اور یک گونہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ اعتناء اور توجہ یا اظہارِ محبّت و عقیدت کا ایک خاص طریقہ اور ضابطہ ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی ضابطہ اور طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر ہمارے بعض جیّد علماء نے اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے سے اعتناء و توجّہ اور شنا بذاتِ اقدس حضرت سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم قرار دیا ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں آیت إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ کی تفسیر میں لکھا ہے :-

قَالَ ابنُ عبّاسٍ اَراد اِنَّ اللّٰہَ یَرْحَمُ النَّبِیَّ وَالْمَلٰئِکَۃُ یَدْعُوْنَ لَہٗ وَعَنْہُ اَیْضًا یُصَلُّوْنَ یَتَبَرَّکُوْنَ وَقِیْلَ الصَّلٰوۃُ مِنَ اللّٰہِ الرَّحْمَۃُ وَمِنَ الْمَلٰئِکَۃِ الْاِسْتِغْفَارُ فَصَلٰوۃُ اللّٰہِ ثَنَاؤُہٗ عَلَیْہِ عِنْدَ مَلٰئِکَتِہٖ وَصَلٰوۃُ الْمَلٰئِکَۃِ الدُّعَاءُ

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ الخ سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رحمت و شفقت فرماتے ہیں اور فرشتے آپ کے لئے بہترین دُعائیں مانگتے ہیں۔ ابن عباسؓ سے دوسری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے بر ذاتِ اقدس حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرماتا ہے اور فرشتے آپ کے لئے اچھی دُعائیں مانگتے ہیں۔ تو اے مُسلمانو! وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ای حَیُّوْا بِتَحِیَّۃِ الْاِسْلَامِ آپؐ کو پورے ادب و احترام سے اسلامی دستور کے مُطابق سلام عرض کیا کرو

بہرحال حضرت مُصنّف رضی اللہ عنہ نے کبریتِ احمر کا آغاز جن پاک کلمات سے کیا ہے اُن کا اصل اور مادہ حدیثِ صحیح مرفوع میں موجود و مذکور ہے۔ جیسا کہ حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زادُ السعید میں اُس کا حوالہ دیا ہے جو یہ ہے:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا جَعَلْتَہَا عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؎

ترجمہ: "اے خدا! آپ اپنے درود اپنے خاص رحمتیں اور برکتیں حضرت نبی

مُعظّم محمد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپؐ کے اہلبیت پر اسی طرح نازل فرمایئے جس طرح آپ نے اپنے خاص درود اور رحمتیں اور بے شمار برکتیں حضرت ابراہیمؑ اور آپ کی اولاد پر نازل فرمائیں۔ بے شک آپ ہی قابلِ تعریف اور عظمت و بزرگی کے مالک ہیں اور اے خدا! آپ حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے اہلبیت پر اپنی مخصوص برکتوں کا نزول اور فیضان فرمایئے جس طرح آپ نے حضرت سیدنا ابراھیمؑ اور اولادِ ابراھیمؑ پر خاص قسم کی برکتوں کا نزول اور فیضان فرمایا بے شک آپ ہی قابلِ تعریف اور مالکِ عظمت ہیں۔"

اس قسم کی مرفوع حدیث اور ثابتُ الاصل کلمات سے کبریتِ احمر کو شروع کرنا اس بات پر واضح دلالت ہے کہ حضرت مُصنِّف رضی اللہ عنہ علمِ حدیث میں یدِ طولیٰ اور پوری دستگاہ رکھتے تھے۔

اور یہیں سے اس سوال کا جواب بھی نکل آتا ہے جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ درودِ شریف پر بہت سی کتابیں اور متنوّع رسائل لکھے گئے ہیں۔ ان کے مُقابلہ میں کبریتِ احمر نہایت ہی مختصر ہے مگر بایں ہمہ کبریتِ احمر کے جو فوائد اور تاثیر ہے وہ اس فن کی دوسری کتابوں اور رسائل میں نہیں پائی جاتی۔ حضرات مَشائخ اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہر کتاب کی عظمت و شرف و برتری بالطبع اس کتاب کے مُصنِّف و جامع کو بھی ایک خاص دخل ہوتا ہے۔ چونکہ مصنّفِ کبریتِ احمر رضی اللہ عنہ اپنے ظاہر و باطن، علم و عمل، اپنے رتبہ و نسبت کے اعتبار سے دوسرے ہمچو قسم کے مُصنّفین و جامعین سے نہ صرف مافوق اور ممتاز ہیں بلکہ ولایت و قطبیت کے درجہ سے بھی آگے ہیں اس لئے اس ظاہری نکتہ نے کبریتِ احمر کو خصوصی امتیازات اور بے شمار برکات کے ساتھ ہمکنار بنایا۔ یہ جواب بجائے

خود بالکل بجا اور درست ہے مگر اس جواب کے علاوہ اور بھی ایک خاص بات ہے وہ یہ ہے کہ اس کتاب میں شانِ اعجاز ہے اور یہ کہ فصاحت و بلاغت سے مملو اور پُر ہے یعنی اس کے الفاظ و کلمات بظاہر تھوڑے مگر ان کے معانی وسیع اور محیط ہیں۔ یعنی حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ نے اس مختصر وظیفۂ درود میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مناقب و فضائل، آپ کے اسمارِ مقدسہ، معجزاتِ عالیات صیغہ ہائے صلوات و عبارات، مطالبِ عجیبہ، دعواتِ تامّہ اور عباراتِ شاملہ میں بیان کیے ہیں۔ یہ محاسن و خوبیاں اس فن کی دوسری کتابوں میں ضخیم ہونے کے باوجود پائی نہیں جاتیں۔ پھر اس مقدس وظیفہ کے اکثر صیغے احادیثِ مرفوعہ سے چنے اور منتخب کیے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کبریتِ احمر کے بہت سے کلماتِ طیّبات ان کے معانی و مفاہیم پہلے مشکوٰۃِ نبوّت اور زبانِ وحی ترجمان سے صادر ہوئے تھے پھر دوبارہ حضرتِ مصنّف رضی اللہ عنہ نے اس بکھرے ہوئے خزانہ کو نئی ترتیب کے ساتھ ایک سلک میں جمع فرمایا۔ ضعیف یا موضوع روایات سے اس عالمانہ شاہکار کو دور رکھ کر اسے متنِ متین اور حصنِ حصین کی شکل و صورت میں دُنیائے اسلام کے سامنے پیش کر دیا۔ اس چیز نے بھی اس وظیفۂ درود کو پُر تاثیر اور باعظمت بنا دیا۔ ان شاء اللہ بعض مقامات پر ہم اُن احادیثِ مرفوعہ کی طرف اشارات کرتے جائیں گے۔ (فافہم) بلکہ بعض مقامات پر ہر درود کے الگ الگ خواص و تاثیر بھی عرض کریں گے۔ گو شُرّاحِ کبریتِ احمر اَعْلَی اللہُ مَقَامَھُمْ نے اسکی طرف بہت کم توجہ مبذول فرمائی ہے۔ ع

وَلِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاھِبُ

واضح رہے کہ حضرت مصنّف رَحِمَہُ اللہ اس فقرے میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے خدا آپ اپنے مقدس پیغمبر پر ہر وہ درود نازل فرمائیے

جو عدد و شمار کے لحاظ سے افضل اور اشرف ہو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عددوں اور شماروں میں سے وہ کون سا عدد ہے جو افضل اور اشرف ہو سکتا ہے اس سوال کا جواب ہم اس طرح دے سکتے ہیں کہ ایسے معین اور مخصوص عدد کا علم صرف حضرت ربّ العالمین ہی کو حاصل ہے۔ لہٰذا حضرت مصنف رضی اللہ عنہ اس کی تفویض اللہ ہی کی طرف کرنا چاہتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یوں سمجھئے کہ مصنف پروردگار کریم سے یوں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا کریں اس لئے آپکے حکم قطعی پر عمل کرنے اور اپنے پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات پورے ہونے کے لئے عدد و شمار کے ساتھ ان پر درود و سلام پڑھنا چاہتے ہیں لیکن ہم اُس عددِ خاص اور مخصوص شمار کو نہیں جانتے ہیں۔ اس لئے ہم آپ ہی سے عرض کرتے ہیں کہ آپ ہی ایسے افضل عدد اور بہترین شمار میں آپؐ پر درود بھیجد یجئے کہ جس عدد میں کسی قسم کا نقص اور کمی نہیں ہوگی کہ اس قسم کی درخواست وادب سے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ عظمت واجلال کی طرف بیاشارہ کرنا مطلوب ہے کہ درود پڑھنے والے کو کچھ درود پڑھ کر یا چند دنوں میں درود شریف کے ساتھ لگ کر یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ میں نے اس معمولی درود خوانی سے آپ کا کچھ حق ادا کیا بلکہ آپ کے احسانات اتنے زیادہ ہیں کہ ساری عمر میں درود پڑھنے سے بھی آپ کا معمولی حق ادا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ وہ مقام ہے کہ ؎

ھزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

البتہ ہم یہ ضرور عرض کرینگے کہ بہترین عدد کمّاً بھی ہو سکتا ہے اور کیفاً بھی لیکن طاق عددوں کی عجیب تاثیر اور بہترین خواص ہوتے ہیں جیسا کہ مولینا

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ قول الجمیل میں فرماتے ہیں وَكَذَالِكَ لِعَدَدِ الوِتْرِ خَاصِيَّةٌ عَجِيبَةٌ کہ جنس نفس کی طرح طاق عددوں کی عجیب خاصیت ہوتی ہے۔ اور اگر طاق عددوں کا بھی لحاظ رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے مگر اس قدر اعتقاد ہونا چاہیئے کہ تمام اعداد کا خالق اور اثر عطا کرنیوالا حضرت اللہ ہے۔

بہرحال جس پاک جملہ سے حضرت مصنفؒ نے اس مقدس وظیفہ کو شروع کیا وہ یہ ہے کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ عَدَدًا۔ تو ہمیں دیکھنا ہے کہ عدد کسے کہتے ہیں اور اسکی تعریف کیا ہے؟ لغت کی کتابوں میں عدد کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ اَلْعَدَدُ: شمار، گنتی، گنا ہوا۔ اَلْعَدَدُ مِنَ الْاِنْسَانِ آدمی کی عمر کے سال، اس کی جمع اَعْدَادٌ آتی ہے۔ اَلْعِدَادُ عطا، دیوانگی کا اثر، ہمسر، حریف، موت کا وقت، پیشی کا دن، کمان کی آواز، شمار۔[1]

پس جملہ کا حاصلِ معنی یہ ہوا کہ اے اللہ! آپ آنحضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ایسا درود نازل فرمائیے جو عدد و شمار کے لحاظ سے افضل اور عمدہ ہو۔

وَ اَنْمٰى بَرَكَاتِكَ سَرْمَدًا

اور اپنی بہت بلند و بالا برکتیں پورے دوام و تسلسل کے ساتھ۔

بتیہ یکنہ سبھاہ تلند تہ سبھاہ ہرونہ برکرۂ ہمیشہ پوشہ نہ۔

الشرح:

وَ اَنْمٰى: واو عطف کے لئے ہے۔ اس کا عطف

---

[1] ماخوذ من المفتاح۔

اَفْضَلَ پر ہے جو سابق جملہ میں مذکور ہے۔ اَنْمٰی صیغۂ اسم تفضیل ہے اس کا مادہ اور اصل نُمو ہے جس کا معنیٰ زیادہ ہونا، بڑھنا، بلند ہونا آتا ہے یہ معنیٰ کر کے نمو، ینمو، نمواً باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے بولتے ہیں۔ یہ معتل اللام واوی ہے۔

بَرَکَاتِكَ

برکات کافِ خطاب کی طرف مضاف ہے۔ اس کا مخاطب حضرت اللہ ہے۔ بہرحال بَرَکَات، بَرَکَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی زیادتی، بہتات نیک بختی کے آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بِرْکَۃٌ بکسر الباکی جمع ہو۔ اور بِرْکَۃٌ حوض کو بھی کہتے ہیں۔ جیساکہ حضرت خواجہ اعظم دیدہ مری قدس سرہٗ نے اپنی شرح میں لکھا ہے۔

سَرْمَدًا

سَرْمَدًا، ہمیشہ۔ چنانچہ اہل عرب لَیْلٌ سَرْمَدٌ لمبی رات کو بھی کہتے ہیں۔ اَلسَّرْمَدِی وہ کہ جسکی ابتداء اور انتہا بالکل نہ ہو جیساکہ حضرت اللہ جل جلالہٗ کی ذات والا صفات ہے۔ اس کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمیز ہے یا حال ہے اَنْمٰی سے ای حَالُ کَوْنِہٖ سَرْمَدًا۔

مزید تحقیق:-

حضرت مصنف قُدِّسَ سِرُّہٗ پھر حضرت اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے خدا! اپنی بہت بلند و بالا برکتیں ہمیشہ اور دوام کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی قدر پر نازل فرما۔

واضح رہے کہ اس فقرہ میں حضرت مصنف رحمہ اللہ نے بَرَکَات کا لفظ خصوصیت کے ساتھ چن لیا اور انتخاب فرمایا کیونکہ برکۃ کا لفظ نہایت

Scanned with CamScanner

محمود و مبارک اور اپنے ظاہری و باطنی معنیٰ کے لحاظ سے بہت مُفید اور محیط ہے۔ اسی بنا پر تبرکۃ کا لفظ مختلف قالبوں اور متنوع صورتوں میں قرآن مجید میں جابجا آیا ہے۔ کیونکہ برکت ہی سے تمام نعمتوں کی تکمیل، لذّت و سرور اور دوام و استمرار حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ الاسرا میں فرماتا ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

ترجمہ: "وہ خدا بہت پاک ہے کہ جس نے اپنے بندۂ خاص حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم کو رات کے ایک حصّہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی کی طرف سیر کرائی۔ یہ مسجدِ اقصٰی وہ ہے کہ جس کے ارد گرد ہم نے بہت برکت عطا کی۔ اس سیر کا مدّعٰی و مطلب یہ تھا کہ ہم اُنہیں (اپنی) کچھ عجائباتِ قدرت دِکھائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت سُننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

مُفسّرین کرام نے آیتِ بالا کی تفسیر میں مسجدِ اقصٰی کو بابرکت بنانے کے یہ معنےٰ بتائے کہ مسجدِ اقصٰی کے آس پاس کی زمین بہت زرخیز اور سرسبز و شاداب ہے اور یہ کہ اسکے ارد گرد کئی ہزار پیغمبر مدفون ہیں

اسی طرح سورۂ مریم میں بھی مُبَارَکًا لفظ آیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ۣ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ۔ ترجمہ: "(عیسٰی علیہ السّلام نے) کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور اس نے مجھے بابرکت بنایا جہاں کہیں بھی میں ہوں گا۔"

خازن اور معالم التّنزیل نے وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ کی تفسیر

اس طرح فرمائی، مَعْنَاہُ نَفَّاعٌ اَیْنَمَا تَوَجَّهْتُ وَقِیْلَ مُعَلِّمًا لِلْخَیْرِ
اُدْعُوْ اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی تَوْحِیْدِہٖ وَعِبَادَتِہٖ وَقِیْلَ مُبَارَکًا عَلٰی مَنْ یَنْبَغِیْ۔
کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا یعنی بہت نفع رسان اور فائدہ بخش ہوں جہاں بھی جاؤں۔ بعض علماء نے مُبَارَکًا کا ترجمہ یہ کیا کہ میں تمہاری بہتری اور فائدہ کا نشان دِہ اور اُستاد ہوں جس کی صورت یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید وعبادت کی طرف تم لوگوں کو دعوت دیتا ہوں۔ بعض نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مستحقین اور نیکوکاروں کے لیے برکت ہوں۔

اس سے یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ برکات کا لفظ نہایت اہم اور تمام اچھی چیزوں پر محیط ہے۔

تفسیر جامع البیان نے وَبِبَرَکَاتِ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا بھی اضافہ کیا کہ مذکورہ چیزوں کے علاوہ مسجدِ اقصیٰ کے ماحول کو دینی و دنیاوی برکتوں سے معمور کیا۔

تفسیر خازن و معالم میں بحوالہ مجاہد رحمہ اللہ مذکورہ تفسیر پر اور اتنا اضافہ کیا گیا ہے، لِاَنَّہٗ مَقَرُّ الْاَنْبِیَآءِ وَمَہْبِطُ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْوَحْیِ وَفِیْہِ الصَّخْرَۃُ وَمِنْہُ یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کہ مجاہد نے فرمایا مسجد اقصیٰ کے آس پاس حصّہ کو بابرکت بنانے کی یہ وجہ ہے کہ یہ سرزمین بہت سے پیغمبروں کی قرارگاہ، ملائکہ اللہ کے نازل ہونے کے لئے بُقعہ نور، وحی الٰہی نازل ہونے کی جگہ ہے۔ اس جگہ وہ پتھر ہے جس پر بیٹھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معراج اور کچھ تجلیات الٰہی نازل ہوئیں۔ اور یہ کہ قیامت کے دن لوگ اسی سرزمین میں جمع کئے جائینگے۔

اسی طرح احادیث مرفوعہ میں بھی برکت کا لفظ آیا ہے جیساکہ بخاری شریف کی حدیث میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت سے آیا ہے:۔

قَالَ لَقِیَنِیْ کَعْبُ بْنُ عُجْرَۃَ، فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت کعب بن عجرہ ملے

فَقَالَ اَلَا اُهْدِیْ لَکَ هَدِیَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰی فَاَهْدِهَا لِیْ۔ فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ الصَّلٰوةُ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا کَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْکَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

انہوں نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسا ہدیہ دے دوں جو میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ضرور عنایت کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ اور آپ کے اہلبیت پر کس طرح درود بھیجا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو سکھایا اور درود شریف پڑھنے کا طریقہ تفصیل سے نہیں بتایا۔ تو آپ نے فرمایا درود شریف اس طرح پڑھا کرو کہ اے اللہ حضرت محمد صلعم پر اس طرح درود بھیجئے کہ جس طرح آپ نے حضرت ابراہیم اور انکے اہلبیت کو درود و رحمت سے نوازا۔ بیشک آپ ہی بہترین صفتوں سے موصوف ہیں اور آپ ہی عظمت و بزرگی کے مالک ہیں لہذا آپ ہم پر اور انکے اہلبیت پر اس طرح برکت نازل فرمائیں جس طرح آپ نے حضرت ابراہیم اور آپ کے اہلبیت پر برکت نازل کی۔ بیشک آپ اچھی صفتوں سے موصوف اور بزرگی و برتر ہیں۔

یہاں اس حدیث شریف پیش کرنے سے صرف اتنا مقصود ہے کہ لفظ برکت اور اس کے مشتقات آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب و مرغوب تھے۔ اس لئے ادعیہ ماثورہ میں یہ لفظ بکثرت ملتا ہے۔ اسی بناء پر حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے کبریت احمر کی دوسرے ... جلد ... کے

لفظ پر ڈال دی۔ اور واضح رہے کہ بخاری شریف کی مذکورہ حدیث کے مختلف الفاظ ہیں۔ بعض روایتوں میں اس طرح آیا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ معلوم تو ہو گیا لیکن آپ پر درود بھیجنے کی کیفیت معلوم نہیں۔ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ الخ پڑھا کرو۔ یہ تحقیق علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے قول بدیع میں فرمائی ہے۔

اس تحقیق سے ہماری اس رائے کی پھر تائید و تقویت ہوتی ہے کہ حضرت مصنف اعلی اللہ مقامہ نے تبرکاً و تیمناً کبریت احمر کا انتخابات ایسے کلمات مقدسہ سے فرمایا ہے جو مختلف احادیث مبارکہ میں مذکور اور ثابت ہیں۔

ARABIC COLLEGE
LIBRARY
No. 872 832
Date ...
Price ...
COR. BAGH.

اسی طرح حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو شخص اس بات کی خواہش رکھتا ہو کہ اس کا درود بہت بڑے پیمانہ سے ناپا جائے تو وہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر یوں درود شریف پڑھا کرے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (منقول من فضائل درود)

اگر "برکات" برکۃ سے مشتق مانا جائے جس کے معنی حوض اور وافر پانی آتے ہیں تو تب معنی میں اور بھی زیادہ نزاکت اور مبالغہ پیدا ہوگا۔

کیونکہ عام طور پر حوض کا پانی صاف وشفاف ہوتا ہے۔ پھر اسکی اضافت اللہ کی طرف کہنے سے معنی اس اور بھی چار چاند لگ گئے۔ اور اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ اے اللہ اپنی خاص رحمتیں اور اپنی ایسی صاف وشفاف برکتیں جو نقص وتغیر سے محفوظ ہوں نازل فرما اس ذات مقدسہ پر جو تمام نقائص اور نقصانات سے پاک ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

سَرمَدًا :

دوام اور ہمیشگی کی قید اس لئے لگائی کہ درحقیقت قابل فخر و اعتناء وہی چیز ہوسکتی ہے کہ جس میں دوام و بقا ہو اور تغیر و زوال سے دور ہو، خواہ وہ روحانی و ملکوتی ہو یا اُس کا تعلق دُنیوی نعمتوں سے ہو یہی وجہ ہے کہ دُنیا کی نعمتیں بجائے خود کتنی ہی بلند و پُرعظمت کیوں نہ ہوں مگر آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں انکی کچھ قدر وقیمت نہیں ہے اس لئے انبیاء کرام اور انکے سچے پیرو، صدیقین، شہداء اور صالحین دُنیا کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں بلکہ اُنکی توجہ کا مرکز وصول الی اللہ اور قرب ربانی کا حصول ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو کیسا بہترین جواب دیا جب کہ سلیمان نے اپنی سلطنت کا جاہ وجلال دیکھ دیکھ کر دریافت کیا کہ بتاؤ ہماری عزت واقبال کس حد تک پہنچا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان کو درج ذیل لطیف الفاظ میں جواب دیکر اُسے آبدیدہ بنایا یہاں تک کہ روتے روتے سلیمان بن عبدالملک کی داڑھی پُرنم ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے جوابی الفاظ مُلاحظہ فرما کر عبرت حاصل کیجیئے، وہ فرماتے ہیں :-

یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ هٰذَا سُرُوْرٌ لَوْ لَا اَنَّهٗ غُرُوْرٌ وَنَعِیْمٌ لَوْلَا اَنَّهٗ عَدِیْمٌ وَمُلْكٌ لَوْ لَا اَنَّهٗ هُلْكٌ وَفَرَحٌ لَوْ

لمْ يُعقِبهُ ترحٌ ولذّاتٌ لو لمْ تقترن بآفاتٍ. وكرامةٌ
لو صحبتها سلامةٌ فبکی سُلیمانُ رحمہ اللہ حتّی اخضلّت لحیتہ

ترجمہ :-

"اے امیر المومنین سلطنت کا یہ جاہ و جلال واقعی طور پر مسرت و شادمانی ہے بشرطیکہ اس میں فریب اور دھوکہ نہ ہوتا، یہ نعمت بیکراں ہے اگر ہلاکت اسکے درپے نہ ہوتی، آپکی سلطنت کی شان و شوکت عمدہ اور قابلِ کرامت ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ دوام اور سلامتی ہوتی۔ (یعنی جس چیز میں دوام اور بقا نہ ہو جائے وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو، وہ دلچسپی اور فرحت و سرور کا موجب نہیں ہو سکتی) کہ "ہر کہ نپاید دلبستگی را نشاید" یہ سُن کر سُلیمان بن عبدالملک اتنے روئے کہ آپکی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔"

اگر دوام، بقا اور پایداری کسی چیز میں ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کیساتھ تعلّقات قائم کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ خاقانیؒ فرماتے ہیں :-

پس از سی سال ایں معنیٰ محقّق شُد بخاقانی
کہ یکدم با خُدا بودن بہ از مُلکِ سُلیمانی

اصل میں ہم یہ عرض کر رہے تھے کہ حضرت مصنّف رضی اللہ عنہٗ بارگاہِ الٰہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسی بڑھنے والی برکتوں کی دُعا کرتے ہیں جنہیں دوام و بقا اور دینِ محمّد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت و عظمت قائم ہو، یہ وہ دُعا ہے جس کے لئے حضرت سیّدنا امام حسین علیہ السلام کی طرح سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ یہ صرف سر ہلانے اور بے سوچے سمجھے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا ہاں ثواب تو پھر بھی مل جائے گا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مصنّف رضی اللہ عنہٗ درودِ شریف کے کیسے پاک اور ستھرے فقرات استعمال فرما کر صحیح مقصد

کی طرف ہماری رہنمائی فرماتے ہیں. فَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ عَنَّا.

وَاَزْکٰی تَحِیَّاتِكَ فَضْلًا وَمَدَدًا

اور اپنے پاکیزہ سلام وتحیّات نازل فرما جو فضیلت و فریاد رسی میں عمدہ اور بہتر ہوں۔
بیّیہ سوز پیئیزہ تہ سلامہ ہمیشہ پیشاہ پاک تہ عمدہ چہ فضیلتونو فریادرس ؤ اعتبار

اَلشَّرْحُ :-

اَزْکٰی : اسم تفضیل، تحیّات کی طرف مضاف اور تحیّات کے کافِ خطاب کی طرف مُضاف ہے جس سے حضرت ربّ العالمین مُراد ہے. اصل میں زَکٰی یَزْکُوْ زَکَاءً وَزُکُوًّا سے نکلا ہے جس کے معنی بڑھنا جیسے زَکَی الزَّرْعُ کھیت بڑھ گئی، نیک وصالح ہونا. خوش عیش ہونا، زکی ہونا، عمدہ ہونا. یہ سب اس کے معنی آتے ہیں. اور کہا جاتا ہے ھٰذَا لَا یَزْکُوْبِكَ یہ تمہارے لائق نہیں ہے اور اگر یہ لفظ باب تفعیل سے لیا جائے تو تب اُس کے اور بھی معنی آتے ہیں. جیسے بڑھنا، زاید ہونا، پیدا ہونا. زَکَّاہُ اللّٰہُ نشو ونما کرنا، پاک کرنا، صالح بنانا، زکوٰۃ لینا، زَکّٰی لَہٗ زکوٰۃ ادا کرنا. زَکّٰی نَفْسَہٗ خودستائی کرنا.

تَحِیَّاتِكَ : تحیّات کافِ خطاب کی طرف مضاف ہے. یہ تَحِیَّۃٌ کی جمع ہے. اصل میں یہ حَیَّاہُ وَتَحِیَّۃً سے لیا گیا ہے جس کے معنی حَیَّاكَ اللّٰہُ کہنے کے آتے ہیں. یعنی خدا تعالیٰ تم کو زندہ رکھے اس کا معنی سلام کرنا بھی آتا ہے. حَیَّاہُ اللّٰہ اللہ تعالیٰ اُسے باقی رکھے. حَیَّا الخمسین من عمرہٖ وہ اپنی عمر کے پچاسویں سال کے قریب پہنچا.

فَضْلاً : یہ مصدر ہے حال یا تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے
باب نَصَرَ یَنْصُرُ و سَمِعَ یَسْمَعُ دونوں سے بولا جاتا ہے۔ اس کا معنے
باقی رہنا، زائد ہونا اور غالب ہونا آتا ہے۔ فَضَلَہٗ عَلٰی غَیْرِہٖ
فضل کا حکم لگانا، ترجیح دینا، صاحب فضیلت ہونا۔ اور اس کے کئی
معنی آتے ہیں اس مقام پر اُس کا معنی بہت بہتر اور بہت غالب ہونے کے
زیادہ موافق اور مناسب ہے۔

مَدَدًا : اُس کا عطف فَضْلاً پر ہے۔ منصوب ہونے کی
وہی وجہ ہے جو فَضْلاً کے منصوب ہونے کی ہے۔ اَلْمَدَد مدد اور فریاد
رسی کو کہا جاتا ہے۔ اَمْدَدْتُہٗ بِمَدَدٍ میں نے اس کو قوت پہنچائی،
میں نے اس کی اعانت کی۔ اُس کا فعل مَدَّ یَمُدُّ مَدًّا سے بولا جاتا
ہے جس کا معنے پھیلانا، عمر دراز کرنا وغیرہ آتا ہے۔ (من المنجد والمصباح)

اللہ تعالیٰ سورۂ نوح میں فرماتا ہے۔ وَاَمْدَدْنٰکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ کہ
ہم نے تم کو مال و اولاد دیکر تم کو قوت بخشی۔

مزید تشریح :-

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنین کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات اقدس پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا جیسا کہ فرمایا صَلُّوْا
عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کہ آپ پر درود و سلام بھیجا کرو۔ اس لئے
حضرت مصنف رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے اس جملہ میں درود کے ساتھ سلام
بھی مقرون کیا اور کمال یہ ہے کہ شانِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
ملحوظ رکھ کر اللہ تعالیٰ سے ایسے تحیات و تسلیمات کی درخواست کی جو
دوسری تحیات و تسلیمات کے مقابلہ میں فضل و فریاد رسی میں نہایت پاکیزہ

Scanned with CamScanner

عمدہ اور زود اثر ہوں۔ کیونکہ تحیّۃ اس سلام کو کہتے ہیں جو بادشاہوں اور تاجداروں کو کیا جاتا ہے۔ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہی نہیں بلکہ پیغمبروں کے بادشاہ اور سردار ہیں۔ اس لئے بجای سلام لفظِ تحیّات کا استعمال کیا۔ اس قسم کے الفاظِ مُتناسبہ اور کلماتِ مُتناسقہ کا خیال رکھنا اُسی شخص اور صاحب کا کام ہے جو ظاہری اور معنوی کمالات کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے آگاہ اور معمور و منوّر ہو اور کمالِ ادب و ایمان اسی میں ہے کہ جو کلمات و الفاظ آپ کی ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے جائیں انہیں باقی کلمات اور الفاظ پر مزیّت و فضیلت ہو اور ہم لوگ ان باریک باتوں کو کیا جانیں، ان باتوں کا قدر دان اور رمز شناس وہی ہو سکتا ہے جس کا دِل و دماغ حُبِّ نبیؐ سے آراستہ اور پیراستہ ہو۔ ؎

محمدؐ بادشاہِ دُنیا و دیں ✤ امامُ المرسلین ختمُ النّبیّین

واضح ہے کہ یہ فقرہ بھی مختلف شکلوں اور مُتنوّع قالبوں میں احادیث مُبارکہ میں مذکور و منقول ہے اور معنی کے اعتبار سے یہ جُملہ نہایت اعلیٰ اور زرین ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ لفظ تحیّات نماز کے تشہُّد میں میں بھی معیّن اور مقرر کیا گیا ہے۔ وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم نے سطورِ متقدمہ میں اشارہ کیا ہے۔ احادیثِ مرفوعہ میں اس کے متعدد صیغے وارد ہیں اُنمیں سے ایک طریقہ یہ ہے:-

اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ الصَّلٰوۃُ الزَّاکِیَاتُ لِلّٰہِ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ ۔

ترجمہ: "تمام عباداتِ قولیہ، عباداتِ مالیہ، عباداتِ بدنیہ اور تمام پاکیزگیاں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں کہ اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ معبودِ حقیقی صرف حضرت اللہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور اسکے فرستادہ مخصوص ہیں۔ اے نبی! آپ پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔"

دوسری حدیث میں درود کے کلمات اس طرح آئے ہیں:-

اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوٰاتُ الزَّاکِیَاتُ لِلّٰہِ۔

مختصر یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں اَلزَّاکِیَاتُ، اَلتَّحِیَّاتُ کی صفت ہے۔ پس حضرت مصنفؒ نے اسی زاکیات کے اصلی حروف کو اسمِ تفضیل کے سانچے میں ڈالکر لفظ اَزْکیٰ کی اضافت تحیات کی طرف فرمائی۔ پس یہ اِضَافَۃُ الصِّفَۃِ اِلَی الْمَوْصُوْفِ ہے اور اصلی فقرہ کا معنیٰ حدیثِ مرفوع میں موجود ہے اور انہیں الفاظِ مبارکہ کو بطورِ درخواست بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا تاکہ مقامِ دُعا میں زود اثر ثابت ہوں۔

اب آپ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ ادبیت ملاحظہ فرمائیے کہ ساتھ[1] تین جملے کس قدر باہم مربوط اور اسکے الفاظ ایک دوسرے سے کتنے زیادہ متطابق اور متناسب ہیں۔ ملاحظہ ہو:-

اَفْضَلَ، اَنْمیٰ، اَزْکیٰ پھر صَلَوٰات، بَرَکَات، تَحِیَّات اور عَدَدًا، سَرْمَدًا، مَدَدًا کے باہمی ارتباط اور حسنِ تعلق پر آپ بھی

[1] ان سب الفاظ میں ازروئے علم البدیع صنعتِ مُراعاۃ النظیر ہے جسکو اَلتَّنَاسُبُ والتوفیق والایتلاف والتلفیق بھی کہتے ہیں۔

غور کیجئے۔ چونکہ اَلتَّحِیَّاتُ اَلطَّیِّبَاتُ اَلصَّلَوَاتُ اَلزَّاکِیَاتُ کا ضمناً تذکرہ آیا ہے اس لئے بمقتضائے اَلشَّیئُ یُذْکَرُ بِالشَّیئِ[1] کہ ایک چیز کا ذکر دوسری چیز کی مناسبت سے کیا جاتا ہے اس لئے اَلتَّشَھُّد کے متعلق حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ کی احیاء علوم الدین جلد اوّل صفحہ ۱۵۱ کی درج ذیل عبارت یاد آئی۔ فرماتے ہیں:۔

وَ اَمَّا التَّشَھُّدُ فاذا جلستَ لہٗ فَاجْلِس مُتَأَدِّبًا وَصَرِّح بِاَنَّ جمیعَ ماتُدلی بہٖ مِنَ الصَّلَواتِ وَالطَّیِّبَاتِ ای من الاَخلاقِ الطّاھِرۃ لِلّٰہِ وکذالِکَ المُلکُ لِلّٰہِ وھو معنی التَّحِیّات وَاَحضِرْ فی قَلبِکَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ وَشَخصَہُ الکریمِ وقُل سَلامٌ علیکَ اَیُّھَا النَّبِیّ ورحمۃُ اللّٰہِ وَبَرکاتُہٗ ولیصدق اَمَلُکَ فی اَنَّہٗ یُبَلِّغُہٗ وَیَردُّ عَلَیکَ ما ھو اَوفیٰ مِنْہُ ثُمَّ تُسَلِّمُ عَلیٰ نفسِکَ وعلی جمیع عبادِ اللّٰہ الصالحین ثُمَّ تَأَمَّلْ اَنْ یَرُدَّ اللّٰہُ سُبحانَہٗ عَلَیکَ سَلامًا وافیًا بعددِ عِبادِہِ الصّالحین[2]۔ الخ

ترجمہ:۔ "پس جبکہ تم تشہد کے لئے بیٹھو تو ادب سے بیٹھو اور تصریح کرو کہ جتنی چیزیں تقرب کی ہیں خواہ صلوات ہوں یا طیبات یعنی اخلاق طاہرہ سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی طرح ملک خدا کے لئے ہے اور یہی معنیٰ التحیات کے ہیں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود کو اپنے دل میں حاضر کرو اور کہو اَلسَّلامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اے نبی! آپ پر سلام، خدا کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔ اور یہ بندہ اُمید

[1] نقلہ ابوالعبّاس المبرّد فی کتابہ الشھیر "الکامل"

[2] پوری عبارت دیکھنا چاہتے ہو تو احیاء العلوم حصّہ اوّل کا مطالعہ فرمائیے۔

سچی آرزو کرو کہ یہ سلام ان کو پہنچے گا اور تم کو اس کا جواب تمہارے سلام کی نسبت کاملتر عنایت فرمائیں گے۔ پھر تم اپنے اوپر اور اللہ تعالیٰ کے سب نیک بندوں پر سلام کہو اور یہ توقع رکھو کہ خدا تعالیٰ تم کو اس سلام کے جواب میں بقدر شمار نیک بندوں کے پورے سلام مرحمت فرمائے گا۔ پھر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر شہادت دو اور خدا تعالیٰ کے عہد کی شہادت کے دونوں جملے پڑھ کر نیا کرو۔ الخ

تنبیہ :-

حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ کی اس تصریح سے آپکو اس بات کا خوب اندازہ ہوا ہوگا کہ دل میں احترام رسالت پناہ کتنا بے شمار و بے پناہ ہونا چاہیئے حتّٰی کہ آپ سلام بھیجنے سے پہلے اپنے دل میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا تصوّر اور یہ یقین رکھیں کہ آپ میرے سلام کے بدلے کاملترین سلام سے جواب مرحمت فرمائیں گے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ شافعی المسلک تھے بایں علم وفضل عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار اور معمور ہیں حیف وقت کے اجتہاد مآبوں پر جو درودِ حضور پڑھنے سے محض اس لئے منع کرتے ہیں کہ اس میں کاف خطاب ہے۔ اللّٰھم ارحم جاننا۔

افسوس تو اس بات پر ہے کہ نماز میں بہت سی غلط چیزوں کا تصوّر اور خیال آتا ہے مگر وہ حرام نہیں کہ انکی نماز پھر بھی ٹھیک ہوتی ہے اور گناہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصوّر ایّھا النبیّ پڑھتے ہوئے کیوں آئے۔ بیچارے جانتے ہی نہیں ہیں کہ ؎

در نگر تا بینی از عین شہود ٭ جملہ ذراتِ جہاں را در سجود

ہمارے حضرت نبی کریم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل میں تصوّر آنا اور آپ [illegible]

ذاتِ مقدسہ کا تصور کرنا، آپ کی عشق و محبت اور انجلائے قلب کی بہت بڑی دلیل ہے۔ جیسے ایک شاعر نے اسی معنی میں یہ دو شعر فرمائے ہیں ؎

۱. لَسْتُ مِنْ جُمْلَةِ الْمُحِبِّيْنَ اِنْ لَّمْ ÷ اَجْعَلِ الْقَلْبَ بَيْتَهٗ وَمَقَامًا

۲. وَطَوَافِيْ اِجَالَةُ السِّرِّ فِيْهِ ÷ وَهُوَ رُكْنِيْ اِذَا اَرَدْتُ اِسْتِلَامًا[1]

اصل میں بات یہ ہے کہ عربی میں کاف خطاب کے لئے مخاطب کا وجود خارجی کے ساتھ حاضر ہونا شرط نہیں جیسا کہ قرآنی آیات پر غور کرنے سے معمولی طالب علم کو بھی اس کا علم ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ الخ (ترجمہ) اور ابراہیم علیہ السلام سے یہ بھی کہا گیا کہ "لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کر دو جس سے لوگ تمہارے پاس حج کرنے کے لئے چلے آئیں گے پیادہ بھی اور جو اونٹنیاں سفر سے سخت دُبلی ہونگی اور جو دور دراز راستہ سے پہنچ جائیں گی"۔

اس حکم کی تعمیل میں مطابق حدیث حضرت ابراہیم ایک روایت کے مطابق کوہِ ابو قبیس پر اور دوسری روایت کے مطابق مقامِ ابراہیم پر چڑھے اور اپنے گوشہائے مبارکہ میں اپنی دو انگشت سبابہ داخل فرمائیں اور اپنے دائیں بائیں شرق و غرب کی طرف توجہ فرما کر یوں آواز دیتے ہیں:۔

اَيُّهَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ قَدْ بَنٰى بَيْتًا وَكَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ فَاَجِيْبُوْا رَبَّكُمْ وَحُجُّوْا بَيْتَهُ الْحَرَامَ لِيُثِيْبَكُمْ بِهٖ

[1] درحقیقت مانعین اور ناجائز بنانے والے حضورِ ذہنی اور حضورِ خارجی میں فرق کرنے سے قاصر اور عاجز ہیں۔ اس شاعر پر اللہ تعالیٰ رحم کرے جس نے ان دونوں میں خوب فرق کر کے کہا کہ میرا شمار ہی سچے عاشقوں میں نہیں ہے، کہ اگر میں اپنا دل محبوب کی جگہ اور آرام گاہ نہ بناؤں میرا کام ہی یہ ہے کہ اس کے اسرار و معارف کے ارد گرد گھومنا وہی محبوب میرا رکن ایمان ہے جبکہ میں اسکی چوکھٹ کے بوسہ دینے کا ارادہ کروں۔

Scanned with CamScanner

الجنۃ ویجیرکم من النار فسمعہ اہل ما بین السماء والارض فما بقی شیٔ سمع صوتہ الا اقبل یقول لبیک اللّٰھم لبیک فاوّل من اجاب اہل الیمن فھم اکثر الناس حجّا ومن ثمّہ جاء فی الحدیث "الایمان یمان" (ماخوذ من تفسیر روح البیان)

اس عبارت کا حاصل ترجمہ:۔

"سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام آواز دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے لوگو! بیشک تمہارے لئے تمہارے پروردگار نے ایک گھر (کعبۂ شریف) بنایا اور اس نے تم پر کعبۂ شریف کا حج کرنا فرض کر لیا تو تم اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرو اور اس کے گھر کا حج کرو، وہ تمہیں اس کے عوض جنّت دیگا اور جہنّم سے بچائیگا۔ احادیث میں آیا ہے کہ یہ آواز اہلُ السمٰوات والارض نے سُنی پس جس کے کانوں تک یہ آواز پہنچی تو وہ اسکی طرف متوجہ ہوکر لبّیک اللّٰھمّ لبّیک پڑھتا ہوا آیا۔ سب سے پہلے یمن والوں نے حضرت ابراہیمؑ کی آواز کی اجابت کی اس لئے وہ سب سے زیادہ حج کرتے ہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ کمالِ ایمان یمن والوں کا ہے۔" الخ

حضرت ابراہیمؑ کی اس آواز میں پہلی ندا اَیُّھَا النَّاسُ آئی ہے۔ پھر ربّکم، کتب علیکم، اجیبوا ربّکم، وحجّوا، لیثیبکم و یجیرکم اتنے خطابات ہیں لوگوں کی طرف حالانکہ ان کے سامنے ظاہری اور وجودِ خارجی میں کوئی بھی ایک موجود نہ تھا۔ تو معلوم ہوا کاف خطاب کے لئے مخاطب کا وجودِ خارجی کے ساتھ حاضر ہونا اور موجود ہونا ضروری نہیں۔ حضورِ ذہنی کافی ہے۔ اس قسم کی ہم بہت سی مثالیں دیتے لیکن اس مختصر شرح میں اسکی گنجائش نہیں۔ ہاں دور تک آواز پہنچانا اور اس پر اثر مرتّب کا ظاہر ہونا سب باقدار اللہ

وعمیم لُطفہٖ سے ہے۔ وُہی پروردگار نزدیک کو دور اور دور کو نزدیک بنا سکتا ہے یہ حکم عام ہے اس میں نبی اور غیر نبی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ لَہٗ اَدْنٰی تَاَمُّل۔

بہر حال اب ہم ان تینوں جملوں کو صاحب دلائل الخیرات حضرت ابو عبداللہ محمد بن سلیمان الجزولی المتوفی ۸۷۰ھ ہجری کے اس جُملۂ دُعائیہ پر ختم کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ دلائل الخیرات کی تمام دُعائیں احادیث سے ثابت ہیں۔ حضرت مُصنّف رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے اختصار کے لئے ان کی سندیں حذف کی ہیں۔

دُعائیہ ہے:۔

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فَضَائِلَ صَلَوَاتِکَ وَشَرَائِفَ زَکَوَاتِکَ وَنَوَامِیَ بَرَکَاتِکَ وَعَوَاطِفَ رَأْفَتِکَ وَرَحْمَتِکَ وَتَحِیَّتِکَ وَفَضَائِلَ اٰلَائِکَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قَائِدِ الْخَیْرِ وَفَاتِحِ الْبِرِّ وَنَبِیِّ الرَّحْمَۃِ وَسَیِّدِ الْاُمَّۃِ۔

ترجمہ: "اے خدا! اپنے بہترین درود اور اپنے معزز اور پاکترین رحمتیں اور اپنی بڑھنی والی برکتیں اور اپنی مہربانی اور رحمت کے میلانات و اسباب اور اپنے عمدہ سلام اور بزرگترین نعمتیں ہمارے آقا حضرت محمد صلّی اللہ وسلّم پر جو تمام پیغمبروں کے سردار اور ربّ العالمین کے فرستادۂ خاص ہیں، نیکیوں کی طرف دعوت دینے والے، نیکیوں کا دروازہ کھولنے والے، رحمت کے پیغمبر اور ساری اُمّت کے سردار ہیں نازل فرما۔

نوٹ: اس دُعاء سے بھی آپ کو معلوم ہوگیا ہے کہ درحقیقت کبریتِ احمر احادیث مبارکہ ہی سے ماخوذ بلکہ انہی کا عطر اور جوہر ہے جو حضرت مصنّف نے ایک خاص اسلوب بدیع سے جمع فرمایا رَضِیَ اللہُ عَنْہُ۔

رجوع باصلِ خویش:

عَلٰی اَشْرَفِ الْحَقَآئِقِ الْاِنْسَانِیَّۃِ

اُس پیغمبر رحمتؐ پر جو تمام افرادِ انسانیہ میں سے اعلیٰ اور کاملترین ہیں.

تِس صاحبَس پٹھ یُس سارِ دے انسانی حقیقتو مُنزِ سارِ دے خوتر تہٕ بہتر تہٕ کاملترین چھُ.

التحقیق:

عَلٰی: حرفِ جار۔ یہ اِجْعَلْ سے۔ متعلّق ہے۔

اَشْرَفْ بروزنِ اَفْعَلْ ہے۔ صیغۂ اسمِ تفضیل، شَرُفَ شَرَافَۃً شَرَفًا بابِ کَرُمَ یَکْرُمُ سے بولا جاتا ہے جس کا معنی دین یا دُنیا میں بُلند مرتبہ ہونا، صاحبِ عزت ہونا۔ اس سے مراد ذاتِ ستودہ صفاتِ حضرت سیّدالمرسلین صلّی اللہُ علیہ وسلّم ہے۔ آپ کا نامِ مبارک صراحت سے اس جگہ نہیں لیا بلکہ آپ کے لئے ایسے وصف کا انتخاب فرمایا جو آنحضور صلّی اللہُ علیہ وسلّم ہی کی ذاتِ والا شان پر چسپاں اور مصداق ہو سکتا ہے اور مصنّف رضی اللہُ عنہُ نے ضمنًا تنبیہہ کی کہ آپ ہی درحقیقت حقائق انسانیہ اور افرادِ اولادِ آدم میں سے اشرف اور افضل ہیں۔ صلّی اللہُ علیہ وسلّم اسی کو علمِ معانی کی اصطلاح میں اَلْکِنَایَۃُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِیْحِ کہتے ہیں۔

اور واضح رہے کہ حضرت مصنّف اَعْلَی اللہُ مَقَامَہٗ نے اس مقام پر آنحضرت صلّی اللہُ علیہ وسلّم ... اَشْرَفْ صفت قرار دیا ہے اور پھر چند جملوں کے بعد آپ کی صفت اَفْضَلْ کا لفظ قرار دینگے جیسا کہ فرماتے ہیں وَاَفْضَلِ الْخَلَائِقِ اَجْمَعِیْنَ ؎

توسوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا نکتہ ہے یعنی اَشْرَفْ اور اَفْضَلْ میں کوئی معنوی فرق ہے یا یہ کلمات حضرت مصنّف رحمہُ اللہ نے کیف ما اتّفق

استعمال فرمائے ہیں۔

اس کا تحقیقی جواب حقیر کے نزدیک یہ ہے کہ اَشْرَفْ اور اَفْضَلْ میں بہت باریک فرق ہے کہ جس پر حضرت قطب ربانی رحمۃ اللہ علیہ نیک آگاہ ہیں۔

اسی فرق کی طرف حضرت محقق جلالُ الدین دوانی رحمۃُ اللہ نے مشارقُ الانوار میں فرشتوں اور انسانوں کی ایک دوسرے پر فضیلت و فوقیت کی بحث میں فرمایا: اَشرف تو وہ ہے جو مَبدأ فیّاض (ربُّ العالمین) سے باعتبار ایجاد زیادہ قریب ہو اور اَفضل وہ ہے جس میں جامعیت اور کاملیت پائی جاتی ہو۔ جیساکہ وہ ملائک جو حاملینِ عرشِ مجید ہیں۔ مَبدأ فیّاض سے ایجاد میں قریب ہونے کی وجہ سے دوسرے ہم جنس فرشتوں کے مقابلہ میں اَشرف کہلائیں گے۔ اس کے برخلاف انبیاء کرام اپنی صفاتِ عالیہ میں جامع اور کامل ہونے کی بنا پر اَفضل کہلائیں گے۔ کیونکہ فرشتوں میں انسانی صفاتِ متضادہ کے تحمل اور برداشت کی طاقت نہیں۔ اسی جامعیت و کاملیت کی وجہ سے آدمی امانتِ الٰہی یعنی زمین پر معنوی خلیفۃُ اللہ بننے کے لئے اہل قرار دیا گیا۔ جیساکہ آیت اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا[1] سے واضح ہے کیونکہ ظلوم و جہول وہی ہوسکتا ہے جو قوّتِ عملی و

---

[1] ترجمہ: "بیشک ہم نے اپنے احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیے تھے تو انہوں نے اُنکی ذمہ داری سنبھالنے سے معذرت کی (کیونکہ) وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اُسکو اپنے ذمہ لیا۔ بے شک وہ ظالم ہے جاہل ہے (کہ انجام سے واقف نہ تھا)"۔
بعض عصرِ حاضر کے کچھ جدت پسند حضرات نے وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ کا یہ معنی مراد لیا ہے کہ صرف انسان نے امانتِ الٰہی میں خیانت کی [illegible] لہٰذا وہ ظالم اور جاہل ٹھہرا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے المتقاسمہ القدیمۃ والجدیدۃ) فَاحْذَرْ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ يُفَسِّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْيِهِمْ ٭

قوتِ نظری میں اِفراط و تفریط کا مُرتکب ہو جائے۔

پس اَشْرَفْ و اَفْضَلْ کے اسی باریک فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت مُصنّف نے ایک جگہ آنحضرت صَلّی اللہُ عَلیہ وسلّم کے لئے اَشْرَفْ اور دوسری جگہ اَفْضَلْ صفت قرار دیکر اس بات پر تنبیہہ فرمائی کہ چونکہ آپ ایجاد میں مَبدأ فَیّاض کے سب سے زیادہ قریب ہیں جس پر حدیثِ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ گواہ ہے کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نورِ مُحمّدی صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پیدا فرمایا۔ (پھر اسی نورِ مقدّس سے باقی انوار ظاہر ہوئے) اور اَفْضَلْ صفت لاکر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ حضرت نبی اکرم صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نہ صرف اپنی صفات میں جامع و کامل ہیں بلکہ آپؐ تمام کاملترین اور فاضلترین افرادِ انسانیہ سے اَفضل اور ان کے سیّد و سردار ہیں اور آپ اتنے کامل ہیں کہ ؎

فَاقَ النَّبِیّٖنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ
وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٖ

آپؐ کی اسی اشرفیّت کی طرف جامع ترمذی کی درج ذیل حدیث میں اشارہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا:-

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا فَخْرَ بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاہُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ

"میں قیامت کے دِن سارے اولادِ آدمؑ کا سیّد اور سردار ہوں۔ یہ کوئی فخر اور دکھاوے کے طور نہیں کہتا بلکہ حقیقتِ واقعیہ بیان کرتا ہوں اور فرمایا آدم اور آدم کے بغیر باقی پیغمبر قیامت کے دِن میرے ہی عَلَم مُبارک کے نیچے ہونگے اور میں انبیاءِ کرام میں سے سب سے پہلا

آلودہ ہوں۔ ہر چند مجھے شرم آتی ہے کہ اس تاجدارِ عرب و عجم، صاحبِ مقامِ قابَ قوسین کی طرف اپنے اُمتی ہونے کی نسبت کس طرح کروں مگر قدسی کے یہ اشعار پڑھ کر پھولوں نہیں سماتا کہ الحمد اللہ میرا آقا صاحبِ مقامِ محمود ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۔ مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی ! | دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

۲۔ مَن بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم ! | اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

۳۔ نسبتی نیست بذاتِ تو بنی آدم را | بہتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

۴۔ نسبتِ خود بسگت کردم بس منفعلم | زانکہ نسبت بسگِ کوی تو شد بے ادبی

۵۔ چشمِ رحمت برکشا سوی من انداز نظر | ای قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

۶۔ ما ہمہ تشنہ لبانیم و تو آبِ حیات | لطف فرما کہ زحد گذرد تشنہ لبی

۷۔ سیدی انتَ حبیبی وطبیبُ قلبی | آمدہ سوی تو قدسی پی درمانِ طلبی

دَلَائِلُ الخَیرات کی حزبِ ثالث کی ایک دُعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن صفاتِ مُقدسہ کی تفصیل ہے جکی طرف ہم نے اوپر کی چند سطروں میں اشارہ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔ وَ اَکْمَلِهِمْ شَرِيعَةً وَاَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ نِصَابًا وَاَبْيَنِهِمْ بَيَانًا وَخِطَابًا وَاَفْضَلِهِمْ مَوْلِدًا وَمُهَاجَرًا وَعِشْرَةً وَاَصْحَابًا وَاَكْرَمِ النَّاسِ اَرُومَةً وَاَشْرَفِهِمْ جُرْثُومَةً وَخَيْرِهِمْ نَفْسًا وَاَطْهَرِهِمْ قَلْبًا وَاَصْدَقِهِمْ قَوْلًا وَاَزْكَاهُمْ فِعْلًا۔ الخ

ترجمہ:۔ خدا تعالیٰ کے بلند ترین درود نازل ہوں اُس پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو دین میں تمام پیغمبروں سے کاملترین ہیں اور اصل کے اعتبار سے سب نبیوں سے اشرف اور اعلیٰ ہیں۔ اور آپ ہی سب پیغمبروں کے مقابلہ میں

بیان اور خطاب میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہیں اور آپ ہی جامع پیدائش مقامِ ہجرت اور آل و اصحاب کے اعتبار سے سب سے افضل اور سب سے ارفع ہیں اور آپ تمام پیغمبروں میں سے اصل کے لحاظ سے بزرگترین اور جماعت کے لحاظ سے سب سے اشرف ہیں اور اپنی ذات قدسی صفات کے اعتبار سے سب سے بہتر اور دلِ مبارک کے لحاظ سے سب پیغمبروں سے پاکتر اور قول و فعل کے اعتبار سے سب پیغمبروں سے زیادہ سچے اور بہت زیادہ پاک۔ الخ

اس گذارش سے یہ مقصد ہے کہ آپ حضرت مصنف کی علمی قابلیت کی داد دیجیے کہ اپنے مذکورہ جملہ یعنی عَلٰی اَشْرَفِ الْحَقَائِقِ الْاِنْسَانِیَّۃ میں وہ تمام صفات جمع فرمائے ہیں جو دلائل الخیرات کی دعاءِ مقدسہ میں مذکور ہیں اور اس سے ضمناً یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ مذکورہ جملہ بھی حدیث مبارک ہی کا ایک جزوِ لطیف اور محیط ہے کیونکہ دلائل الخیرات کی تمام دعائیں احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں جیساکہ ارباب علم کے نزدیک مسلّم اور کوئی اس کی سند پر حرف گیری کرے تو اس کو یہی کہا جاسکتا ہے کہ

گر نہ بیند بروز شپّرہ چشم ٭ چشمۂ آفتاب راچہ گناہ۔

وَمَعْدِنِ الدَّقَائِقِ الْاِیْمَانِیَّۃ

اور آپ ایمان و معرفت کے باریک امور کے کان اور مرکز ہیں۔

بئیے چھ تم ایمانکیوں راز وجن کھڻن ھند کان تہ مرکز

وَمَعْدِنِ یہ اَشْرَفِ پر عطف ہے اس لئے مجرور ہے۔ مَعْدِن کے لغوی معنی سونا چاندی وغیرہ کی ظاہر ہونے کی جگہ۔ ہر چیز کا مکان جسمیں اس کا اصل اور مرکز ہو، اس کی جگہ مَعَادِن آتی ہے۔ عَدَنَ الْاَرْضَ عَدْنًا

الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

وہ صاحب ہوں جو قبرِ اطہر سے ظاہر ہونگے یہ کوئی فخر کے طور پر نہیں کہتا بلکہ حقیقت اور واقعیت بیان کرتا ہوں۔ یہ لمبی حدیث ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے حدیث حسن ہے۔

الحَقَائِق : حقیقۃ کی جمع ہے۔ الحقیقۃ اُس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کی حمایت واجب اور ضروری ہو، کہا جاتا ہے هُوَحَامِي الحَقِيقَةِ، وَهُوَمِنْ حُمَاةِ الحقائقِ یعنی وہ اس شے کی حفاظت کرتا ہے جس کا دِفاع اُس کے ذِمّہ لازم ہے۔ علمِ اصولِ فقہ میں حقیقت لفظ بولکر اُس کا موضُوع لہٗ مُراد لینا۔ جیسا کہ مجاز اس لفظ کو کہتے ہیں جس سے بول کر کسی مناسبت سے غیرِ ماوُضِع لہٗ مُراد لیا جائے۔ حقیقۃُ الشَّيْءِ کسی چیز کے مُنتہیٰ اور اصل کو بھی کہتے ہیں۔

(ماخوذ من مصباح ونور الانوار وغیرہما)

الْاِنْسَانِيَّة : انسان کی طرف منسوب ہے۔ اس مقام پر حقَائقُ الْاِنْسَانِيَّةِ سے انسان کی خصوصیّات مُراد ہیں۔ اُس کا اِطلاق بالعموم اخلاقِ محمودہ پر ہوتا ہے۔ انسان یا تو اُنس سے مشتق ہے جس کا معنی باہمی محبّت و اُلفت ہے۔ چونکہ انسان کی فطرت میں اُنس و محبّت داخل ہے اس لئے وہ اس نام سے موسوم ہے۔ یا یہ نِسیان سے نکلا ہے جس کا معنیٰ بھولنا اور فراموش کرنا ہے۔ چونکہ پہلا انسان حضرت آدم علیہ السّلام حکمِ پروردِگار اَنْ لَّا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ بھولے ہیں اس لئے انسان اس نام سے موسوم ہوا۔ جیسا کہ کہا گیا:

اَوَّلُ النَّاسِ اَوَّلُ نَاسٍ، اٰفَۃُ الْعِلْمِ النِّسْیَانُ[1]

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حقائق حقیقت کی جمع ہے۔ انسان کی حقیقت ایک ہی ہے یعنی حیوان ناطق تو پھر صیغۂ جمع "حقائق" لانے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک علماءِ منطق کے نزدیک انسان کی حقیقت و ماہیت صرف ایک شے حیوانِ ناطق ہے مگر حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ نے منطقی اصطلاح کے مطابق حقائق کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ حقائق سے مراد کمالاتِ معنویہ اور اخلاقِ طیبہ طاہرہ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اولادِ آدم علیہ السلام میں سے جو حضرات کمالاتِ صوریہ و معنویہ اور اخلاقِ طیبہ کے مالک ہیں اُن سب سے ہمارے پیغمبر حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ و اشرف ہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ اولادِ آدمؑ میں سے جن حضرات نے انسانی حقوق کی حفاظت اور نگاہ داشت کی اور بنی نوعِ انسان کے حقوق زندہ کئے اور دنیا میں انسانی برادری میں یکسانیت اور مساوات کا درس دیا اور فرضی امتیازات مٹا کر محمود و ایاز کو ایک صف میں لا کھڑا کیا اُن سب میں ہمارے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اَشرف اور اَعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس اے خدا! آپ افضل ترین درود عددی، اپنی غیر فانی اور غیر منقطع برکتیں اور پاکیزہ فریاد کو پہنچنے والی تحیات اس صاحب پر نازل فرمائیے جو سارے اولادِ آدم میں اپنے کمالاتِ ظاہری و معنوی کے اعتبار سے اشرف اور برتر ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے ایسا آقا اور پیغمبر عنایت کیا جن کی شان والا شان اتنی بلند و بالا اور جمال و جلال سے مالا مال ہے اگرچہ میں بہت ہی گناہگار ہوں

---

[1] اوّل ناس ہیں سے پہلا ہی انسان آدم بھول گیا۔ علم کی مصیبت یہی نسیان و فراموشی ہے۔

کاملین کی پاک تعلیمات وارشادات ہیں۔ کیونکہ حضرت سیدالمرسلین صَلَّی اللہُ علیہ وسلم ہی بجا طور پر ایمان کے تمام نازک، مشکل اور باریک امور کے اصول، مرکز اور ارکان ہیں صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم۔ اور ایمان کی شناخت اور پہچان اسی میں معرفت اور مرکز صداقت سے کی جاسکتی ہے۔ ایمان کے باریک امور وہ ہیں کہ جن میں افراط و تفریط، زیادتی اور کمی نہ ہو۔ ایمان کی کوئی بات جہاں افراط یا تفریط کی طرف مائل ہو جائے وہ خدا تعالیٰ کے ہاں لائقِ قبول نہیں ہے۔

اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ایمان و عرفان کے نازک مسائل اور مشکل مہمات آپ کی معدنِ حق میں موجود و مذکور ہیں جس سے دینِ اسلام کے کامل و مکمل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ایمان کے یہ نازک ترین امور جو افراط و تفریط سے پاک ہوں اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضور صَلَّی اللہُ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صَلَّی اللہُ علیہ وسلم آپ کی عمر مبارک ابھی اتنی زیادہ نہیں اور طبیعتِ شریفہ میں اعتدال بھی ہے۔ پھر بھی شِبْتَ قَبْلَ أَوَانِكَ بڑھاپے کے آثار نمودار ہونے لگے کہ آپ کے کچھ موئے مبارک سفید ہو گئے۔ آپ نے حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کو جواب میں فرمایا:۔

"شَيَّبَتْنِي هُودُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ"

(مجھے سورۂ ھود، سورۂ والمرسلات اور سورۂ عَمَّ یَتَسَاءَلُونَ نے بوڑھا بنایا)

علامہ محقق جلال الدین دوانی رحمہ اللہ نے مشارق الانوار میں اسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ سورۂ ھُود میں فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ کی ہدایت ہے کہ اے ہمارے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم امورِ الٰہی میں استقامت فرمائیے۔ پھر محقق فرماتے ہیں کہ استقامت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس شے کی دونوں طرفیں افراط و تفریط سے خالی نہ ہوں۔ پس آپ کے قلبِ مبارک میں

Scanned with CamScanner

ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہتا تھا کہ احکام الٰہی کی تعمیل میں مجھ سے افراط نہ ہونے پائے۔ باقی سورۂ والمرسلات و عمّ یتسائلون میں آخرت کا خصوصی ذکر ہے۔ اللہ اللہ باوجودیکہ آپ ایمان کی باریک سے باریک تر چیز کے معدن و مرکز ہیں اور پھر بھی رضائے حق کے اتنے طلب گار کہ فرماتے ہیں کہ ان سے میرے کچھ موئے مبارک سفید ہوئے۔ اور دوسرے ہوئے ہم دین فروش اور مدعیانِ باطل "چہ نسبت خاک را باعالمِ پاک" اور اگر واقع میں آپ دین و ایمان اور رستگاری کے طلب گار ہیں تو میں باادب یہی عرض کروں گا :- ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

اور کوشش کرنی چاہیئے کہ میرے تمام کام آپ ہی کی معدنِ صدق وصفا کے مطابق ہوں اور یہی کام آجائے۔ جیسے کہ کہنے والے نے کہا ؎

ہر کہ عشق مصطفیٰ ساماں اوست ٭ بحر و بر در گوشہ و اماں اوست

پھر جملہ وَمَعْدِنِ الدَّقَائِقِ الْاِيْمَانِيَّةِ میں درج ذیل باتیں قابلِ غور ہیں :-

۱۔ حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر مَعْدِن کان، اصل اور مرکز کا لفظ استعمال فرمایا۔ درحقیقت یہ لفظ احادیث صحیحہ میں بھی اسی طرح مذکور اور ماثور ہے۔ جیسا کہ دلائل الخیرات کی تیسری حزب میں ان الفاظ سے دعا مذکور ہے :-

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَحْرِ اَنْوَارِكَ وَمَعْدِنِ اَسْرَارِكَ وَلِسَانِ حُجَّتِكَ وَعَرُوْسِ مَمْلَكَتِكَ وَاِمَامِ حَضْرَتِكَ وَطِرَازِ مُلْكِكَ الخ

کے معنی یہ ہیں کہ اُس نے زمین میں کھاد ڈالی۔ عَدَنَ عَدْنًا وَعَدُوْنًا بِالْمَکَانِ اقامت کرنا اور وطن بنالینا۔ اسی سے جَنّٰتُ عَدْنٍ قرآنِ کریم میں آیا ہے جس کے معنی دائمی باغات اور ہمیشہ رہنے کے مقامات۔

اَلدَّقَائِق : دقیقۃ کی جمع ہے۔ باریک اور نازک چیز کو کہتے ہیں۔ دَقَّ دِقَّۃً باریک ہونا، چھوٹا ہونا، دقیق دشوار ہونا۔ دَقَّ الْبَابَ کھٹکھٹانا۔ دَقَّ الشَّیْئَ بہت باریک کرنا، آٹا کرنا۔ دَقَّ فِی الْحِسَابِ وَغَیْرِہٖ باریک بینی سے کام لینا۔

آپ دَقَائِق کے ان ہم جنس الفاظ پر غور کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مصنف رضی اللّٰہُ عَنْہُ ہمیں تنبیہہ فرماتے ہیں کہ ایمان اور ایمان کی باریک نفع رساں چیزیں حاصل کرنا چاہتے ہو تو تب صرف حضرت رسالت پناہ ؐ کے بابِ عالی کو کھٹکھٹاؤ اور اسی کو دستک دو کہ جو کچھ ملیگا اُسی پرفیض وپُر برکات بارگاہ سے ملیگا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

اَلْاِیْمَانِیَّۃ :- ایمان کی طرف منسوب ہے جس کے معنی امن دینا اٰمَنَ بِہٖ تصدیق کرنا، اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا۔ اٰمَنَ لَہٗ کسی کا تابعدار اور مطیع ہونا، مان لینا، تصدیق کرنا۔

شریعتِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں ایمان کی پوری اور جامع تعریف یہ ہے جیسا کہ قاضی ناصر الدین بیضاوی رحمہُ اللّٰہ نے بیضاوی شریف میں لکھی ہے کہ اُن تمام چیزوں کی تصدیق کرنا جن کا تعلق بدیہی طور پر حضرت نبی کریم صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شریعتِ مطہرہ سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اسکے ازلی

و ابدی ہونا اور اسکے علیم و خبیر ہونے پر یقین کرنا۔ پیغمبروں، فرشتوں، یوم الآخرۃ پیغمبروں پر کُتب منزلہ، حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت پر مکمل ایمان و یقین رکھنا۔ اسی طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج و دیگر بدیہیات دین مان لینا اور ان سب چیزوں کو تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے[1]۔

پھر ایمانِ لغوی یعنی تصدیقِ قلبی، وہ ہمارے امام ہُمام حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک علی التحقیق لا یزید و لا ینقص کے درجہ میں ہے یعنی وہ بڑھتا اور گھٹتا نہیں ہے۔

لیکن ایمان شرعی باعتبار اپنے متعلقات و اعمالِ صالحہ کے بے شمار مراتب و درجات رکھتا ہے اور اُن تمام درجات و مراتب پر احاطہ کرنا کما حقّہا مشکل اور ناممکن ہے مگر یہ حقیقت بجائے خود مسلّم ہے کہ ایمان کے تمام درجات اور اس کے جملہ مراتب حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ ذی جود میں بطریقِ اَتم و اَکمل پائے جاتے ہیں کہ ایمان کا کوئی درجہ ایسا نہیں جو آپ کی معدنِ صدق و صفا میں نہ ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور ہدایات و تعلیمات شریفہ وہی قابلِ قبول اور واجب التعمیل ہیں جو آپ کی معدنِ عرفان سے جوڑ رکھتے ہوں جیسا کہ صحابۂ کرام، تابعین عظام، ائمۂ دین اور اولیاء

---

[1] اور تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں ایمانیات کے دائرہ کے اندر جتنی چیزیں ہیں اُن سب کا تصور بحاتِ نبوی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ کسی اور راہ سے آیا ہوا علم اس دائرہ میں نامقبول ہے ایمان کی کیفیت نفسی شک و ریب، تردد و تذبذب کی بالکل ضد ہے۔ ایمان سے اس کے برعکس دماغ کو سکون، دل کو اطمینان، روح کو تسلی نصیب ہوتی ہے۔ دُنیا کی تاریخ میں آج تک کسی صاحبِ ایمان کو خودکشی کرتے نہیں پایا گیا۔ ایمان کے بغیر دل میں بےکلی اور بے چینی ہی رہا کرتی ہے لیکن ایمان والے کو سخت سے سخت وقت میں بھی ڈھارس بندھی رہتی ہے کہ وہ بڑا سہارا اور مضبوط آسرا رکھتا ہے۔

ترجمہ : "اے اللہ ہمارے سردار حضرت نبی اکرمؐ پر نزولِ رحمت فرمائیے کہ یہ وہ پیغمبر ہیں جو آپ کے انوار کے سمندر، آپ کے رازوں کے کان، آپ کی روشن دلیل کی زبان وحی ترجمان، آپ کی سلطنت کے زینت، آپکی بارگاہِ ہدایت کے تمام خلائق کے لئے امام و پیشوا اور آپ کے مُلک کی زینت ہیں۔"

اس دُعا کی پوری فضیلت دلائل الخیرات کے شارحین رحمہم اللہ اجمعین نے لکھی ہے۔ ہمارا مقصد اس یاددہانی سے صرف اتنا ہے کہ حضرت قطبُ الاقطاب، پیرِ پیران رضی اللہ عنہ احادیث و آیاتِ کریمہ سے ایک ایک لفظ چُن چُن کر کبریتِ احمر میں درج فرماتے ہیں۔ اس لئے کبریتِ احمر کی عبارت حدِ اعجاز کے قریب اور بارگاہِ الٰہی میں مقبول و مُستجاب ہے۔

۲۔ ایمانِ شرعی گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی۔ یعنی وہ نقصان و کمال کیساتھ موصوف ہوتا ہے۔ جس قدر (دینی) ایمان کے لوازم و خصوصیات کا عامل و پابند ہوگا اسی قدر اُس کا ایمان بھی کامل ہوگا۔ جیسے تصدیق وحدانیتِ خدا، تصدیقِ رسالت پناہ، تصدیقِ آخرت، اعمالِ صالحہ کی پابندی اور محرمات و متشابہات سے اجتناب و پرہیز۔ اور جس قدر مومن ایمان کے تقاضا کے برخلاف عمل کریگا خاصکر خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کے بعد بھی حرام اور مُشتبہ چیزوں میں جتنی غوطہ زنی کریگا اُسی قدر اُس کا ایمان ضعیف اور کمزور ہوگا۔ یہی مقصد امام بُخاری رحمہ اللہ نے صحیح بُخاری کی کتابُ الایمان میں تفصیل سے بیان کیا جس سے امام موصوف رحمہ اللہ کا مقصد فرقۂ مرجیہ مُعتزلہ اور فرقۂ کرامیہ کی تردید کرنا مقصود ہے کہ جو گناہ کے مُرتکب کو اسلام سے خارج قرار دیتے یا ایمان کے ساتھ کسی گناہ کے ارتکاب کو مخالفِ ایمان قرار نہیں دیتے ہیں جسکی ہم اپنی جگہ اس شرح میں تفصیل کرینگے۔ کچھ کم علم لوگوں کا خیال ہے

کہ امام بخاریؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی ایمان شرعی جو عند اللہ معتبر اور مقبول ہے وہ نیک اعمال سے بڑھتا اور بُرے اعمال سے گھٹتا ہے۔ غرض ایمان شرعی یعنی تصدیق قلبی کے علاوہ اعمالِ صالحہ کے کرنے اور مناہی شرعیہ سے بچنے کا نام ہے۔ پس مومن کامل وہ ہے جو دقائق ایمانیہ سے واقف ہونے کی کوشش کرے۔ اور اپنے آپ کو اعتقاداً، عملاً و قولاً اُسی معدنِ حق سے اتّصال کی فکر میں رہے جس کی طرف حضرت شاہ جیلانیؒ نے اشارہ فرمایا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَمَنِ اتَّبَعَہٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

۳۔ ہاں امام بخاری اور حضرت امام ابو حنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا میں اس امر میں اختلاف ہے کہ رکاز و معدن دونوں ایک چیز ہیں یا دو الگ الگ اور جداگانہ چیزیں ہیں۔ پس معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ کے نزدیک ھِیَ دَفْنُ الْجَاھِلِیَّۃِ فَقَط کہ ان کے نزدیک رکاز صرف وہ مال ہے جو زمانۂ جاہلیت میں زیرِ زمین کیا گیا ہو وَالْمَعْدِنُ لَیْسَ بِرِکَازٍ عِنْدَہٗ۔ معدن (کان) ان کے نزدیک رکاز نہیں ہے۔ اور احناف کے نزدیک اَلْمَالُ الْمَدْفُوْنُ وَالْمَعْدِنُ جَمِیْعًا کہ رکاز کبھی مالِ مدفون اور کبھی معدن دونوں پہ اطلاق ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ اپنے دعوے پہ حدیث اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِی الرِّکَازِ الْخُمُسُ پیش فرماتے ہیں اور احناف کی دلیل یہ مشہور حدیث ہے جو مؤطا امام محمد ابن الحسن میں ہے کہ حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم نے فرمایا فِی الرِّکَازِ الْخُمُسُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الرِّکَازُ قَالَ الْمَالُ [illegible] خَلَقَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ [illegible] ض فی ہٰذِہِ الْمَعَادِنِ فَفِیْہَا الْخُمُسُ [illegible] رکاز وہ مال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان

و زمین پیدا کرتے وقت اِن کانوں میں رکھ دیا تو اُن سے سرکار کی طرف پانچواں حصّہ دینا ہے (جبکہ اسکی ملکیت خاصہ سے نمودار ہو جائے)۔

مجھے یہ کہنا نہیں کہ دونوں قولوں اور رایوں میں سے کونسا قول اور کونسی رائے اَقرب اِلی الحق ہے مگر اتنا عرض کروں گا کہ شارح امام کرمانیؒ امام بُخاری رحمۃ اللہ کے ہم خیال ہونے کے باوجود امام بُخاریؒ کے مناقصہ کو تعسّف قرار دیتے ہیں اور قاضی عیاض نے حنفی نہ ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتّفاق فرمایا۔ یہ تفصیل کی جگہ نہیں اور پھر شرح خواص ہی کے لئے نہیں اس لیئے ان غوامض پر بحث کرنا مُناسب نہیں اور جو کچھ ہم نے عرض کیا وہ صرف وَمَعَادِنِ الدَّقَائِقِ الْاِیْمَانِیَّۃِ کی مناسبت سے عرض کیا۔ وَالتَّفْصِیْلُ فِی شُرُوحِ الْبُخَارِیِّ فَرَاجِعْ اِلَیْہَا اِنْ کُنْتَ مِنَ الطَّالِبِیْنَ الصَّادِقِیْنَ۔

نکتہ: آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو مُعدن قرار دینے میں ایک خاص نُکتہ ہے وہ یہ ہے (اَللّٰہُ اَعْلَمُ) کہ کان بدلتی نہیں اور اسکی اصلیت برقرار رہتی ہے جیساکہ آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خود زبانِ وحی ترجمان سے فرمایا:۔

اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّہَبِ وَالْفِضَّۃِ خِیَارُہُمْ فِی الْجَاہِلِیَّۃِ خِیَارُہُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِہُوْا [1]

ترجمہ: "لوگ اصل، فطرت و طبیعت کے اعتبار سے کانیں ہیں جیساکہ سونا چاندی کی کانیں اختلافِ زمانہ سے متغیّر اور تبدیل نہیں ہوتیں۔ یہی مثال آدمیوں کی ہے کہ جو زمانۂ جاہلیت میں اپنی طبیعت کے اعتبار سے بہتر ہوگا وہ اسلام لانے کے بعد بھی بہتر ہوگا بشرطیکہ اسلام لانے کے بعد وہ دین میں فقاہت و درایت اور سمجھ پیدا کرے۔"

---

[1] مِنْ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ لِلدَّارِمِیْ وَغَیْرِہٖ مِنْ کُتُبِ الْحَدِیْثِ ۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس دین میں مرورِ زمانہ کے باوجود تبدیلی اور تغیر نہیں ہوگا بلکہ یہ دین ہمیشہ زندہ جاوید اور سدا بہار ثابت ہوگا۔ اور نہ آپکی ذاتِ مبارکہ میں تبدیلی ہے کیونکہ کان بدلتی نہیں۔

وَطُوْرِ تَجَلِّیَاتِ الْاِحْسَانِیَّۃِ

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے انوار کے کوہِ طور ہیں۔

بیئیہ چیچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خُدا تعالیٰ سُندہ بن انوارن ہندی کوہِ طور۔

التحقیق :-

اَلطُّوْر :- پہاڑ، مکان کے سامنے کا صحن، وہ چیز جو کسی خاص انداز پر ہو یا اُس کے مُقابل ہو۔ اَلطُّوْر ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے۔ اسی پہاڑ پر ربانی تجلیات اور انوارِ الٰہی کا پر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پڑا اور آیت فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا میں جَبَل سے مراد کوہِ طور ہے۔

تَجَلِّیَات : تجلّی کی جمع ہے، جس کے معنی روشنی کے آتے ہیں اور اس سے انوارِ الٰہی مراد ہیں۔ صوفیاءِ کرام کے نزدیک تجلّی سے مراد حقیقتِ امر کا ظہور ہے۔

اَلْاِحْسَانِیَّۃ : اِحسان کی طرف منسوب ہے، جسکے معنی نیکی کرنا، کوئی کام اچھی طرح سے کرنا کے آتے ہیں۔ اَحْسَنَ الشَّیْئَ اچھی طرح بایا اچھی طرح جانا۔ فلان یُحْسِنُ الْقِرَاءَۃَ فلاں اچھی طرح پڑھتا ہے۔ اَحْسَنَ اِلَیْہِ نیکی کرنا یا بھلا نیک سلوک کرنا۔ شریعت میں احسان بولکر اخلاص مُراد

لیتے ہیں جیساکہ حدیث جبریل میں آیا ہے کہ جبریل امین نے آنحضور صلی اللہ علیہ و سلم سے من جملہ اور امور کے یہ بھی دریافت کیا کہ مَا الْاِحْسَانُ؟ احسان کسے کہتے ہیں؛ تو حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کروگے گویا کہ تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو پس اگر تم اس مقام پر فائز نہیں ہوگے تو پھر کم سے کم یہ خیال رکھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے یعنی احسان ہے کہ حضرتِ حق کی بے ریا اور بن دکھاوے عبادت و بندگی کی جائے۔

اہلِ حقیقت کی اصطلاح میں احسان کے یہ معنیٰ ہیں کہ سالکِ راہِ حقیقت کے دل میں وجودِ حق کی حقیقت کا جلوہ پڑنا اور وجودِ حق کے انوار سے مست اور سرشار ہونا تجلّیاتِ احسانیہ کی نسبت آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ذاتِ اقدس کی طرف کرنا اور کوہِ طور کو آپ کے وجودِ باجود کے ساتھ معنوی طور پر تشبیہہ دینے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تجلّیات اور انوارِ الٰہی کے کوہِ طور ہیں کہ جس طرح کوہِ طور حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو ربّانی انوار و تجلّیات و برکات مُشاہدہ کرنے کے لئے ایک ذریعہ اور وسیلہ ثابت ہُوا اسی طرح ربّانی تجلّیات و برکات مُشاہدہ کرنے اور ان سے مُستفید و مستفیض ہونے کے لئے حضرت سیدالمرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قیامت میں ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ اور جو کچھ اللہ کیطرف سے عنایت اور عطا ہوگا وہ صرف آپ ہی کی اِتباع و پیروی اور آپ کی غُلامی اختیار کرنے سے ہی نصیب ہوگا۔ ؎

خلافِ پیمبر کسی رہ گزید ⁂ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور لفظ احسان بڑھا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلّیات حاصل ہونے کے لئے ایمان و اخلاص شرط ہے۔ صرف زبانی چیخ و پکار اور

Scanned with CamScanner

مکرو ریا سے آلودہ عبادت وصولِ حق اور قربِ ربانی کے لئے کافی نہیں۔

اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور پُرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انوار اور تجلّیاتِ الٰہی کے کوہِ طور رہیں جہاں ہر لحظہ انوار و تجلّیات ظاہر ہوتے ہیں اور وہ انوار آپ کے ہی واسطے سے باخُدا اور صالح بندوں میں تقسیم ہوتے ہیں جیسا کہ حدیثِ بُخاری اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعْطِیْ اُس کی طرف اشارہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ عنایت کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ حدیث کو اپنے عموم پر رکھنا زیادہ اَنْسَبْ اور اَحْوَطْ ہے۔

اس جُملہ کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا وجودِ باجود تمام کائنات کے لئے احسانِ عمیم اور فضلِ کریم ہے کہ ہر ہر آن لوگوں کو گمراہی سے نکال کر دعوتِ رُشد و ہدایت دیتے ہیں۔ فَھُوَ الْاٰنَ کَمَا کَانَ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

اَلتَّوْضِیْحُ الْمَرْبِیْ :- کوہِ طور کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فُرقانِ حمید میں متعدد مقامات اور آیاتِ بیّنات میں فرمایا۔ جیسا کہ سُورَۃُ الْمُؤمِنِیْن میں ارشاد ہے:-

" وَشَجَرَۃً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّھْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰکِلِیْنَ " (ترجمہ) " اور ہم نے تمہارے لئے وہ درخت زیتون پیدا کیا جو کوہ سینا سے نکلتا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام کا پہاڑ ہے، مِصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے کہتے ہیں کہ طوفان کے بعد پہلا درخت جو اُگا وہ یہی درخت تھا یعنی زیتون کا درخت جو اُگتا ہے روغن کے ساتھ اور روٹی کے ہمراہ کھانے والی چیز کے ساتھ (یعنی) درخت زیتون ایسی چیز کے ساتھ اُگتا ہے جس میں چکنائی بھی ہے اور روٹی سے کھانے والی چیز بھی ہے۔ اُسی تیل سے چراغ بھی جلائے جاسکتے ہیں اور اسی سے روٹی بھی کھاسکتے ہیں[1]۔ (پھر طرفہ یہ کہ اس میں محنت و مشقت کی ضرورت نہیں پڑتی)

[1] مزید مطالعہ کے لئے تفسیر قادری دیکھئے۔

تفسیر خازن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وَشَجَرَةً ، ای وأنشأنا لکم شَجَرَةً وھی الزّیتون تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَاءَ . ای مِنْ جَبَلٍ مُبَارَكٍ وقیلَ مِنْ جَبَلٍ حَسَنٍ قیل ھو بالنبطیۃ وقیل بالحبشیّۃ وقیل بالسّریانیّۃ ومعناہُ الجبلُ الملتفُّ بالاشجار وقیلَ کُلُّ جَبَلٍ فیہِ اَشجارٌ مُثمِرَۃٌ یُسمّٰی سیناءَ وسینینَ وقیل ھو من السّنا وھو الارتفاع و ھو الجبلُ الّذی منہُ نودی موسٰی بین مِصرَ واَیلۃَ وقیل ھو جبلُ فلسطینَ وقیل سیناءُ اسمُ حِجارۃٍ بعینِھا . اُضیفَ الجبلُ الیھا لوجودِھا عندہٗ وقیل ھو اسمُ المکان الّذی فیہ ھٰذا الجبلُ . تَنْبُتُ بِالدُّھْنِ ای تَنبُتُ وفیہ الدُّھنُ وقیل تَنْبُتُ بِثَمَرِ الدُّھنِ وَھُوَ الزَّیتُ . وَصِبْغٌ لِلْاٰکِلِیْنَ . الصِّبغُ الاِدامُ الّذی یکونُ مَعَ الخُبزِ ویُصبغُ بِہٖ جَعَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی فی ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ المُبارکۃِ اُدماً وھو الزّیتون ودُھناً وھو الزّیتُ وخُصَّ جَبَلُ الطُّوْرِ بالزّیتونِ لِاَنَّہٗ مِنہُ نَشأَ وقیلَ اِنَّ اَوّلَ شَجَرَۃٍ نَبَتَتْ بَعْدَ الطوفانِ الزّیتونُ وقیل انّھا تبقی فی الارض نحو ثلاثۃ آلاف سَنَۃٍ [1]

عبارتِ متقدمہ کا حاصلِ مطلب : "اور ہم نے تمہارے لئے درخت زیتون طور سینا سے پیدا کیا، طور سینا سے مراد برکت والا پہاڑ. بعض علماء نے طور سینا کے معنی "اچھا پہاڑ" مراد لیا ہے. بعض علماء فرماتے ہیں سینا اصل میں نبطی، بعض نے کہا حبشی اور بعض علماء نے فرمایا سریانی زبان کا لفظ ہے. طور سینا اُس پہاڑ

[1] ماخوذ من الخازن وغیرہ من التفاسیر المعتمدۃ المعقولۃ

کو کہتے ہیں جو گھنے درختوں سے لپٹا ہُوا ہو۔ اور بعض مفسّرین طورِ سینا و سینین سے وہ پہاڑ مُراد لیتے ہیں جس میں میوہ دار درخت ہوں۔ بعض عُلماء فرماتے ہیں سِینَاء سنا سے مشتق ہے جس کا معنیٰ رِفعت و بُلندی کے آتے ہیں اور یہ وہی پہاڑ ہے جہاں سے حضرت موسیٰؑ کو آواز دی گئی اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کیا۔ یہ مِصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا یہ خاص معیّن پتھر کا نام ہے جو اُس طورِ سینا کے قریب واقع ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سِیناء اُس جگہ کا نام ہے جس میں یہ پہاڑ ہے۔ بہرحال یہ پہاڑ تیل کو اُگاتا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ یہ تیل کے پھل کو اُگاتا ہے اور اس میں روٹی کھانے والوں کے لئے سالن بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بابرکت درخت میں سالن (زیتون) اور تیل بھی رکھا ہے جس کے بہترین فائدے ہیں۔ اور زیتون کو کوہِ طور کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ وہ دراصل اسی سے نمودار ہوا چنانچہ کہتے ہیں کہ طوفانِ نوح کے بعد جو درخت سب سے پہلے زمین میں اُگا، وہ یہی درختِ زیتون ہے اور یہ کہ زیتون تین ہزار سال تک باقی رہ سکتا ہے۔
(العِلمُ الاَتمّ عِندَ اللہ)

بہرحال اس سے اجمالاً کوہِ طور کی عظمت و فوائد ثابت ہوئے اور خاصکر اس میں یہ خصوصیت ہے کہ حضرت موسیٰ عَلَیہِ السّلام ربِّ جلیل سے ہمکلام ہوئے پس حضرت قطبُ الاقطاب رَضِیَ اللہُ عَنہُ نے اسی مناسبت سے آنحضور صَلّی اللہ عَلَیہِ وسلّم کو تجلّیاتِ احسانیہ کا کوہِ طور قرار دیا۔ ایک مسلمان کو جو بھی روحانی برکات و ثمرات حاصل ہونگے وہ اسی پیغمبر کے واسطہ اور آپ کی اتباع و پیروی سے حاصل ہونگے۔

کوہِ طور کی اسی عظمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور کی [illegible]

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ، وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ، وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ کی قسم فرمائی ہے کہ ان کے بے شمار فوائد و ثمرات ہیں۔ مجھے اس وقت یہ عرض کرنا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرقانِ حمید میں جو متعدد چیزوں کی قسم فرماتے ہیں اس سے ذاتِ باری تعالیٰ کا کیا مقصد ہے؛ البتہ آپ ابنِ قیمؒ کی اقسام القرآن کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں کہ اس سے آپ کی معلومات میں زبردست اضافہ ہوگا۔

اسی طرح سورۃ التّین میں بھی اللہ تعالیٰ طورِ سینین کی قسم فرماتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ۔ کوہِ طور کی اسی عظمت کی بنا پر حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے آنحضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو بطورِ استعارہ عوام النّاس کو سمجھانے کی خاطر انوارِ الٰہی کے حصول کے لئے کوہِ طور قرار دیتے ہیں۔ ورنہ شانِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم بہت بلند و بالا ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں طور بھی آپ کی عظمت کے مقابلہ میں پست اور کمتر ہیں۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ایک نکتہ:۔ کوہِ طور کے علاوہ بھی کچھ پہاڑ خدا تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قدر و احترام ہیں۔ جیسے کوہِ اُحد، لکّام اور لبنان۔ تو پھر حضرت مصنف رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ نے کوہِ طور ہی کیوں خاص کیا؟ اس کا صحیح جواب حضرت مصنف رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کی عبارت سے واضح ہوگا جو آپ رضی نے خود زبانِ ولایت غنیۃ الطالبین میں درج فرمائی۔ چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:۔

فَاللّٰهُ تَعَالٰى اخْتَارَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اَرْبَعَةً ثُمَّ اخْتَارَ مِنَ الْاَرْبَعَةِ وَاحِدًا۔ اِخْتَارَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اَرْبَعَةً جِبْرَائِيْلَ

اللہ تعالیٰ نے ہر جنس سے چار چار چیزیں منتخب کیں، پھر ان چار میں ایک کو باقی تین پر فضیلت و فوقیت دی۔ مثلاً فرشتے بے شمار ہیں، ان میں سے چار فرشتوں حضرت

وميكائيل واسرافيل وعزرائيل
ثم اختار منهم جبرائيل
واختار من الانبياء اربعة
ابراهيم وموسى وعيسى
ومحمدا صلى الله عليه و
سلم وعليهم اجمعين. ثم
اختار منهم محمدا صلى
الله عليه وسلم واختار من
الصحابة اربعة ابابكر و
عمر وعثمان وعليا ثم
اختار منهم ابابكر ومن
المساجد اربعة المسجد
الحرام والمسجد الاقصى
ومسجد المدينة المشرفة
ومسجد طور سيناء. ثم
اختار منهم المسجد الحرام
ومن الايام اربعة يوم الفطر
ويوم الاضحى ويوم عرفة
ويوم عاشوراء ثم اختار
منها يوم عرفة. ثم من
الليالي اربعة ليلة البراءة

جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل کو
باقی فرشتوں پر فوقیت دی اور پھر ان چار
میں سے جبرئیل امین علیہ السلام کو باقی تین فرشتوں
پر فضیلت دی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبیوں
میں سے چار حضرات کو منتخب فرمایا یعنی
حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور
حضرت محمد کو پھر ان چار میں سے حضرت محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کو باقی تین پیغمبروں پر فضیلت عطا
کی۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو باقی امتیوں
پر فضیلت دی اور صحابہ میں سے چار اصحاب یعنی
حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور
حضرت علی رضی اللہ عنہم کو فضیلت عطا کی،
پھر حضرت ابوبکر کو باقی تین اصحاب پر فوقیت
بخشی۔ مسجدوں میں سے اللہ تعالیٰ نے چار مسجدیں
منتخب کیں، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی
اور مسجد طور سینا۔ پھر ان میں سے مسجد حرام کو باقی
تین مساجد پر فوقیت دی۔ اسی طرح سال بھر کے
دنوں میں سے چار دنوں یوم الفطر، یوم الاضحیٰ
یوم عرفہ اور یوم عاشوراء کو پسند فرمایا ہے پھر
ان میں سے یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کو باقی تین
فضیلت دی۔ راتوں میں سے چار راتوں کو فضیلت

Scanned with CamScanner

وليلة القدر وليلة الجمعة
وليلة العيد ثمّ اختار منها
ليلة القدر۔ ومن
البقاع اربعة مكّة والمدينة
وبيت المقدس ومساجد
العشائر ثمّ اختار منها مكّة
ومن الجبال اربعة أُحد
وطورِ سيناء ولكام ولبنان
ثُمّ اختار منها طور سيناء
ومن الانهار اربعة جيحون
وسيحون والفرات والنيل
ثُمّ اختار منها فرات واختار
مِنَ الشهور اربعة رجب و
شعبان و رمضان والمحرم
واختار منها شعبان وجعله
شهرَ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم
فكذا انّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم
افضلُ الانبياء كذلك شهرهٗ
افضلُ الشهور[1]

(ماخوذ من غنية الطالبين)

دی یعنی شب برات، شب قدر، شب جمعہ اور عیدالفطر کی رات کو۔ پھر ان میں سے شب قدر کو باقی تین راتوں پر فضیلت دی۔ اسی طرح زمین کے خطوں میں سے چار خطے منتخب فرمائے یعنی مکہ شریف، مدینہ شریف، بیت المقدس اور محلوں کی مسجدیں پھر ان میں سے مکہ شریف کو فضیلت عطا فرمائی۔ پہاڑوں میں سے چار پہاڑ پسند کئے۔ کوہِ احد کوہِ طور سینا، کوہِ لکام اور کوہِ لبنان۔ پھر ان میں سے کوہِ طور کو باقی تین پہاڑوں پر فوقیت دی۔ اسی طرح نہروں میں سے چار بڑی نہروں یعنی دریاءِ جیحون، دریاءِ سیحون، دریائے فرات اور دریائے نیل کو فوقیت دی پھر فرات کو باقی تین پر برتری بخشی۔ مہینوں میں سے اللہ تعالیٰ نے چار مہینوں کو شرف بخشا، رجب، شعبان، رمضان اور محرم الحرام کو۔ پھر انہیں سے شعبان کو باقی تین پر فضیلت دی اور اسکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہینہ قرار دیا۔ چونکہ آنحضرت افضل الانبیاء ہیں اسی طرح آپکی طرف منسوب شدہ مہینہ بھی افضل الشہور (سارے مہینوں سے افضل) ہے۔

(انتہیٰ مافی غنیۃ الطالبین)

---

[1] میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے امت مرحومہ میں بہت سے مجددین پیدا فرمائے اُن میں (صفحہ آئندہ پر)

وَمَهْبِطِ الْأَسْرَارِ الرَّحْمَانِيَّةِ

اور آپ کا قلب مبارک پروردگارِ رحمٰن کے رازوں کی اترنے کی جگہ ہے۔

.بلیبہ تہ ہند دلِ مبارک چھ خداتعالیٰ سُند بن رسرن ہنز نازل سپدنچ جای.

التحقیق :-

مَهْبِطِ :- اس کا عطف اپنے ماقبل پر ہے اسلئے مجرور ہے۔

مَهْبِط، ھبوط سے نکلا ہے جس کا معنیٰ "اوپر سے نیچے اترنا" ہے۔ اور مَهْبِط بروزن مَضْرِب، ظرفِ مکان "نازل ہونے اور اترنے کی جگہ" یعنی قلب۔ قرآنِ کریم میں ہے قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا "اے آدم و حوا جنت سے نیچے اترو" اس هُبُوط سے ماخوذ ہے۔ هَبَطَ الثَّمَنُ قیمت گھٹنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ هَبَطَ مِنْ مَوْضِعٍ اِلَی، ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہوا۔ هَبَطَ مِنَ الْخَشْيَةِ اس نے خوف کی وجہ سے خاکساری کی۔ اور هَبَطَهُ الزَّمَانُ کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس کو زمانہ نے مفلوک الحال بنایا۔[۱]

اَلْاَسْرَار : سِرّ کی جمع ہے، بھید اور راز کو کہا جاتا ہے۔ صُدُوْرُ الْاَحْرَارِ قُبُوْرُ الْاَسْرَارِ کہ احرار کے سینے بھیدوں کی قبریں ہیں، اسی سے نکلا ہے۔ رَجُلٌ سِرِّيٌّ، کاموں کو پوشیدہ رکھنے والا مرد۔ اور اَلسِّرُّ ہر چیز کے جوف اور مغز کو کہتے ہیں، اسوقت اسکی جمع اَسِرَّۃ آتی ہے۔

(پیوستہ بگذشتہ) سے چار حضرات کو بلحاظ متبعین فضیلت دی۔ وہ چار صاحب یہ ہیں: حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو باقی تین اماموں پر فضیلت اور شرف عطا فرمایا۔ (بخاری)

[۱] کُلُّ ذٰلِکَ مِنَ الْمُنْجِد وَمِصْبَاح۔

Scanned with CamScanner

اَلرَّحمانیّہ:- رحمٰن کی طرف منسوب ہے۔ بہت رحم فرمانیوالا۔

یہ اسماءِ حسنیٰ میں سے اَللّٰہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے کہ مخلوقات پر وہی اللہ سب سے زیادہ مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ اسی سے اَلرَّحمُوت بڑی مہربانی کو کہتے ہیں۔ حضرات صوفیہ کے نزدیک اُس ذات کو کہتے ہیں جس کا علم تمام موجوداتِ علویہ و سفلیہ پر محیط اور شامل ہو۔ اسم ذات اَللّٰہ کے بعد الرّحمٰن ہی جامعیت کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی مناسبت سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں اللّٰہ کے بعد رحمٰن ہی ذکر کیا گیا ہے۔ اربابِ اجازت کے ہاں اس کے پڑھنے کے خاص طریقے ہیں جن کے ذکر کرنے کے لئے اس رسالہ میں گنجائش نہیں۔ باقی رحمٰن کی کچھ تحقیق بسم اللّٰہ کی بحث میں آ گئی۔

اس فقرہ کا خلاصہ اور حاصلِ مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس خاتم المرسلین شفیع المذنبین پروردگارِ رحمٰن کے اسرار کے نازل ہونے کی جگہ ہیں کہ تمام کائنات کے ضروری اور مناسب اسرار اور رازہائے سربستہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر نازل فرماتا ہے۔ حقیقت و معرفت، شریعت و طریقت کے اسرارِ کلیہ اور حِکَمِ خلقِ کائنات سے آپ کا سینہ معمور اور سرشار ہے اور آپ ہی کی کتاب اسرار و حِکَم سے صحابۂ کرام، اولیاءُ اللہ اور علماءِ ابرار کے مقدس قلوب معمور و منوّر ہوتے جائیں گے۔ جیسا کہ نظامی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شانِ عالیشان یہ ہے:- ؎ اُمّی گویا بزبانِ فصیح ❊ از الف آدم و میم مسیح

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور جس نے آپ کے بعد کسی قسم کی نبوّت کا دعویٰ کیا وہ بالاتفاق مرتد اور مستحقِ ملامت و توبیخ ہے۔ اُن کے ساتھ مناکحت کرنا یعنی انہیں نکاح دینا یا اُن کا نکاح لینا اور اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ سب حرام ہے۔ اس بارے میں سُستی

کرنے والا اور نرمی برتنے والا قابلِ سزا اور مُفتری فی الدّین ہے۔

بعض شُرّاح نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے اَسْرَار سے قرآنِ مجید مُراد ہو یا اس سے وہ خصُوصی راز مُراد ہوں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو شبِ معراج میں عطا فرمائے۔ میں کہتا ہوں اَسْرَار سے حروفِ مُقطّعات کا علم یقیناً بھی مُراد ہو سکتا ہے مگر جو اہم یہ ہے کہ حضرت قطب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے مُطلق اَسرار کا لفظ استعمال فرمایا لہٰذا اُسے اپنے عموم پر رکھنا ہی مُناسب اور زیبا ہے۔

التّحقیق :-

درج بالا سارے جُملوں میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ حضرت سیّدُ المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عالمِ برزخ میں زندہ ہیں اور یہ کہ آپ کو ہمارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ عَرضِ اعمال زندہ ہی کو کیا جا سکتا ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

جو کچھ میں نے عرض کیا اس میں تعجّب کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ حضرت مُصنّفؒ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اَشْرَفُ الْحَقَائِقِ الْاِنْسَانِیَّۃِ وَ مَعْدِنِ الدَّقَائِقِ الْاِیْمَانِیَّۃِ وَطُوْرِ تَجَلِّیَاتِ الْاِحْسَانِیَّۃِ وَمَهْبِطِ الْاَسْرَارِ الرَّحْمَانِیَّۃِ اوصافِ جمیلہ سے موصوف قرار دیتے ہیں۔ یہ وہ اوصافِ مُبارکہ ہیں جن سے بالاتفاق اب بھی اللہ کے مقدّس پیغمبر موصوف ہیں اور اب بھی آپ ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔ وجودِ صفت وجودِ موصوف پر دلالت کرتا ہے اور پھر یہ سب جُملۂ اسمیہ ہیں جو دوام پر دلالت کرتے ہیں۔ البتہ آخرت اور برزخ کی زندگی کی تفصیلی کیفیّت پر ہم بحث نہیں کر سکتے مگر اتنا ضرور کہیں گے جیسا کہ حُجّۃُ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ نے احیاء علوم الدّین میں فرمایا کہ برزخی زندگی دُنیوی زندگی سے زیادہ قوی ہے کیونکہ روح تقیید

نکل کر آزاد ہوتی ہے، جہاں چاہے وہاں جا سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں حیاتُ النبی ﷺ پر ہماری مفصل بحث عن قریب آ رہی ہے۔

وَاسِطَۃِ عِقْدِ النَّبِیّٖن

آپ نبیوں کے رشتۂ مروارید کے بڑے عمدہ اور خوشنما دانہ ہیں۔

حضورِ اقدس چہ نبیین منضمخۃ ہار کے منزم زنہ بڈی خوشما دانہ

الشّرح

وَاسِطَۃ:

درمیانی چیز، شدہ شے کہ جو دو چیزوں کے درمیان ربط و تعلق پیدا کرے۔

وَاسِطَۃ: مروارید کے رشتہ اور دھاگہ کو بھی کہتے ہیں اور اس بڑے موتی کو بھی کہا جاتا ہے جو مروارید کے درمیان نمایاں اور ممتاز ہو اور اسی بڑے موتی سے رشتۂ مروارید یا قیمتی ہار کی تکمیل اور زینت بڑھ جاتی ہے۔

عِقْد:

ہار اور رشتۂ مروارید کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع عُقُود آتی ہے۔ اِعْتَقَدَ الْمَالَ مال جمع کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اِعْتَقَدَ الْاَمْرَ، تصدیق کرنا۔ نہایت پختہ یقین رکھنا۔ دین بنانا۔ اِعْتَقَدَ النَّوٰی اس وقت کہتے ہیں جب گٹھلی سخت ہو جائے۔

النَّبِیّٖن:

اس میں الف لام اِستغراق حقیقی ہے کہ آپ تمام نبیوں کے رشتۂ مروارید کے قیمتی اور سب سے اعلیٰ دانہ ہیں۔ النَّبِیّٖن، النّبی کی جمع ہے۔ اس کا مادہ نَبَأٌ ہے نَبَأٌ کی جمع اَنْبَاءٌ آتی ہے۔ اَلنُّبُوْءَۃُ و النُّبُوَّۃُ اللہ تعالیٰ

کے الہام سے غیب کی بات بتانا پیشین گوئی کرنا، خدا کی طرف سے پیغامبری اور نبی کی تصغیر نُبَی آتی ہے۔ بہرحال نَبَأ و نَبُوءٌ بلند ہونے کے معنی میں آتا ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں نبی اُس پیغمبر کو کہتے ہیں جس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آ جائے عام ازیں کہ وہ کتاب جدید اور شریعت مستقلہ سے سرفراز ہو یا نہ اصل میں بات یہ ہے کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ انبیاء و مرسلین کے سلسلہ کو عظمت و بزرگی اور زینت و خوشنمائی میں مروارید کے رشتہ سے تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ رشتہ مروارید میں ایک دانہ بڑا اور بہت زیادہ خوشنما ہوتا ہے جس سے رشتہ مروارید اور قیمتی لعل و جواہر کے ہار کا حسن و جمال اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے اور اسی بڑے موتی سے ہار کی تکمیل ہوتی ہے اور اب اس میں کسی اور دانہ کے داخل کرنے یا اس سے کسی دانہ کو خارج کرنے کی گنجایش نہیں ہوتی اور اگر کوئی غلطی سے اس ہار میں مزید کسی دانہ کو داخل کرنے کی ناکام و ناتمام کوشش کرے تو اس وقت اس قیمتی تیار کیے ہوئے رشتۂ مروارید کے بکھرنے اور پراگندہ ہونے کا سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ پس سلسلۂ نبوت میں یہ خوشنما قیمتی اور ممتاز دانہ بالاتفاق حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے کہ آپ ہی کے وجود باجود سے نبوت و رسالت کا مقدس سلسلہ انتہا کو پہنچا اور یہ کہ سلسلۂ نبوت میں آپ کی مثال ایسی ہے جیسے رشتۂ مروارید کی خوب صورتی اور خوشنمائی اس کے بڑے اور ممتاز دانہ سے ہوتی ہے جس کو حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے واسطہ سے تعبیر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی یا رسول آنے کی کوئی گنجایش اور امکان نہیں ہے ورنہ رشتۂ نبوت کا ناقص اور نامکمل ہونا لازم آتا ہے۔ معاذ اللہ من ذٰلک۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ

دِینَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الاسلامَ دِیْنًا۔

فرمایا کہ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل اور پورا کر لیا یعنی نبوت و رسالت کا رشتہ مدار یہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا کیا اور تکمیل کے درجہ تک پہنچا دیا اور میں نے تم پر اپنی دینی نعمتیں پوری کیں کہ اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی فرد بشر پر وحی نازل نہیں کی جائے گی اور میں نے تمہارے لئے دینِ اسلام پسند کیا۔

چونکہ اس مقام پر ضمناً وحی کا ذکر آیا ہے اس لئے اجمالاً وحی کا معنی بھی سمجھ لیجئے۔ حضرت مولینا اکبر آبادی وحی کے لغوی اور اصطلاحی معنی اس طرح بیان کرتے ہیں:-

وحی کے لغوی اور اصطلاحی معنی:-

وحی کے معنی لغت میں الاشارۃ والکتابۃ والرسالۃ والکلام الخفی وکلّ ما القیتہٗ الیٰ غیرکَ۔

کہ وحی کے معنی لغت میں اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم کسی دوسرے کے خیال میں ڈالو۔ شریعت میں وحی کی تعریف یہ ہے کہ فرشتہ خدا کا پیغام لیکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا تھا اور آپ کے قلب مطہر پر اس پیغام الٰہی کا القا کرتا تھا[1]۔

اس لئے تمام علماء امت اور اولیاء باعظمت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، روحی لہٗ الفدا خَاتَمُ النَّبِیّٖن ہیں یعنی خدا تعالیٰ کے پیغمبروں میں آخری پیغمبر ہیں اور آپ کے بعد کسی نبی یا رسول کے آنے کی کوئی گنجایش اور امکان نہیں ہے۔ جیسا کہ ربانی ارشاد ہے:-

[1] دیکھو مزید مطالعہ کے لئے کتاب وحی الٰہی مؤلفہ حضرت الاستاد مولینا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہٗ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۔ [1]

کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ اور والد نہیں ہیں لیکن آپ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے بعد آئے ہیں اور اگر خاتم بمعنی مہر بھی لیا جائے تب اسکے معنے یہ ہونگے کہ آپ تمام نبیوں کی تصدیق و توثیق فرمانے والے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ مہر اور تصدیق آخر میں اور اختتام پر کی جاتی ہے۔ تب بھی حاصل مطلب یہی ہوگا کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا کہ رشتۂ مروارید کے خوشنما اور ممتاز دانہ سے رشتۂ مروارید کا ہار انتہا اور تکمیل کے درجہ تک پہنچ چکا ہے۔

صحیح مسلم باب ذکر کونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین میں متعدد روایتوں اور سندوں سے ثابت اور مبرہن ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة قال حدثنا عفان قال حدثنا سلیم بن حیان قال حدثنا سعید بن سناء عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی دارا فاتمها واکملها الا موضع لبنة فجعل الناس یدخلونها ویتعجبون منها ویقولون لولا موضع اللبنة قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانا موضع اللبنة جئت فختمت الانبیاء کلهم علیهم۔ (مسلم شریف وغیرہ)

---

[1] قال فی الخازن فان قلت قد کان له ابناء القاسم والطیب والطاهر وابراهیم وقال للحسن ان ابنی هذا سید۔ قلت قد خرجوا من حکم النفی بقوله من رجالکم وهؤلاء لم یبلغوا مبلغ الرجال وقیل المراد بالرجال الذین لم یلدهم۔
(خازن صفحہ ۲۱۸ جلد ۵)

(ترجمہ بحذف السند) حضور پُرنور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے ایک مکان بنایا تو اس نے وہ اچھی طرح اور پورے طور پر مکمل بنا مگر اس نے اس مکان میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رکھ دی یعنی خالی رکھی۔ اس کے بعد لوگ اس مکان میں داخل ہونے لگے اور مکان اور اس کی خوب صورتی دیکھ کر تعجب کرنے لگے اور دیکھنے والے کہنے لگے کہ اس مکان میں کوئی نقص اور کسی قسم کی خامی نہیں ہے مگر یہی کہ اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے، پھر حضرت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی زبان وحی ترجمان سے فرماتے ہیں کہ میں ہی قصرِ نبوت و رسالت کا وہ آخری اینٹ ہوں جس نے اس مکان کی خالی جگہ بند کر دی گئی اور کہیں نبی رسالت و پیغمبری کا سلسلہ ختم کر لیا۔ اور دوسری روایت میں آیا ہے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کہ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جب آپ کے بعد نبی نہیں آ سکتا تو رسول بطریق اولیٰ نہیں آ سکتا کیونکہ نبی بمقابلہ رسول مرتبہ اور رفعت میں کم ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ جب آپ کے بعد نبی نہیں آ سکتا تو رسول بطریقِ اولیٰ نہیں آ سکتا۔

نبی اور رسول میں فرق

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نبی اس پیغمبر کو کہتے ہیں جس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آجائے عام ازیں کہ وہ کتاب جدید اور شریعتِ مستقلہ سے سرفراز ہو یا نہ ہو اب آپ رسول کا معنی بھی سمجھ لیجئے۔ اس سلسلہ میں علم الکلام کی مشہور کتابوں مسامرہ اور مسایرہ میں رسول کی تعریف کا خلاصہ اس طرح ہے کہ رسول وہ انسان ہے کہ جس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آجائے اور نئی کتاب اور نئی شریعت سے بہرہ ور ہو اور یہ کہ اس کے ذریعہ سے پہلی کی شریعت منسوخ ہو جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی اور رسول ہم معنی ہیں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مگر صاحب مسایرہ علامہ کمال الدین محمد بن ہمام الدین عبد الواحد الشہیر بابن الھمام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرا قول صحیح نہیں حدیث کے مخالف ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اور رسول میں نمایاں فرق ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔ انّ رجلاً سألَ رسولَ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم عَن اَشیاءَ مِنہا عددُہُم و لفظ روایۃِ احمدَ رضی اللہُ عنہ فی مُسْنَدِہٖ قُلتُ یا نبیّ اللہِ کمْ عَدَدُ الانبیاءِ قال مائۃ الفٍ و اربعۃ و عشرون۔ الرُّسلُ مِن ذٰلِکَ ثلٰثمائۃ و خمسَ عشر و رواہُ الطبرانی فی المعجم الکبیر بلفظ و اربعۃ و عشرونَ الفًا و فی روایۃٍ کم کانتِ الرُّسلُ قال ثلٰثُ مائۃٍ و خمسۃَ عشرَ و لیتوجہ بتیہ سوالٌ عن عدد الانبیاء

خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے ایک صاحب نے چند باتیں دریافت کیں جن میں سے ایک بات یہ تھی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبروں کی مجموعی تعداد کیا تھی آپ نے فرمایا کہ کُل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے جن میں سے تین سو پندرہ رسول تھے۔ دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سائل نے بالاصالہ و بالذات مرسلین کی تعداد دریافت کی تو آپ نے صلّی اللہ علیہ وسلم تین سو پندرہ بتائے۔ یعنی اس روایت میں نبیوں کے متعلق کوئی سوال نہیں تھا۔ شرح عقائد نسفی میں بجائے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے دو لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہیں۔

شرح عقائد نسفی کی اصلی عبارت ملاحظہ ہو:-

لہ دیکھو مسامرہ اور مسایرہ اور علم العقائد کی دوسری کتابیں۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم سُئِلَ عَنْ اَعْدَادِ الْاَنْبِیَاءِ فَقَالَ مِأَۃُ اَلْفٍ وَ اَرْبَعٌ وَعِشْرُوْنَ اَلْفًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ مِأتَا وَاَرْبَعٌ وَعِشْرُوْنَ اَلْفًا کہ آپ سے نبیوں کی تعداد دریافت کی گئی تو ایک روایت کے مطابق آپ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار اور دوسری روایت کے موافق دو لاکھ چوبیس ہزار بتائی۔ حق تو یہ کہ نبیوں کی مجموعی تعداد پر کوئی آخری دلیل اور سند نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس طرح ایمان لانا چاہیئے کہ جتنے پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمَمِ سابقہ کی طرف لوگوں کی رہنمائی اور دینی دعوت کے لئے بھیجے گئے وہ سب کے سب حق پر تھے اور سب سچے تھے۔ اور اس بات پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ نبوّت و رسالت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور اُس کا سلسلہ حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر ختم ہوا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوّت و رسالت کے رِشتۂ مروارید کے سب سے بڑے پُرعظمت و پُرحشمت، خوشنما اور کامل و یکتا دانہ ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہٰذا جو کوئی بھی آپ کے بعد نبوّت یا رسالت کا دعویٰ کرے وہ باتّفاقِ عُلماءِ اُمّت مرتد اور واجب القتل ہے۔ خاصکر جبکہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، ایسی برزخی حیاتِ طیبہ رکھتے ہیں کہ جو ظاہری حیات سے بھی اعلیٰ و اکمل ہے۔ کما سَیَجِیْئُ عَنْ قَرِیْبٍ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ۔ چنانچہ اسی اہم عقیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود حضرت مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

کہ سابقہ پیغمبروں اور نبیوں کے آفتاب غروب ہو گئے لیکن ہمارا آفتاب تابان

آفتابِ نبوّت حضرت خاتم المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلم سارے جہاں کے اطراف و اکناف حتیٰ کہ آسمانوں کی بلندیوں پر ہمیشہ اور سدا بہار چمکے گا اور باقی رہیگا اس کی چمک دمک اور اس کی شان وشوکت اور رفعت وعظمت میں کبھی فرق اور کمی واقع نہیں ہوگی۔ وَلَنِعْمَ مَاقِیْلَ ؎

محمدؐ بادشاہِ دُنیا و دین ❊ امامُ المرسلین ختم النبیین

اور یہ بھی یاد رکھئے کہ جملہ پیغمبروں پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے اور جن پیغمبروں کا ذکر قرآنِ کریم یا صحیح احادیث مبارکہ میں آیا ہے اُن پر اور اُنکے واقعات پر جو نصِ قرآنی سے ثابت ہیں ایمان لانا فرض ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ وغیرہم مگر جن لوگوں کی پیغمبری کے متعلق قرآن وسنت میں نام تک نہیں ملتا ایسے لوگوں کو نبوّت اور رسالت کے رشتہ میں پرونا گناہ عظیم ہے یعنی یہ صحیح ہے کہ ہر آبادی کی طرف اللہ تعالیٰ نے ازمنۂ سابقہ میں کوئی نہ کوئی نبی ضرور بھیجا ہے جیسا کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ کہ کوئی قوم نہیں ہے کہ جس کی طرف ہم نے ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اس سے کسی شخص کو بلا تعیینِ شرعی اپنے زمانہ کا نبی قرار دیکر اسکے پیروؤں کو اہل کتاب قرار دینا خواہ وہ ہندوستان کے ہوں یا اور کسی ملک کے، یہ سینہ زوری اور زبردستی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یعنی اہلِ کتاب ماننے اور تسلیم کرنے اور ان پر اہلِ کتاب کے احکام جاری کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حضرت ختمیت مآب تاجدارِ عرب وعجم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی زبان وحی ترجمان سے اُن کی توثیق و تصدیق فرمائی ہو یہ وہ مقام ہے کہ جو جدّت پسند، وقت کے اجتہاد مآب حضرات کے لئے نہایت ناقابلِ برداشت ہے۔ باقی آیاتِ الٰہی کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر نا تفسیر بالرّای سے بھی بڑا گناہ ہے۔ فَافْہَمْ فَاِنَّہٗ تَبْیِیْنٌ جیّداً

البتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اصولِ توحید میں تمام پیغمبر ہم آہنگ اور ہم اعتقاد ہیں۔ البتہ زمانوں کے اختلاف سے ان کے احکام میں بھی اختلاف ہونا قدرتی امر ہے اور شرائع مَنْ قَبْلَنَا بھی اسی وقت تک حجّت و دلیل ہیں جب تک اُن کا ناسخ قرآن وسنّت میں موجود نہ ہو۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نبوّت کے رِشتۂ مروارید کے سب سے بڑے خوشنما موتی ہیں جس نے اس ہار کی زینت وعظمت دوبالا فرمائی۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم

ہو سکتا ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو واسِطَۃِ عِقْدِ النّبیّین قرار دینے سے یہ مطلب ہو کہ اصل مقصود آپ ہی ہیں اور باقی نبیوں کو جو کچھ ملا اور عطا ہوا ہے وہ آپ ہی کے طفیل سے ہوا ہے۔ کما قال العلّامۃ البوصیری فی البردۃ رحمۃ اللہ ؎

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا ... فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ
فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا ... يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

ترجمہ: سابقہ انبیاءِ کرام جس قدر بھی معجزات لائے ہیں تو وہ آپ ہی کے نورِ مقدس سے ملنے اور پیوستہ ہوتے ہیں کیونکہ آپؐ اُنکے بمقابلہ فضل وشرف میں وہ درجہ رکھتے ہیں جو آفتاب کو دوسرے ستاروں پر ہے اور وہ ستارے اسی آفتاب عالمتاب کا نورِ معلیٰ جہالت کی تاریکی میں لوگوں کو دکھاتے ہیں۔ حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ پر غور کرنے سے یہ معنیٰ سمجھ میں آسکتا ہے۔ بایں ہمہ یہ بھی ضروری ہے کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مدح وستایش اس طرح کرنی چاہیئے کہ جس سے حضرات انبیاء کی حقیقی عظمت میں فرق نہ آنے پائے اور نہ تعریف اس طرح ہونی چاہیئے کہ جس سے اُنکی مدح کا کوئی پہلو نکل آئے جو انکی عظمت کے برخلاف ہو کیونکہ ایسی مدح عند اللہ قابلِ قبول نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

ہوسکتا ہے کہ آپ کو واسِطۃِ عِقدِ النَّبِیّین قرار دینے سے اس بات پر تنبیہہ کرنا مقصود ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سلسلۂ نبوت کے سب سے بڑے موتی ہیں جس سے اس قیمتی اور معنوی ہار کی عظمت بڑھ گئی کہ انبیاء سابقین میں جتنے کمالات معنویہ تھے وہ سب کے سب ہمارے پیغمبر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے ہیں بلکہ آپ کمالاتِ معنویہ میں سب سے اعلیٰ اور سب سے اعظم ہیں۔ کما قیل ہے

خطِ سبز و لبِ لعل و رُخِ زیبا داری ❊ حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری

شیوۂ شکل و شمائل حرکات و سکنات ❊ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہاں پر ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے ہیں کہ نبوت از قبیلۂ کلی متواطی ہے لیکن درجات و متعلقات کے لحاظ سے کلی مُشکّک ہے۔ ہم اسی جملہ پر یہ بحث ختم کرتے ہیں۔ "در خانہ اگر کسی ہست اور ایک اشارہ بس"۔

اس ساری عبارت کا لُبِّ لُباب اور حاصلِ معنی یہ ہے کہ بندوں کو خدا تعالیٰ تک پہنچانے والے اور خالقِ کائنات سے ملانے والے صرف انبیاء کرام ہیں۔ اُنکے سلسلے کا آغاز حضرت آدم سے اور انتہا حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے۔ اس مقدس سلسلہ اور پاک رشتۂ گوہر دار یہ کا سب سے بڑا اور نمایاں موتی جس نے اس ہار کو چار چاند لگائے وہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چونکہ سابقہ پیغمبروں کے انوار و برکات آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات سے مُستفید ہیں۔ اس لئے آپ کو حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے واسِطۃِ عِقدِ النَّبِیّین سے تعبیر فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ رضاءِ الٰہی اور قربِ ربانی حاصل کرنے کا ذریعہ اور واسطہ صرف حضرت سید المرسلین ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا دینِ مقدس ہے۔ یہ اُسی وقت ممکن ہوگا جبکہ آپکی نبوت و رسالت تا قیامت مانی جائے گی اور آپ کے دین کا محور وحی الٰہی یعنی قرآن مجید ہے

جس کے اصول کی تشریح آپ نے اپنے عمل و ارشادات سے کی اور اُسی کے مُطابق صحابۂ کرام، تابعینِ عظام، تبع تابعین، مُحدّثین و مُسلّمہ مفسّرین خاصکر ائمۂ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رض، حضرت امام مالک رض، حضرت امام شافعی رض، حضرت امام احمد بن حنبل رض اور انکے پَیرو جن میں علماءِ ابرار، اَتقیا و اخیار اور انکے متّبعین اور پیرو شامل ہیں۔ ان ہی کو اہلِ سنّت والجماعت کہتے ہیں۔ جو مسلمان اس جماعت کے ساتھ والبستہ ہے درحقیقت وہی مُسلمان قرآنِ کریم کی ان دو آیتوں کا مصداق ہے

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○[1]

ترجمہ: دین میں زبردستی نہیں ہے کیونکہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ پس جو شخص شیطان کا کُفر کرے اور خدا تعالیٰ پر ایمان لائے یعنی اسلام قبول کرے تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جسکی شکستگی کبھی نہیں ہو سکتی اور اللہ خوب سُننے والے خوب جاننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا ساتھی ہے کہ وہ اُنکو کفر کی تاریکیوں سے نکالکر نورِ اسلام کی طرف لے آتا ہے اور کافروں کے ساتھی شیاطین ہیں جو اُنہیں نورِ اسلام سے کُفر کی طرف لیجاتے ہیں۔ ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ دو آیتیں اس جگہ پیش کرنے سے یہ مطلب ہے کہ ایمان اور اسلام وہ

[1] یہ آیات سورۂ بقرہ اور پارۂ تلک الرُّسُل کی ہیں ؛

مقبول بارگاہِ الٰہی ہے جو سلف صالحین کی دینی تعلیمات کے مُطابق ہو اور جو لوگ سلفِ صالحین سے خود بھی بدگمان ہیں اور عوام کو بھی اُن سے بدگمان بناتے ہیں اُن کا ایمان عنداللہ مُعتبر اور مقبول نہیں ہے

وَمُقَدَّمِ جَيْشِ الْمُرْسَلِيْنَ

اور آپؐ پیغمبروں کے لشکر کے پیشرو ہیں۔

بیا چہ تِم مُرسلینَن ہاشِز لشکرِ ہِندی۔ بَروشٹھ اُنہ یہ آمِتی۔

اس کا عطف وَاسِطَةِ پر ہے اس لئے مجرور ہے۔

مُقَدَّمِ باب تفعیل کا اسم مفعول ہے۔ قَدَّمَ الْقَوْمَ سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں قوم سے سابق ہونا، آگے ہونا۔ قَدَّمَهٗ آگے کرنا۔ قَدَّمَ يَمِيْنًا قسم کھانا۔ قَدَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ آگے بڑھنا۔ قَدَّمَ اِلَيْهِ بِكَذَا۔ حکم دینا۔ قَدَّمَهٗ اِلَى الْحَائِطِ قریب کرنا

الْمُرْسَلِيْنَ مُرْسَلْ کی جمع ہے۔ مُرْسَلْ باب تفعیل کا اسم مفعول ہے۔ مُرسَل اور رسول کا معنٰی ہے "اللہ تعالٰی کی طرف سے بھیجا ہوا۔" یہ شریعت میں اس کے معنے ہیں ورنہ لغت کے اعتبار سے رسول مُطلق "بھیجے ہوئے" کو کہتے ہیں۔ مُرْسَلْ کی جمع مُرسَلْ۔ اَرْسُلْ رُسُلَاءُ آتی ہے۔ شریعت میں رسول کی مکمل تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ "وہ انسان جسے اللہ تعالٰی اپنی وحی سے سرفراز فرمائے اور نئی کتاب دنئی شریعت سے بہرہ مند بنائے خواہ اُس سے سابق شریعت منسوخ ہو جائے یا نہ چونکہ اسکی کچھ تحقیق سابق جملہ میں آئی ہے اس لئے مزید تشریح و توضیح کی گنجایش نہیں ہے کہ یہ مختصر شرح ہے۔

Scanned with CamScanner

اَلْجَیْش: لشکر کو کہتے ہیں۔ اسکی جمع جیوش آتی ہے۔ اَلْجَیش ایک قسم کی لمبی نباتات کا نام ہے۔ اَلْجَیفَر قوی شیر، جیفل ماہِ ذی قعدہ کا نام ہے۔ یہ جُملہ بظاہر ترقی مِنَ الادنیٰ اِلی الاعلیٰ کے قبیلہ سے ہے یعنی اس سے سابق جُملہ میں حضرت مُصنّف رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سِلسلۂ نبوّت کے رشتۂ مروارید کا سب سے بڑا اور ممتاز دانہ قرار دیا اور اس جملہ میں فرماتے ہیں کہ آپ کا مرتبہ اس سے بھی بُلند و بالا ہے کہ معنوی طور پر آپ ہی سِلسلۂ نبوّت کے اوّلین اور پہلے موتی ہیں۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ تو اس صورت میں یہ جُملہ حدیثِ کُنْتُ نَبِیًّا وَ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَ الطِّیْنِ کیطرف اشارہ ہوگا کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں میں اُسوقت بھی نبی تھا جبکہ ابھی آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ ہی میں تھے۔ اسی طرح دوسری احادیث میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ تاریخ خمیس و معالم التنزیل میں ہے کَانَ اٰدَمُ یَسْمَعُ مِنْ غَطِیْطِ اَسَارِیْرِ وَجْهِهٖ نَشِیْشًا فَقَالَ یَارَبِّ مَاهٰذَا فَنُوْدِیَ یَا اٰدَمُ هٰذَا تَسْبِیْحُ وَلَدِكَ سَیَكُوْنُ وَلَدًا لَكَ وَاَنْتَ لَهٗ وَالِدًا فَنِعْمَ الْوَالِدُ وَنِعْمَ الْمَوْلُوْدُ۔

ترجمہ: حضرت آدم ہمیشہ اپنی پیشانی کے خطوط سے ایک باریک آواز سُنتے تھے۔ ایک دن حضرت آدم علیہ السّلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی یہ آواز کیسی ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ (حضرت) محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تسبیح کی آواز ہے۔ جو آپ کا فرزند ہوگا اور آپ اُنکے والِد ہونگے۔ کیا کہنے اس باپ کے جن کا ایسا مُبارک فرزند ہو۔

اسی طرح تاریخ الخمیس اور مواہب لدُنیہ میں ہے کہ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ

اٰدَمَ جَعَلَ ذٰلِكَ النُّوْرَ فِيْ ظَهْرِهٖ فَكَانَ يَلْمَعُ فِيْ جَبِيْنِهٖ فَيَغْلِبُ سَائِرَ نُوْرِهٖ "کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر آدم علیہ السلام کی پُشت میں آپ کا مُقدّس نور امانت رکھا تو وہ نورِ مقدّس آدم علیہ السّلام کی پیشانی سے سورج کی شعاعوں کی طرح چمکتا اور آدم علیہ السلام کے نور پر غالب آتا تھا۔" اور پھر انبیاء کرام سے اُن حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق عہد و پیمان لیا گیا کہ اگر وہ تمہارے زمانہ میں تشریف فرما ہونگے تو تم اُن پر ضرور ایمان لانا اور آپکی مدد کرنا۔ جیسا کہ آیتِ بُلند پایہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الخ سے ظاہر ہے۔ اس قسم کی آیات و احادیث سامنے رکھ کر اُن حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تقدّمِ شرفی واضح ہے۔ اسلئے حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے آپکی تعریف میں وَمُقَدَّمِ جَيْشِ الْمُرْسَلِيْنَ فرمایا۔

فلاسفۂ قدیم نے تقدّم (آگے ہونے) کی پانچ قسمیں کی ہیں:۔

تقدّم کی پانچ قسمیں

(۱) تقدُّمِ ذاتی (۲) تقدُّمِ زمانی (۳) تقدُّمِ ترتیبی (۴) تقدُّمِ شرفی وغیرہ۔

ایک ضروری سوال

ہماری اس تقریر پر یہ اعتراض ضرور ہوگا کہ جب اُن حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم تقدُّمِ ذاتی یا تقدُّمِ شرفی سے بہرہ ور ہیں تو پھر آپکو سب پیغمبروں کے بعد لانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب:۔ آنجناب صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سب پیغمبروں کے بعد لانے میں یہ حکمت ہے کہ انبیاء کرام اور مُرسلین عِظام آپکی تشریف آوری سے پہلے آپکا تعارف کرائینگے اور آپکا تقدُّمِ شرفی اپنی اپنی اُمّت پر واضح کرینگے تاکہ عوام و خواص بندگانِ خدا کے دلوں پر اس مقدّس پیغمبر کی عظمت و محبّت اور شان و شوکت

غالب آئے گی۔ قاعدہ بھی یہی ہے کہ جب بادشاہ کو کہیں جانا ہوتا ہے تو پہلے اُسکے وُزراء اور اُسکے مُقرّبین اُنکے لیئے اِنتظام فرماتے ہیں تاکہ اس طریق کار سے اللہ کے بندوں پہ بادشاہ کی عظمت ظاہر ہو جائے۔ اس سے سب جانتے ہیں کہ بادشاہ ہی اس مجلس کا مقصود و مطلوب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھ لیجئے کہ حضرت واجب الوجود کا پرتَو جب عالَمِ امکان پر پڑا تو وہ سب سے پہلے اسی نورِ مقدّس کی صورت میں ظہور پذیر ہُوا۔ یہ خدا تعالیٰ کی دین اور عنایت ہے۔ اس مقام پر فلسفیوں کا فلسفہ کارآمد نہیں ہے۔ ہاں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ کافی اور شافی ہے۔

پیغمبروں کی جماعت کو لشکر سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت مُضمر ہے کہ لشکر مُلک کی حفاظت اور سلطنت کا امن و امان قائم رکھنے اور بیرونی حملوں سے بچانے کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاءِ کرام اور مُرسلین عظام بھی ملکِ خدا کی حفاظت، امن و امان کے قیام اور شرک و کُفر، فِسق و فجور اور بُرے اخلاق و عادات سے (جو بمنزلۂ بیرونی حملہ کے ہیں) نجات اور خلاصی دینے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ جیساکہ آیت یا داؤدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً الخ اور اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً سے ظاہر و باہر ہے۔ پیغمبروں کی جماعت کو لشکر سے تعبیر کرنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ لشکر بادشاہ کے حکم کے تابع ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاءِ کرام بھی اس نورِ مقدّس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تابع ہے اور اس سارے مقدّس گروہ سے وہی ذاتِ اقدس مقصود و مطلوب ہے جس کو حضرت مُصنّف رضی اللہ عنہ نے سابقہ جملہ میں وَاسِطَة اور دُرَّةُ التَّاج سے تعبیر فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ جُملۂ وَ مُقَدَّمِ جَيْشِ الْمُرْسَلِيْنَ میں شبِ معراج کے واقعہ

کی طرف لطیف اور باریک اشارہ ہو کہ مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھتے وقت آپ ہی مقدم کیے گئے اور امام بنائے گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

رہا یہ امر کہ آپ مرتبہ کے لحاظ سے سب سے مُقدم اور ظاہری طور پر سب پیغمبروں کے بعد تشریف لانے والے ہیں۔ تو ایسا کیوں ہے؟ اس سلسلہ میں حضرت نظامی رحمۃ اللہ نے ان ابیات میں خوب وضاحت کر کے صحیح مقصد کی طرف رہبری فرمائی اور اس کی حکمت بیان کی ہے۔ فجزاہُ اللہ اَحسنَ الجزاء۔

ابیات یہ ہیں ؎

۱۔ تختۂ اوّل کہ الف نقش بست — بر درِ محجوبۂ احمد نشست[1]
۲۔ حلقۂ حا را کالف اقلیم داد — طوق زِ دال و کمر از میم داد
۳۔ لاجرم او یافت ازاں میم و دال — دائرۂ دولت و خطِ کمال
۴۔ بود دریں گنبدِ فیروزہ خشت — تازہ ترنجے ز ریاضِ بہشت
۵۔ رسم ترنجست کہ در روزگار — پیش دہد میوہ پس آرد بہار
۶۔ کُنتُ نبیًّا کہ علم پیش بُرد — ختمِ نبوت بہ محمدؐ سپُرد
۷۔ مہ کہ نگین داں زبرجد شدہ — خاتمِ او مہرِ محمدؐ شدہ
۸۔ گوشِ جہاں حلقہ کشِ میم اوست — خود دو جہاں حلقۂ تسلیم اوست
۹۔ خواجۂ مُسّاحِ مسیحش غلام — اَنتَ بشیر انتَ مُبشّر بنام
۱۰۔ اُمّی گویا بزبانِ فصیح — از الفِ آدم و میمِ مسیح
۱۱۔ چوں الف او راست بعہد و وفا — اوّل و آخر شدہ بر انبیاء

شعرِ اوّل میں "بر درِ محجوبۂ احمد نشست" کے بہت سے معنے ہیں جن میں سے آسان معنیٰ وہ ہے جو محشی مخزنِ اسرار نظامی نے بیان فرمایا ہے۔

[1] اس شعر کی بہترین تشریح مخزنِ اسرار کے محشی نے فرمائی ہے۔ دیکھو حاشیہ مخزنِ اسرار صفحہ ۹

وہ یہ ہے کہ محبوب سے پنہاں و پوشیدہ مراد لیا جائے جس سے حقیقتِ محمدی و مرتبۂ سابقۂ احمدی صلی اللہ علیہ وسلّم مطلوب ہے جس سے افہام اقوامِ انسانی غافل اور بے بہرہ تھے۔ یا یہ کہ سب سے پہلے تجلیاتِ حق سے جو تعیّن ہوا وہ بصورتِ ذاتِ قدسی صفاتِ حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم نمودار ہوا۔

وَ اَفْضَلِ الْخَلَائِقِ اَجْمَعِیْن

اور آپ کمالاتِ عالیہ اور اوصافِ کریمہ میں تمام مخلوقات سے برتر اور بہتر ہیں۔

بلیبہ چہ تم تھدہن کمالاتُن تہ رتمین صفتن منز سارِوے مخلوقاتو خوتہ برتر تہ زیادہ کھست۔

اَفْضَلِ کا عطف اپنے ماقبل جملہ پر ہے جسکی وجہ سے یہ مجرور ہے یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ زاید ہونا اور باقی رہنا آتا ہے۔ اس کی جمع حالتِ رفعی میں اَفْضَلُوْن اور حالتِ نصب و جر میں اَفْضَلِیْن آتی ہے اور اَفْضَلُ کی جمعِ مذکر اَفَاضِلُ بھی آتی ہے اور یہ باب نَصَرَ وَ سَمِعَ سے بولا جاتا ہے اور اس کا مادہ فضل ہے۔ فَضِلَ و فَضُلَ صاحبِ فضیلت ہونا۔ تَفَضَّلَ عَلَیْہِ مہربانی کرنا۔ مؤنث کے لئے فَاضِلَۃٌ صاحبِ فضیلت عورت۔ اس کی جمع فَوَاضِل اور فَاضِلات آتی ہے۔

اَلْخَلَائِق خَلِیْقَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنے طبیعت کے آتے ہیں۔ مخلوق اُس کنوئیں کو بھی کہا جاتا ہے جو کھودا جا رہا ہو۔ اس کا اصل خَلَقَ ہے جس کا معنے پیدا کرنا، عدم سے وجود میں لانا۔ اَلْاَخْلَقُ زیادہ لائق، چکنا، فقیر۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے اسکی مؤنث خَلْقَاءُ آتی ہے۔

Scanned with CamScanner

تَخَلَّقَ خُلُوْق ہے خوشبودار رہنا۔ تَخَلَّقَ بِغَیْرِ خُلُقِہٖ بناوٹ سے اخلاق ظاہر کرنا۔ المُتَخَلِّق کامل و معتدل اخلاق رکھنے والا۔ اِخْلَوْلَقَ الثَّوْبُ کپڑا بوسیدہ ہونا۔

ہم نے اس سے پہلے عرض کیا ہے کہ اَشْرَف اور اَفْضَل میں کچھ باریک فرق ہے وہ یہ ہے کہ اَشرف وہ ہے جو ایجاد میں مَبْدأ فیّاض کے قریب ہو اور افضل وہ ہے کہ جو کمالاتِ عالیہ اور اوصافِ قدسیہ میں جامع اور کامل ہو۔ پس حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ آپ کا وَصف اَشْرَف اور دوسری جگہ افضل لایا یہ اس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حضرت سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم ایجاد کے اعتبار سے سب سے زیادہ مبدأ فیّاض ربّ العالمین کے قریب تر ہیں کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ اس پر گواہ اور شاہدِ عدل ہے اور اس مقام پر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جامعیت و کاملیت کی طرف دیکھ کر آپ کو تمام مخلوقات سے افضل قرار دیا۔ آپ کی اسی اشرفیت و افضلیت کا لحاظ رکھتے ہوئے صاحبِ قصیدہ بُردہ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ نے آپکی تعریف میں فرمایا۔

فَاقَ النَّبِیّٖنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ ؎
وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٖ

کہ آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی پیدائش اور اپنے اخلاقِ شریفہ کے لحاظ سے تمام پیغمبروں پر سبقت کر گئے اور سب سے بڑھ گئے۔ اور باقی پیغمبر نہ تو علم و ادراک ہی میں آپ کے قریب ہوئے اور نہ جود و سخا اور باقی اخلاقِ عالیہ میں آپکے برابر ٹھہرے۔

علامہ بوصیری رحمہ اللہ اسی قصیدۂ بُردہ میں فرماتے ہیں ؎

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ
فَجَوْہَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

Scanned with CamScanner

کہ آپ اپنی خوبیوں میں شرکتِ تامہ سے منزّہ اور بہت پاک ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے حُسن و کمال اور جمال و جلال کا اصل وجہ ہر کسی دوسرے پیغمبر کو من وعن نہیں دیا گیا۔

اس مقام پر ہم نے حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ کا جو ذکر کیا ہے تو اس کے متعلق مزید عرض یہ ہے کہ دوسری روایت میں اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَکُلُّ شَیْئٍ مِنْ نُوْرِیْ آیا ہے۔ یعنی "میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے ہے"۔ بعض روایات میں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ آیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ تیسری حدیث میں آیا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا۔ علماءِ اسلام نے تینوں حدیثوں کو اس طرح تطبیق دی ہے کہ عالم متعدد ہیں جن میں عالمِ اجسام، عالمِ امر اور عالمِ مجرّدات خصوصی درجہ رکھتے ہیں کہ عالمِ اجسام میں سب سے پہلے قلم، عالمِ مجرّدات میں سب سے پہلے عقل اور عالمِ امر میں سب سے پہلے نورِ سیدِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیا گیا۔ یہاں تک علماءِ ربانیین اور عارفین و کاملین نے حقیقتِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتِ باری کا تجلّی اوّل اور تعیّن اول قرار دیا ہے اس پر اور بھی قرائن ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ کہ تمہارے پاس اللہ کا نور اور کھلی کتاب آئی ہے۔ آپ کو نور سے ملقب کرنے کی یہ وجہ فرمائی گئی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نورِ محمّدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور اُس سے باقی مخلوقات کو تو اس اعتبار سے آپ کا وَمُقَدَّمِ جَیْشِ الْمُرْسَلِیْنَ ہونا ظاہر اور روشن ہے، جیسا کہ شرح نقش الفصوص میں لکھا ہے کہ اصل مقصودِ عالَم خَلق حضرت

سیّدالمرسلین ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور بعض علماء اسلام نے احادیث مذکورہ میں اس طرح تطبیق دی ہے،

اوّلیتِ حقیقی نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور عقل وقلم کو اوّلیتِ اِضافی حاصل ہے۔ یہ سب خلاصہ ہے تفسیر بحرالعلوم امام نجم الدین عمر نسفی اور مِرْصَادُ العِبَاد شیخ نجم الدین رازی کے فرمودات وارشادات کا[1]۔ پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدّم دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر تقدّم ذاتی تقدّم زمانی اور تقدّم شرفی بغیر کسی تصنّع و تکلّف ہو سکتا ہے اس سے آپکی عظمت و رفعت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ افسوس اور صد افسوس ہے اُن نام کے مسلمانوں پر جو ناسمجھی سے مسلمانوں کے دِلوں سے یہ عظمت نکالتے ہیں اور آپکے واجبی احترام ومحبّت کو شرک قرار دیتے ہیں مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

حالانکہ علماءِ اسلام نے عموماً اور خصوصیت کے ساتھ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے شفاء شریف میں پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وعزّت وِصال بالحق کے ساتھ اسی طرح ثابت اور برقرار ہے کہ جس طرح آپکی ظاہری اور صُوری حیاتِ مقدّسہ میں قائم تھی اور آپ کے وِصال سے اسمیں ذرّہ برابر فرق نہیں آیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب کبھی عاشقِ صادق کے دل میں آپ یاد آتے ہیں تو وہ بے ساختہ اور بے تکلّف آپکا ذکرِ مبارک اس طرح کرتا ہے:-

مَن شمعِ جاں گدازم و تو صُبحِ دل کُشائی
میرم گرت نہ بینم سوزم چو رُخ نمائی

---

[1] کُلُّ ذٰلِکَ لَخَّصْنَا مِنْ کِتَابِ تَقْوِیَۃِ الْقُلُوبِ فِیْ ذِکْرِ الْمَحْبُوبِ وَ تَرَکْنَا اکْثَرَہٗ مِمَّا ذَکَرْنَا۔ مذکورہ تینوں حدیثیں متعدد طرق سے ثابت ہیں اور قرائن وشواہد سے مؤیّد ہیں لہٰذا انکے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ؛

ARABIC COLLEGE LIBRARY E 872 Price

Scanned with CamScanner

نزدیک آں چُنانم دور آں چنانکہ گفتم
نَے تابِ وصل دارم و نَے طاقتِ جُدائی

ترجمہ:۔ یا رسولَ اللّٰہ (صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) میں آپ کے عشق و محبّت میں اِس طرح پِگھل رہا ہوں جس طرح شمع شعلہ کی حرارت سے پِگھل جاتی ہے کیونکہ آپ ہی کا وجودِ باجُود میرے دل کے لئے فرحت و مسرّت کا سامان ہے مگر افسوس عشق و محبت کا یہ عالَم ہے کہ اگر آپ کے جمالِ جہاں آراء سے فیض یاب ہو جاؤں تو اُسی وقت فنا ہو جاؤں گا لیکن کمزور اتنا ہوں کہ اگر آپ کے چہرۂ انور کو دیکھوں تو پروانہ کی طرح جَل کر راکھ ہو جاؤں گا۔ یا رسولَ اللّٰہ! میری حالت عجیب ہے کہ باطنی نزدیکی اور ظاہری دوری! میں تو اس درجہ بے بس ہو گیا ہوں کہ نہ مجھے وصال کی طاقت ہے اور نہ فراق و جُدائی کا صدمہ تحمّل کرنے کی ہمّت ہے۔

اَلتَّنْبِیہ

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ

آپ اچھی طرح غور کیجیئے کہ حضرت مُصنّف رضی اللّٰہ عنہ نے بسلسلۂ استدعائے درود و رحمت بابت ذاتِ مُقدّس حضرت فخرِ کائنات محمّد رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم آنجناب کی سات عظیم صفتیں بیان فرمائی ہیں کہ

۱۔ آنحضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بنی نوعِ انسان میں سب سے اشرف و اعلیٰ ہیں۔
۲۔ آپ ایمان و تصدیق باللّٰہ کی باریک باتوں کے کان اور معدن ہیں۔
۳۔ آپ ربّانی تجلّیات و معرفت و احسان کے کوہِ طور ہیں۔
۴۔ آپ پروردگارِ رحمان کے بھیدوں اور اَسرار کے جائے نزول اور مقامِ ہبوط ہیں۔
۵۔ آپ پیغمبروں کے رشتۂ مُرواریدکے سب سے بڑے چمکدار موتی ہیں۔
۶۔ آپ پیغمبروں کے لشکر کے سب سے مقدّم اور آگے ہیں۔

Scanned with CamScanner

۷۔ آپ باعتبارِ جامعیت اوصافِ مقدسہ اور کمالاتِ انسانی کے لحاظ سے سب سے افضل اور سب سے ارجمند ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اب اس مقام پر ایک چھوٹے یا متوسط درجہ کے طالب علم کو یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضور ؐ جس طرح اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں اِن صفاتِ سبعہ سے موصوف اور آراستہ تھے آپ کی وفات سے یہ صفاتِ شریفہ آپ سے معاذ اللہ سلب اور علیحدہ ہوئے یا یہ بات ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں ان سات صفات کے ساتھ موصوف تھے۔ اسی طرح اب بھی بلکہ الی یوم القیامۃ اور بعدِ قیامت بھی ان صفاتِ قدسیہ سے موصوف اور آراستہ ہیں اور یہ کہ حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ کی عبارت سے متبادر الی الذہن کیا ہوتا ہے۔ یہ اہم سوال ہے جس کا جواب دئے بغیر آگے بڑھنا مناسب نہیں ہے جہاں تک حضرت مصنّف کے اسلوبِ عبارت کا طریقہ ہے اس سے صاف عیاں ہے کہ آپ کے نزدیک آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ سات صفات جیسا کہ آپ کی حیات ظاہری میں پائے جاتے تھے وہ سات صفات بعد وفات بھی آپ میں پائے جاتے ہیں اور وصال و وفات سے یہ صفات آپ سے معاذ اللہ مسلوب اور الگ نہیں ہوئے کیونکہ آپ نے ان صفات شریفہ کو بصورت جملۂ اسمیہ ذکر کیا جو دوام پر دلالت کرتا ہے ورنہ آپ یوں فرماتے:۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ عَلٰى مَنْ كَانَ الی آخر

یعنی آپ نے یہ نہیں فرمایا اے خدا اپنے بہترین درود بھیج اس پیغمبر پر جو ان صفات کے ساتھ متصف اور موصوف تھے بلکہ یوں فرمایا اس صاحب پر بہترین درود، بڑھنے والی برکتیں اور پاک ترین سلام نازل فرما جو ان صفاتِ عالیہ سے موصوف اور معمور ہیں۔ اس پر علامہ فاسی مالکی مطالع المسرات

شرح دلائل الخیرات میں فرماتے ہیں کُلُّ مَا ظَهَرَ فِی الْعَالَمِ اِنَّمَا یُعْطِیْهِ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَفَاتِیْحُ فَلَا یَخْرُجُ مِنَ الْخَزَائِنِ الْاِلٰهِیَّةِ شَیْئٌ اِلَّا عَلٰی یَدَیْهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کہ جو بھی دینی نعمت دُنیا میں ظاہر ہوتی ہے وہ ہمارے پیغمبرِ رحمت صلّی اللہ علیہ وسلّم بحکمِ اللہ عطا فرماتے ہیں کہ آپ ہی کے دستِ قُدسیہ میں سب کُنجیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے جو چیز بھی نکلتی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ بحوالہ نور الایمان شایع کردہ المجمع الاسلامی مُبارک پور۔ اس بحث کی تفصیل آگے آجائے گی:

اس مختصر تمہید سے آپ کو مسئلۂ حیاتُ الاولیاء والصدّیقین وَالشُّہداء اچھی طرح سمجھ میں آیا ہو گا کہ آنجناب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وِصال سے آپ کے نفسِ قدسیہ بلکہ جسمِ اطہر میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ وہ رہتی دُنیا تک اپنی اصلیت پر قائم و دائم ہیں کہ ظاہری موت دَتَوَفِّی نے آپ کے نفسِ قدسیہ اور آپ کے جسمِ اطہر کو کسی قسم کا ضرر اور نقصان نہیں پہنچایا۔ اس سلسلہ میں اس موضوع پر مختلف علماءِ اسلام اور صوفیاءِ کرام نے عقلی و نقلی دلائل دی ہیں لیکن میں ادنیٰ طالب ہونے کی حیثیت سے اپنے اندازۂ علم کے مُطابق مختصر چند سطریں لکھوں گا اس کی ضرورت کیوں پیش آئی تو وہ میں اس موضوع کے اختتام پر عرض کروں گا اور واضح رہے کہ اس سے میرا مقصود متشدّدین کی شدّت اور مُفرِطین کی تفریط کو کم کرکے حدِ اعتدال کی طرف ترغیب دینے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْل۔

قبل اس کے کہ ہم نفسِ موضوع کے متعلق کچھ عرض کرینگے نہایت مناسب ہوگا کہ ہم پہلے مطلق انسان اور نفسِ ناطقہ کی تعریف کریں اسی سے

Scanned with CamScanner

صحیح اندازہ اور اصلی موضوع حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تصویر سامنے آجائے گی۔

اس سلسلہ میں فلسفۂ قدیم کی مشہور و معروف کتاب الہدیۃ السعیدیۃ[1] مصنفہ علامۂ زمان فضل الحق خیرآبادی رحمہ اللہ کتاب مذکور کے ص۲۳۹ میں مطابق انسان کی تعریف و توضیح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

فصلٌ۔ الانسانُ هو الحیوانُ المختصُّ بالنفسِ الناطقةِ وهی کمالٌ أوّلیٌّ لجسمٍ طبعیٍّ آلیٍّ من جهةِ ما تُدرِكُ الکلیاتِ والمجرداتِ وتفعلُ الأفعالَ الفکریةَ ویستنبطُ بالرأی والرویّةِ وقد عرفتَ شرحَ هذا الرسمِ وفوائدَ قیودِه فلا حاجةَ إلی إعادتِها۔ إعلم أنّ النفسَ الانسانیةَ لا یرتابُ أحدٌ فی وجودِها ولا فی أنّها مُدرِکةٌ إذ لا یشكُّ أحدٌ فی أنّ لکلّ أحدٍ من أفرادِ الانسانِ شیئٌ یُشیرُ إلیه بأنا وأنّه یُدرِكُ ذاتَه لکنّهم اختلفوا فی ذلك الشیئِ ما هو اختلافًا عظیمًا والمختارُ عند المحققین من أئمةِ علماءِ الکلامِ وعظامِ الاسلامِ کالامامِ حجّةِ الاسلامِ وأکثرِ الصوفیةِ الکرامِ وجمهورِ الفلاسفةِ أنّه جوهرٌ مجرّدٌ لیس جسمًا ولا جسمانیًّا متعلقٌ بالبدنِ تعلقَ التدبیرِ والتصرّفِ لا تعلّقَ الجزءِ بالکلّ ولا تعلّقَ الحالِّ بالمحلّ وأنّه حادثٌ باقٍ بعد خرابِ البدنِ مُدرِكٌ للکلیاتِ والجزئیاتِ وفیها مذاهبُ أُخَر[1]

---

[1] دیکھو مزید مطالعہ کے لئے الہدیۃ السعیدیۃ، از شیخ بوعلی سینا کی شرح اشارات۔

Scanned with CamScanner

عبارتِ مذکورہ کا حاصلِ ترجمہ :- "انسان وہ حیوان ہے جو نفسِ ناطقہ کے ساتھ مختص اور مخصوص ہے۔ یہی نفسِ ناطقہ جسمِ طبعی آلی کے لئے کمال اولی اور بنیادی شے ہے جس کے سبب سے آدمی امورِ کلیہ اور مجردات کا ادراک کرتا اور جانتا اور سمجھتا ہے اور ایسے افعال کرتا ہے جن کا تعلق فکر و نظر سے ہے اور اسی نفسِ ناطقہ کی بدولت آدمی قضایائے فکریہ استنباط و استخراج کرتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ نفسِ انسانیہ کے ہونے اور اسکے وجود میں کوئی بھی عقلمند شک نہیں کرتا اور نہ کوئی صاحبِ شعور اس کے ادراک اور اشیاءِ مرئیہ و غیر مرئیہ کے سمجھنے میں انکار کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ ہر فرد نوع بشر میں کوئی ایسی چیز ہے جس کی طرف وہ اَنَا (میں) سے اشارہ کرتا ہے اور اپنی ذات کا ادراک و احساس کرتا ہے حتیٰ کہ بقولِ شیخ فی الاشارات اگر آدمی کے اکثر اعضاء قطع کئے جائیں اور کاٹے جائیں پھر بھی اسکو اپنے اَنَا (میں) ہونے کا احساس باقی رہے گا۔ لیکن فلاسفہ کا باہم سخت اختلاف ہے کہ جس چیز کو آدمی اَنَا (میں) سے تعبیر کرتا ہے وہ کیا ہے تو فرماتے ہیں کہ علمِ کلام و عقاید کے محققین، اکابرِ اسلام، حضرت امام محمد غزالیؒ، اکثر صوفیاءِ کرام اور عام فلاسفہ اس نفسِ ناطقہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ جَوْہَرِ مُجَرَّد ہے جو نہ تو جسم ہے اور نہ جسمانی چیز جو بدن سے اس طرح متعلق ہے کہ بدن اسی کی بدولت اشیاء میں تدبیر و تصرف کرتا ہے اور بس فرماتے ہیں نفسِ ناطقہ یعنی اَنَا (میں) کا تعلق بدن کے ساتھ ایسا نہیں جیسا کہ جُزء کا تعلق کُل سے ہوتا ہے یا اس کا تعلق بدن کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا جس طرح حال کا تعلق محل کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ نفسِ ناطقہ یعنی اَنَا (میں) باعتبارِ اول و ابتدا حادث اور نو پیدا ہے اور بدن کے خراب اور اجڑنے کے بعد اور بدن کے چھوٹے چھوٹے

Scanned with CamScanner

ذرات میں منقسم ہونے کے بعد بھی یہ نفسِ ناطقہ علیٰ حالہٖ باقی رہتا اور زندہ رہتا ہے اور یہ کہ وہ بدن کے خراب ہونے کے بعد بھی کلیات و جزئیات کا ادراک کرتا اور سمجھتا ہے۔

آپ کو مذکورہ عبارت پر غور و فکر کرنے کے بعد یہ سمجھ میں آیا ہوگا کہ انسان گوشت، پوست اور چند ہڈیوں اور چند مخصوص اعضاء کا نام نہیں ہے کہ ان کے فنا ہونے سے انسان کلیتہً فنا ہوگیا۔ یہ تو مشرکینِ عرب کا اعتقاد تھا بلکہ انسان کی حقیقت اُس اَنَا (میں) کا نام ہے جو بدن میں تصرف و تدبیر کرتا ہے اور یہ کہ بدن کے بگڑنے کے بعد بھی وہ اصلی انسان اَنَا (میں) باقی رہتا ہے۔ کلیات و جزئیات کا ادراک کرتا اور سمجھتا ہے اور یہ کہ موت سے اسکے علم و ادراک اور فہم و دانست میں اصلی انسان میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ اس میں زیادتی ہوتی ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد ہمارے حواس سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اس حقیقی انسان یعنی اَنَا جو کلیات و جزئیات کا علم و ادراک کرتا ہے اس کے افراد میں نمایاں تفاوت اور فرق ہے اور اس فرق و امتیاز کو سمجھنا چاہتے ہو تو کتاب مذکور کا صفحہ ۲۹۲ سے مطالعہ کرو۔

انبیاء کے نفوسِ قدسیہ سب سے کامل ہیں کیونکہ انبیاء و مرسلین باقی افرادِ انسانی سے اَکمل اور اَشرف ہیں۔ انبیاء و مرسلین کے بعد نفوسِ قدسیہ جن لوگوں کے کامل و مکمل ہوتے ہیں وہ صدیقین ہیں۔ ان کے نفوسِ قدسیہ کے بعد جو سب سے اشرف و اَعلیٰ ہوتے ہیں وہ شہداء کے نفوس ہیں ان کے بعد جن حضرات کے نفوسِ قدسیہ اَشرف و افضل ہوتے ہیں وہ اَولیاءِ اُمت، صُلحاء اور نیک بندوں کے ہوتے ہیں۔

لہ پس جو لوگ صرف گوشت پوست کے ایک مخصوص ڈھانچے کو انسان سمجھتے ہیں اور پھر اعتقاد رکھتے ہیں کہ ایکے مرنے سے حقیقی انسان یعنی مُدبّر بدن بھی مرگیا ہے اور ان کی قبروں میں اب کیا دھرا ہے انکو معارفِ دین سے نابلد سمجھیئے اور انکا یہ اعتقاد مشرکینِ عرب کے اعتقاد سے ملتا جلتا ہے۔ ہاں مقابر اور صلحاءِ امت کی قبروں پر جانے کا بھی شریعت میں خاص ہدایت ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہے۔ مزید مطالعہ کے لیے امام فخر الدین رازی ۲ الکلام العالی ملاحظہ کیجئے۔

جن میں صحابۂ کرام، تابعین، تبعِ تابعین، ائمہ دین، محدثین اور خاصکر اقطاب اور اغواث کے نفوسِ قدسیہ کامل ترین ہوتے ہیں۔ تمام بنی نوعِ انسان میں جن کا نفسِ قدسیہ اور روحِ معلّٰی سب سے اشرف و اعلیٰ ہے وہ ہمارے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نفسِ قدسیہ اور روحِ معلّٰی پر (صلی اللہ علیہ وسلم) وفات کے بعد کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ وہ بدستور قائم و دائم اور جاری و ساری ہے۔ اب بھی پاکبازانِ عالم آپکے نفسِ قدسیہ اور روحِ معلّٰی سے مستفید اور مستفیض ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولٰینا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی قدس سرہٗ آیت اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ[1] کے تحت فرماتے ہیں کہ آپکی ازواجِ مطہرات کا اُمّہات المومنین والمومنات ہونا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت کی فرع ہے اور فرماتے ہیں کہ ایک قرأت میں وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ ہے یعنے آپ مومنین کے باپ ہیں لہٰذا یہ دعوٰی درست ہوگا کہ ارواحِ مومنین آپ کی روحِ مقدس کے آثار ہیں اس طور سے آپ ابو المومنین یعنے تمام مومنوں کے روحانی باپ ہیں۔ گویا مومنین کے اجزاءِ ایمانیہ کا روحانی وجود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ معظم کے وجودِ ایمانی کا فیض و برکت ہے اور یہ اتنی بڑی نعمت اور منقبتِ عظیمہ ہے کہ ہر مسلم و مومن "بریں مژدہ گرجاں فشانم رواست"[2].

اس سے مسئلہ حیاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح سمجھ میں آیا ہوگا مگر ابھی تو ہم نے صرف اتنا ہی عرض کیا کہ آدمی اور انسان صرف گوشت، پوست، شکل

---

[1] ترجمہ۔ "نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین کے ساتھ خود انکے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور اُنکی ازواجِ طاہرات مومنین کی مائیں ہیں"۔ تشریح:- اس لیے مسلمان پر اپنی جان سے بھی زیادہ آپکا حق ہے۔ آپکی اطاعت مطلقًا اور آپکی تعظیم بدرجۂ کمال واجب ہے۔ اسمیں تمام احکام اور معاملات آگئے۔

[2] فضائلِ درود شریف مؤلفہ مولٰینا ذکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپور

وصورت اور صوری حسن وجمال اور اندرونی گندگی تعفُّن وبدبو کا نام نہیں جو کسی وقت فنا اور زوال پذیر ہوتی ہے بلکہ انسان حقیقت میں اُس شئے کا نام ہے جس سے اِنسان کُلیّات وجُزئیات کا عِلم وادراک رکھتا ہے. جسے عُقلاء اور فلاسفہ اَنَا (میں) سے تعبیر کرتے ہیں. یہ اَنَا سارے بدن میں ساری وجاری ہوتا ہے اور یہ کہ مرنے سے نفسِ ناطقہ اور اس اَنَا میں کوئی فرق اور زوال نہیں آتا ہے اور بالذّات یہی اَنَا (میں) عذاب وثواب، دُکھ درد، راحت اور سُرور پاتا اور محسوس کرتا ہے اور نفسِ ناطقہ کی بہت سی قسمیں فلاسفہ نے کی ہیں. ان میں سے سب سے اکمل و اعلیٰ نفسِ قدسیہ انبیاء اور انہیں سے سب سے اکمل حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نفسِ قُدسیہ ہے. پس بدن کے فنا ہونے اور گھلنے سڑنے سے اصلی انسان کا فنا و زوال لازم نہیں آتا بلکہ وہ بعدِ وفات بھی باقی رہتا ہے. اس کی تدبیر و تصرّف میں کوئی فرق نہیں آتا.

اب یہاں پر یہ **سوال** پیدا ہوتا ہے کہ نفسِ ناطقہ اور روح میں کچھ فرق ہے یا دونوں ہم معنٰی ہیں؟ اِن شاء اللہ اس کی پوری بحث ماورج جسدِ الکونین کی تشریح وتوضیح میں کرینگے. تاہم اس سوال کا **جواب** حُجۃُ اللہِ البالغہ مؤلفہ حضرت مولٰنا ومقتدانا حضرت شاہ ولیُ اللہ دہلوی رحمۃُ اللہ کے الفاظِ مبارکہ وکلماتِ قُدسیہ کی روشنی میں پیشِ خدمت ہے. آپ فرماتے ہیں:-

واما اتفاقُ العُقلاءِ فاعلَمْ انّ جمیعَ مَنِ اعتنیٰ بتھذیب النفس الناطقۃ مِنْ اَھلِ المِلَلِ والنِحل اتّفقُوا علی اثباتِ ھٰذہِ الثلاث او علی بیانِ مقاماتٍ واَحْوَالٍ تتعلّقُ بالثلاث، فالفیلسوف فی الحکمۃِ العملیّۃ یُسمّیھا نفسًا ملکیۃً ونفسًا سُبعیۃً ونفسًا بھیمیۃً وفی ھٰذہِ التسمیۃ نوعٌ مِنَ التسامُحِ نُسمّی العقلَ بالنفس الملکیۃ تسمیۃ

بِاَفْضَلِ اَفْرَادِهَا وَسُمِّيَ الْقَلْبُ بِالنَّفْسِ السَّبُعِيَّةِ بِاَشْهَرِ اَوْصَافِهٖ
وَطَوَائِفُ الصُّوفِيَّةِ ذَكَرُوا هٰذِهِ اللَّطَائِفَ وَاعْتَنَوْا بِتَهْذِيْبِ كُلِّ
وَاحِدَةٍ اِلَّا اَنَّهُمْ اَثْبَتُوا لَطِيْفَتَيْنِ اُخْرَيَيْنِ اَيْضًا وَاهْتَمُّوْا بِهِمَا اِهْتِمَامًا
عَظِيْمًا، وَهُمَا الرُّوْحُ وَالسِّرُّ وَتَحْقِيْقُهُمَا اَنَّ الْقَلْبَ لَهٗ وَجْهَانِ وَجْهٌ
يَمِيْلُ اِلَى الْبَدَنِ وَالْجَوَارِحِ وَوَجْهٌ يَمِيْلُ اِلَى التَّجَرُّدِ وَالصَّرَافَةِ
فَسَمُّوْا مَا يَلِيْ جَانِبَ السُّفْلِ قَلْبًا وَعَقْلًا وَمَا يَلِيْ جَانِبَ الْفَوْقِ
رُوْحًا وَسِرًّا فَصِفَةُ الْقَلْبِ الشَّوْقُ الْمُزْعِجُ وَالْوَجْدُ وَصِفَةُ الرُّوْحِ
الْاُنْسُ وَالْاِنْجِذَابُ وَصِفَةُ الْعَقْلِ الْيَقِيْنُ بِمَا يَقْرُبُ مَاْخَذُهٗ
مِنْ مَاْخَذِ الْعُلُوْمِ الْعَادِيَةِ كَالْاِيْمَانِ بِالْغَيْبِ وَالتَّوْحِيْدِ الْاَفْعَالِيْ
وَصِفَةُ السِّرِّ شُهُوْدُ مَا يَجِلُّ عَنِ الْعُلُوْمِ الْعَادِيَةِ وَاِنَّمَا هِيَ حِكَايَةٌ
مَّا عَنِ الْمُجَرَّدِ الصِّرْفِ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ زَمَانٍ وَلَا مَكَانٍ وَلَا يُوْصَفُ
بِوَصْفٍ وَلَا يُشَارُ اِلَيْهِ بِاِشَارَةٍ.[1]

ترجمہ :- اہلِ عقل و دانش کا اتّفاق ہے کہ تمام اہلِ ملّت اور اہلِ ادیان جنہوں نے تہذیبِ نفس اور تطہیرِ روح کا ارادہ کیا ان تینوں (عقل، قلب، نفس) کے یا اُن مقامات و احوال کے بیان کرنے پر جو ان تینوں سے متعلق ہیں متفق ہیں، پس فلسفی اپنی حکمتِ عملیہ میں ان تینوں کو نفسِ مَلَکی، نفسِ سُبُعی اور نفسِ بہیمی کہتا ہے گو یہ نام رکھنے میں کسی قدر تساہُل ہے پس اس نے عقل کا نام نفسِ ملکیہ رکھا کیونکہ اس کے افراد میں سے افضل ترین فرد کا یہ نام ہے اور قلب کا نام نفسِ سُبُعی رکھا ہے کیونکہ اس کے اوصاف میں سے یہ وصف مشہور ہے اور صوفیہ کے گروہ نے ان لطائف کو ذکر کیا ان میں سے ہر ایک کی تہذیب کے

[1] تفصیلی بحث مندرجہ بالا موضوع پر حجۃ اللہ البالغہ (ص ۶۶) بحث دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

دیے ہوئے مگر اتنا فرق ہے کہ انہوں نے اور دو لطیفے ثابت کئے ہیں اور انسان کے
لئے بڑا اہتمام کیا اور وہ دونوں روح اور سِر ہیں اُنکی حقیقت یہ ہے کہ قلب کے دو
جانب ہیں ایک جانب کامیلان و رغبت اعضاء کی طرف ہے اور ایک جانب کامیلان
تجردِ محض اور خالص تخلیہ وصفاءِ باطن کی طرف ہے اور اسی طرح عقل کی دو
جانب ہیں ایک جانب بدن اور حواس کی طرف مائل ہے اور دوسری جانب تجردِ محض
کی طرف مائل ہے۔ پس جو اسفل اور کم درجہ کی طرف مائل ہے اس کو قلب اور عقل کہتے
ہیں اور جس کو جانبِ فوق الہیات سے اتصال و تعلق ہے اُسکو روح اور سِر
کہتے ہیں۔ پس قلب کی صفت شوق اور وجد ہے جس سے آدمی بے تاب ہوتا ہے
اور روح کی صفت اُنس، انجذاب و کشش ہے اور عقل کی صفت اس چیز پر
یقین رکھنا ہے جس کا ماخذ علوم عادیہ کے ماخذ کے قریب ہے۔ جیسے ایمان بالغیب
اور توحیدِ افعالی اور سِر کی صفت اُس چیز کا مشاہدہ کرنا ہے جو علوم عادیہ
سے برتر ہے بلکہ وہ اس تجردِ محض سے حکایت ہے جو نہ کسی زمان میں ہے اور
نہ مکان میں اور نہ کسی وصف سے موصوف ہو سکتا ہے اور نہ اسکی طرف اشارہ کیا
جا سکتا ہے کہ اگر تدبیرِ نفس بدن میں بطریقِ تجرّد اور جانبِ علو کی طرف ہو تو اسکو
رُوح کہتے ہیں۔ بہر حال ہمارا اصل مقصود تو یہ ہے کہ اصلی اور حقیقی انسان فنا
نہیں ہوتا اور جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی باقی رہتا ہے اور اس کے ادراک
و احساس میں کوئی فرق نہیں آتا اور اگر نفسِ مطمئنہ کے درجہ میں ہو تو اس کے
معلومات و کمالات میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اور جو لوگ توحید کے نام پر یہ رٹ
لگاتے ہیں کہ آدمی کے جسم کے خراب ہونے اور بگڑنے سے کوئی چیز اسکی باقی نہیں
رہتی تو وہ نہ صرف آیاتُ اللہ اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر
ہیں بلکہ وہ مشرکینِ عرب کے مشرکانہ عقائد کی طرف مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ

کہتے تھے کہ جسدِ عنصری کے خراب و فنا ہونے کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی اس لیے وہ اُخروی جزا و سزا کے قائل نہ تھے۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

ہماری اس مختصر تحقیق پر یہ **اعتراض** ہو سکتا ہے کہ:۔

فلسفیوں کی موشگافی اور اُن کی تحقیق پر ایمان لانے کے لیے ہم مُکلّف نہیں ہیں ہمارے لیے تو قرآن و سنّت اور اجماعِ اُمّت ہی دلیل اور مُسکت جواب ہو سکتا ہے لہٰذا جب تک قرآن اور مفسرینِ قرآن کی تحقیق سے یہ ثابت نہ کیا جائے کہ اصلی انسان یعنی اَنَا (میں) موت کے بعد باقی رہتا ہے اور لذّت و سرور اور درد و اَلم محسوس کرتا ہے تو اس وقت تک ہم ہیچ قسم کے جوابات و تحقیقات ماننے اور قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اس اعتراض کا **جواب**:۔ اَوّلًا یہ ہے کہ ہم نے اپنے تحقیقی جواب میں صرف فلاسفہ کا قول نقل نہیں کیا بلکہ متکلّمینِ اسلام، عُلماءِ اعلام اور ساداتِ صوفیہ کا مذہب اور چند بیر فلاسفہ کے مذہب کے ساتھ پیش کیا لہٰذا اب ہمارا جواب شرعی حیثیت سے نہ صرف وزن دار بلکہ قابلِ قبول ہونا چاہیئے اور مقامِ تحقیق میں ضد و تعصّب کو جگہ نہ دینی چاہیئے۔ بایں ہمہ اگر آپ زیرِ بحث مسئلہ کی قرآنِ مجید کی روشنی میں تحقیق چاہتے ہیں تو بسم اللہ چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ آیئے ملاحظہ فرمایئے:۔

مشہور مفسّرِ قرآن محیُ السُّنّہ علاءُ الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف بالخازن آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ[1]

[1] فلہٗ [illegible] واضح لمن حمل ھٰذہ علیٰ یوم القیٰمۃ (باقی صفحہ آئندہ پر)

کی تفسیر لکھتے ہیں کہ شہداء کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان میں اس بات کی واضح دلیل پائی جاتی ہے کہ جنت پیدا کر لی گئی۔ اور معتزلہ اس کے خلاف ہیں اور شہداء جنت میں جہاں چاہیں وہاں پھر سکتے ہیں اور حدیث میں اس بات پر بھی دلیل صریح ہے کہ ارواح و نفوسِ ناطقہ جسم کے فنا ہونے کے بعد باقی رہتے ہیں کیونکہ نیکوکاروں اور صالحوں کو خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور ثواب سے محظوظ کیا جاتا ہے اور بدکاروں کو عذاب و سزا ملتی ہے۔ یہ سب قیامت سے پہلے ہے۔ یہی مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے۔ اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو۔ حدیث سروق سے ثابت ہوا :-

اَنَّ الجنّۃَ مخلوقۃٌ اَلاٰنَ خلافاً للمعتزلۃ لِقولہٖ صلی اللہ علیہ وسلم تسرحُ مِنَ الجنّۃِ حیثُ شاءت وھو مذھبُ اھل السُّنّۃِ وفیہِ دلیلٌ علیٰ اَنَّ الارواحَ باقیۃٌ لا تفنیٰ بفناءِ الجسدِ لِاَنَّ المُحسِنَ یُنعَّمُ وَیُجازٰی بالثّوابِ وَاِنَّ المُسیئَ یُعذَّبُ وَیُجازٰی بالعقابِ قبلَ یومِ القیٰمۃِ وھو مذھبُ اھلِ السُّنّۃِ اَیضاً الیٰ اٰخرِ وفیہ کفایۃ۔

اس تحقیق سے صاف عیاں ہے کہ بدن کا ڈھانچہ بگڑنے اور فنا ہونے کے بعد اکی روح و نفس باقی رہتی ہے اور اس کے علم و ادراک میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ مفسر مذکور چند صفحات کے بعد فرماتے ہیں کہ شہداء کو جو زندگی ملتی ہے اس میں کئی احتمالات ہیں۔ (۱) ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ شہداء آخرت میں زندہ ہوں گے۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ یہ مطلب لینا خلافِ اصول ہے۔ (۲) ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مطلب ہو کہ

(متعلق بصفحہ گذشتہ) لِاَنَّ اللہَ یُخبِرُ عنھم بقولہٖ ویستبشرونَ بالّذین لم یلحقوا بھم لاٰنَ القیامۃَ یومُ جموعٍ وسیأتی تفصیلہٗ وماھو حقٌّ عند السلف والخلف مِنَ المفسّرینَ الموفّقین۔

شہداء کو روحانی زندگی عطا ہوتی ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا شہیدوں کی روحیں جنت میں سبز پرندوں کے پوٹوں میں پھرتی ہیں اور جسم کا ذکر نہیں فرمایا۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ شہیدوں کو جو زندگی شہادت کے بعد ملتی ہے وہ دنیا کی طرح جسم اور روح کو حاصل ہے کیونکہ آیت پاک سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو روزی ملتی ہے وہ زندوں کی طرح کھاتے پیتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں آیا شہداء عرش مجید کے نیچے ہر رات رکوع و سجود کرتے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:۔

فَاَمَّا اَنْ یَکُوْنَ الْمُرَادُ اَنَّھُمْ سیصیرون احیاءً فی الاٰخرۃ اَوْ یکونَ الْمُرَادُ اَنَّھُمْ اَحْیَاءٌ فی الْحَالِ وعَلٰی تقدیرِ اَنَّھُمْ اَحْیَاءٌ فی الحال ھل یکونُ المُرادُ اِثباتَ الحیٰوۃ الروحانیۃ او اثبات الحیٰوۃ الجسمانیۃ فھٰذہ ثلاثۃُ اَوجُہٍ فی معنی احتمالِ الحیٰوۃ فَمَنْ قَالَ بالوجہِ الاول ...... وَھٰذا القولُ لَیْسَ بِصَوَابٍ لِاَنَّ اللہَ اَثْبَتَ لَھُم الحیٰوۃَ فی الحالِ بقولہٖ بَلْ اَحْیَاءٌ یعنی فی حالِ ما یقتلون ناَنَّھُمْ یَحْیَوْنَ وھو الاحتمالُ الثانی فمن اثبت الحیٰوۃَ للرُّوحِ دُوْنَ الْاَجْسَادِ۔ وَقَالَ بَعْضُ المُفَسّرِیْن اَنَّ اَرْوَاحَ الشُّھَدَاءِ یَرْکَعُ وَتَسْجُدُ کُلَّ لَیْلَۃٍ تَحْتَ الْعَرْشِ اِلٰی یَوْمِ القیٰمۃ وَمَنْ اَثْبَتَ الحیٰوۃَ للرُّوحِ وَالْجِسْمِ قال یَدُلُّ علیہ سِیَاقُ الاٰیۃ۔ (اس عبارت کا خلاصۂ ترجمہ اوپر آچکا ہے)

تو قرآنِ کریم کی اس آیت سے بھی اچھی طرح ثابت ہوا کہ موت سے مرنے والے خاصکر شہداء کی روحیں اور ان کے نفوسِ قدسیہ بجمیع صفاتہا الکمالیہ زندہ رہتی ہیں اور ان پر فنا طاری نہیں ہوتا۔

پس جو لوگ جسم کے ظاہری ڈھانچہ کے بگڑنے اور فنا ہونے سے اصلی اور

Scanned with CamScanner

معنوی انسان (آنا دمیں) بھی فنا ہونے کے قائل ہیں تو ایسے لوگ مشرکین عرب کے اعتقاد سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں کیونکہ کفارِ عرب بھی یہی کہتے تھے کہ أَ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ[۵] اسی طرح آپ سورۂ یٰس کی اس آیت پر غور کیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے :- قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ

ترجمہ :- آخر کار انہوں نے حبیب نجار کو قتل کر دیا اور اس کو قتل ہونے کے بعد یہ بشارت دی گئی کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اُس نے جنت میں کہا کاش میری قوم یہ جان لیتی کہ میرے رب نے کس چیز کی بدولت میری مغفرت فرمائی اور مجھے باعزت لوگوں میں داخل فرمایا۔

غرض اس آیت سے بطور بداہت معلوم ہوا کہ وفات اور شہادت کے بعد بھی خواہ موت کسی بھی صورت میں واقع ہو جائے نفسِ ناطقہ اور (أَنَا دمیں) کا شعور نہ صرف باقی رہتا ہے بلکہ درد و الم اور فرحت و سرور بھی محسوس کرتا ہے اور بقدرِ ضرورت کلام بھی کرتا ہے جیسا کہ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ سے واضح ہے کہ یہ اس کا مقولہ بعدِ شہادت کا ہے۔ تو پھر برزخی زندگی اور اسکے لوازم و ادراکات وغیرہا سے انکار کرنا صراحتہً نادانی اور مشرکین عرب کے عقاید سے ہمنوائی کرنے کے سوا کوئی معنیٰ و مطلب نہیں رکھتا۔ یہ ہم ہی نہیں کہتے ہیں بلکہ اُن لوگوں نے بھی یہی تفسیر کی جن کے بہت سے اُفکار و خیالات سے ہمیں سخت اختلاف ہے مگر وہ بھی خدا ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ مفسرِ تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۲۵۵ میں اس آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے

---

[۵] (ترجمہ) "جب ہم مرجائیں اور مٹی ہوجائیں تو کیا ہم دوبارہ زندہ ہونگے۔ یہ دوبارہ زندہ ہونا تو امکان سے بہت بعید ہے۔" افسوس ہے کہ آج بہت سے بھائی توحید کے نام پر قبور اولیاء اللہ اور مقاماتِ مقدسہ کی توہین و تحقیر اس انداز سے کراتے ہیں کہ اب معاذ اللہ مسلمان بھی رفتہ رفتہ مشرکینِ عرب کے اعتقاد کو اپنانے لگے ۔

فرماتے ہیں :- "یہ آیت بھی مِن جُملہ اُن آیات کے ہے جن سے حیاتِ برزخ کا صریح ثبوت ملتا ہے، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد سے قیامت تک کا زمانہ خالص عدم اور کامل نیستی کا زمانہ نہیں ہے، جیسا کہ بعض کم علم لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ اس زمانہ میں جسم کے بغیر رُوح زندہ رہتی ہے، کلام کرتی اور جذبات و احساسات رکھتی ہے، خوشی اور غم محسوس کرتی ہے اور اہلِ دُنیا کے ساتھ بھی اسکی دلچسپیاں باقی رہتی ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مرنے کے بعد اُس مردِ مومن کو جنت کی بشارت کیسے دی جاتی اور وہ اپنی قوم کے لئے، یہ تمنّا کیسے کرتا کہ کاش وہ اس کے انجامِ نیک سے باخبر ہو جائے۔"

آپ مُفسّر کی اس عبارت پر غور کیجئے اور پھر ہمارے اس سے پہلے کے خیالات کو بھی زیرِ غور لائیے تو اِن شاءَ اللہ آپ ضرور ہماری تائید فرمائیں گے۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

ہوسکتا ہے کہ آپ فرمائیں گے کہ اصلی بحث اور موضوع تو یہ ہے کہ کیا موت اور بدن کے بگڑنے اور خراب ہونے سے اُصلی انسان جو کلّیات کا ادراک کرنیوالا اور بدنِ انسانی میں تصرّف و تدبیر کرنے والا ہے باقی رہتا ہے یا وہ بھی جسم کی طرح فنا ناشی اور عدمِ محض ہو جاتا ہے جیسا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قبروں میں کیا دھرا ہے!

مُعترض کہہ سکتا ہے کہ جن آیات سے تم نے مرنے کے بعد نفسِ ناطقہ اور روح کے لئے زندہ اور باقی رہنا ثابت کیا ہے وہ شہیدوں کے بارے میں وارد ہیں۔ اِس طرح دعوایٔ عام اور دلیلِ خاص ہونے کی صورت میں تقریب تام نہیں ہوئی لہٰذا نفسِ ناطقہ کے فنا ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کا ان آیات سے کچھ نہیں بگڑے گا۔

اس کا جواب اوّل تو ہمارا کلام مطلق وفات کے بعد کے ساتھ متعلق ہے خواہ موت

ـــ تقریب تام یا ناتمام علم منطق کا مسئلہ ہے۔ تفصیل کی ضرورت ہو تو میر قطبی دیکھیے۔

بصورتِ شہادت واقع ہو یا اور کسی صورت میں۔ چلئے فرض کریں کہ آپ کا کہنا ٹھیک ہے تو لیجئے، اب آپ غیر شہیدوں کے متعلق بھی سُنئے یعنے صُلحاء، اولیاء و اتقیاء کے متعلق بھی قرآنِ کریم میں ایسا ہی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے نفس طبعی موت سے فنا نہیں ہوتے بلکہ وہ اونچا درجہ پاتے ہیں جیسا کہ فرمایا:۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي ۔

ترجمہ:۔ (مومن سے مرتے وقت یا قیامت کے دِن قُدرت کی طرف سے یہ بشارت ملتی یا ملیگی) "اے ایمان پر ثابت قدم رہنے والے نفس اپنے پروردگار کی طرف اس حال میں لوٹ کر تو اُس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پس داخل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور میری جنّت میں سکونت اختیار کر"۔

تفسیرِ خازن میں اَلنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃ کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں:۔

(۱) اَلثَّابِتَةُ عَلَى الْإِيمَانِ وَالْإِيقَانِ الْمُصَدِّقَةُ بِمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى الْمُوْقِنَةُ الَّتِي قَدْ أَيْقَنَتْ بِاللهِ وَبِأَنَّ اللهَ رَبُّهَا وَخَضَعَتْ لِأَمْرِهِ وَطَاعَتِهِ کہ نفسِ مُطمئنّہ سے وہ نفس مُراد ہے جو ایمان اور تصدیق باللہ پر آخری وقت تک ثابت قدم رہکر حکمِ الٰہی کا تابع اور فرمانبردار رہا۔

(۲) وَقِيلَ الْمُطْمَئِنَّةُ الْمُؤْمِنَةُ الْمُوْقِنَةُ وَقِيلَ هِيَ الرَّاضِيَةُ بِقَضَاءِ اللهِ۔ نفسِ مطمئنہ سے وہ نفسِ مومن مُراد ہے جو خدائی فیصلہ پر راضی ہو۔

(۳) وَقِيلَ هِيَ الْآمِنَةُ مِنْ عَذَابِ اللهِ کہ نفسِ مطمئنہ سے وہ نفس مُراد ہے جو خدا تعالیٰ کے عذاب سے مامون اور بے خوف ہو۔

(۴) وَقِيلَ الْمُطْمَئِنَّةُ بِذِكْرِ اللهِ۔ بعض عُلماء نے نفسِ مطمئنّہ کی تعریف یہ کی کہ جو اللہ کی یاد سے اطمینان اور تسکینِ قلب پائے۔

Scanned with CamScanner

بہر حال یہ سورۃ الفجر کی آخری آیت ہے اور سورۃ الفجر بالاتفاق مکی ہے لہٰذا اس کا حکم عام ہے کہ مومن کو مرنے سے قبل یہ بشارت ملتی ہے کہ اے نفسِ مطمئنہ! خدا تعالیٰ کی جوارِ رحمت کی طرف خوش وخرم ہو کر لوٹ جا، وہ تجھ سے خوش ہے، میرے نیکوکار بندوں اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ضد اور تعصب کو چھوڑ کر معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو یہ بشارت وخوشخبری وفات سے کچھ پہلے ملتی ہے خواہ وہ صدیقوں میں سے ہو یا شہیدوں سے۔ صالحین سے ہو یا اولیاء اللہ میں سے۔ جیسا کہ تفسیر خازن میں ہے وَالْاَصَحُّ اَنَّ الْاٰيَةَ عَامَّةٌ فِيْ كُلِّ نَفْسٍ مُؤْمِنَةٍ مُطْمَئِنَّةٍ لِاَنَّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ مَكِّيَّةٌ۔ کہ زیادہ صحیح اور حق یہ ہے کہ مذکورہ آیت ہر باایمان کے حق میں عام ہے۔ اسکی تخصیص کسی جماعت سے نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں قِيْلَ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ عِنْدَ خُرُوْجِهَا مِنَ الدُّنْيَا کہ کہا گیا مومن کو یہ بشارت دُنیا سے نکلتے وقت ملتی ہے۔ چنانچہ اسکے ثبوت میں حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا یہ قول خازن میں نقل کیا گیا ہے۔ تفسیر خازن کی اصلی عبارت ملاحظہ ہو:-

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَؓ اِذَا تُوُفِّيَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ اَرْسَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلَيْهِ مَلَكَيْنِ وَاَرْسَلَ اِلَيْهِ بِتُحْفَةٍ مِّنَ الْجَنَّةِ فَيُقَالُ اُخْرُجِيْ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اُخْرُجِيْ اِلٰى رَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّرَبُّكِ عَنْكِ رَاضٍ فَتَخْرُجُ كَاَطْيَبِ رِيْحِ مِسْكٍ وَجَدَهٗ اَحَدٌ فِيْ اَنْفِهٖ وَالْمَلَائِكَةُ عَلٰى اَرْجَاءِ السَّمَاءِ يَقُوْلُوْنَ قَدْ جَاءَ مِنَ الْاَرْضِ رُوْحٌ طَيِّبَةٌ وَّنَسَمَةٌ طَيِّبَةٌ فَلَا تَمُرُّ بِبَابٍ اِلَّا فُتِحَ لَهَا وَلَا بِمَلَكٍ اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهَا حَتّٰى يُؤْتٰى بِهَا الرَّحْمٰنَ جَلَّ جَلَالُهٗ فَتَسْجُدُ لَهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ لِمِيْكَائِيْلَ اِذْهَبْ بِهٰذِهِ النَّفْسِ فَاجْعَلْهَا مَعَ اَنْفُسِ الْمُؤْمِنِيْنَ ثُمَّ يُؤْمَرُ فَيُوَسَّعُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ

فَسَبْعُوْنَ ذِرَاعًا عَرْضُهٗ وَسَبْعُوْنَ ذِرَاعًا طُوْلُهٗ، وَيُنْبَذُ لَهٗ فِيْهِ الرَّوْحُ وَالرَّيْحَانُ فَإِنْ كَانَ مَعَهٗ شَيْئٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ كَفَاهُ نُوْرُهٗ وَ اِنْ لَمْ يَكُنْ جُعِلَ لَهٗ نُوْرٌ مِثْلَ الشَّمْسِ فِيْ قَبْرِهٖ وَيَكُوْنُ مِثْلُهٗ مِثْلَ الْعَرُوْسِ يَنَامُ فَلَا يُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ وَاِذَا تُوُفِّيَ الْكَافِرُ اَرْسَلَ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكَيْنِ وَاَرْسَلَ قِطْعَةً مِنْ بِجَادٍ اَيْ مِنْ كِسَاءٍ اَنْتَنَ مِنْ كُلِّ نَتِنٍ وَاَخْشَنَ مِنْ كُلِّ خَشِنٍ فَيُقَالُ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اُخْرُجِيْ اِلٰى جَهَنَّمَ وَعَذَابٍ اَلِيْمٍ وَرَبُّكِ عَلَيْكِ غَضْبَانُ ۔

ترجمہ:۔ "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب باایمان وفات پاتا ہے (یعنی جب وفات کے قریب پہنچ جاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اسکی طرف دو فرشتوں کو بھیجتا ہے اور اس کو انکے ذریعہ جنت کا تحفہ بھی بھیجتا ہے تو اُسے کہا جاتا ہے کہ اب تو جوارِ رحمت اور خدائی احسان واکرام کی طرف نکل جاؤ اور تمہارا ربِ کریم تم سے راضی اور خوش ہے۔ پس یہ نفسِ مُطمئنّہ اس بہترین خوشبو کی صورت میں نکلتا ہے جو تم میں سے کوئی اپنے دماغ میں محسوس کرتا ہے۔ یہ نفسِ مطمئنّہ اتنا معطّر اور مشکدار ہوتا ہے کہ آسمان کے اطراف میں فرشتے کہتے ہیں کہ زمین سے پاکیزہ روح اور پاک ترین نفس آیا ہے۔ پس اس نفسِ مُطمئنّہ کا گذر جنت کے کسی دروازہ سے نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ اس کے لئے کھولا جاتا ہے اور کسی فرشتے سے اُس کا گذر نہیں ہوتا مگر وہ اس کے لئے دُعائے رحمت و استغفار کرتا ہے یہاں تک کہ جب وہ پروردگار رحمان کے قریب پیش کیا جاتا ہے تو وہ سجدہ میں گر جاتا ہے پھر حضرت میکائیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس نفس کو مومنین کے نفسوں میں شامل کر اور اسے انکی صحبت میں رکھ اور اس کی قبر کے متعلق حکم دیا جاتا ہے تو اس کی توسیع وکشادگی ستّر گز لمبائی اور ستّر گز چوڑائی میں کی جاتی ہے اور اس میں آرام و آسائش ڈالی جاتی ہے

پس اگر وہ نفسِ مُطمئنہ قرآن خوان ہو تو قرآنِ کریم کا نور اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور اگر قرآن خوان نہ ہو تو اس کی قبر میں آفتاب جیسا نور ڈالا جاتا ہے اور اُس کی مثال اس دُلہے کی طرح ہے کہ جس کو اپنا خاص الخاص دوست جگاتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کافر مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس بھی دو فرشتے ایک ایسی چادر لیکر بھیجتا ہے جو سب سے بدبودار اور سب سے زیادہ سخت، موٹی اور کھردری ہوتی ہے اور اُسے کہا جاتا ہے کہ اے بدبخت نفس! نکل جا جہنّم اور عذابِ الیم کی طرف اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا وَاحْفَظْ اَوْلَادَنَا وَمُتَوَسِّلِیْنَا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد حکماً مرفوع ہے۔ کما لایخفیٰ۔

اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:۔ (۱) اَوَّلاً نفس مرتا نہیں اور نہ فنا ہوتا ہے اور بدن کے بگڑنے کے بعد بھی وہ باقی رہتا ہے، وہ دُکھ درد، رنج دالَم، راحت وسرور سب محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں ثابت کیا۔

(۲) ثانیاً۔ یہ حکم تمام مومنینِ کاملین، صالحین، عابدین اور عباد اللہ المکرمین کا ہے کہ اس میں کسی جماعت کے ساتھ کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے۔

(۳) ثالثاً۔ مومن کی قبر بابرکت ہوتی ہے کہ وہ انوارِ الٰہی سے معمور ہوتی ہے اس لئے از روئے شریعت قابلِ تعظیم ہے۔

(۴) رابعاً۔ اس میں اُن لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قبروں میں کیا دھرا ہے اتنا ہی نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کی قبروں کی بے حرمتی کرتے اور کراتے ہیں۔

(۵) خامساً۔ اس آیت میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ روح جسم سے پہلے پیدا ہوتی ہے کیونکہ اِرْجِعِیْ کا لفظ رجوع سے نکلا ہے جس کا معنیٰ اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹنے کے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اے نفس اور اے روح تو پہلے بھی جسم کے بغیر تھی اور کچھ مدت کے لئے تو ایک جسم میں رکھ دی گئی تھی۔ اب تو پھر

تجربہ کی طرف آؤ۔ اس سے ہمارا اصلی مُدّعیٰ و مقصد اچھی طرح ثابت ہو جاتا ہے۔
(۹) مَسَاوِسًا۔ روح کا کچھ تعلق اپنی قبر کے ساتھ بھی رہتا ہے جسکی تصریح شرح فقہ اکبر میں موجود اور مذکور ہے۔ غالباً اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ انفاسِ عیسیٰ میں فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو انفاس عیسیٰ ص۴۹۸)
انسان کے لئے ریڑھ کی ہڈی بمنزلۂ تخم کے ہے۔ انسان یعنی جسم انسان کے کل اجزاء فنا ہونگے مگر ریڑھ کی ہڈی فنا نہ ہوگی۔ قیامت میں اسی ہڈی سے انسان کا تمام جسم بن جائے گا جیسا کہ گٹھلی سے درخت پیدا ہو جاتا ہے گویا کہ یہ جزء بمنزلۂ تخم کے ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے الانسانُ یفنیٰ ولا یبقیٰ منہ شیئٌ اِلّا الذَّنَب کہ جسمِ انسان سے صرف ریڑھ کی ہڈی باقی رہتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ موت سے آدمی کا نفس و روح دونوں جسم کی طرح فنا ہو جاتے ہیں وہ اسلامی تعلیمات و ہدایات سے کوسوں دور ہیں۔ لہٰذا حیاتِ برزخی میں بھی مرنے والے کے نفس کا شعور و ادراک برقرار رہتا ہے بلکہ برزخی زندگی دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں غیر مقید اور غیر محدود ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ دنیا میں جس قدر ایمان اور اعمالِ صالحہ سے نفسِ ناطقہ نے کمال حاصل کیا ہو اور جس قدر بھی قوّتِ قدسیہ رکھتا ہو اسی کے مطابق برزخی زندگی اور آخرت میں عیش و آرام و سرور میں ہوگا۔
غرض اس آیت کے عموم و شمول سے باخدا انسانوں کا برزخ میں زندہ ہونا بلا کسی تکلف کے ثابت ہوتا ہے لہٰذا میت کی قبر کا اس طرح احترام کرنا چاہیئے کہ جس طرح شریعت کی تعلیم ہے یعنی افراط و تفریط اس میں نہ ہونا چاہیئے جیسا کہ علماءِ اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان کی قبر پر توہین و تحقیر کی نیت سے بیٹھنا مکروہ ہے اور بعض احادیث میں قبروں پر بیٹھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ علامہ ابن ہمام نے فرمایا قبروں کا روندھنا حرام اور ان پر سونا نہایت نامناسب

Scanned with CamScanner

اور بے ادبی ہے۔ خاصکر ہمارے زمانے میں جو لوگ قبروں پر گوبر سُکھاتے ہیں یا جُوا کھیلتے ہیں یہ تو قطعی حرام ہے کہ اس سے توہین وتحقیرِ مُسلم لازم آتی ہے۔ اسکی وجہ وہی ہے کہ جو ہم نے اوپر بیان کی کہ اصلی انسان اَنَا (میں) ادراک وشعور رکھنے والا اپنی قبر کی بے حُرمتی دیکھ کر درد والم محسوس کرتا ہے۔ یا یہ وجہ ہے جیسا کہ ابھی تھانوی صاحب نے فرمایا کہ ریڑھ کی ہڈی باقی رہتی ہے وہ بمنزلۂ تخم اور گُٹھلی کے ہے۔ حتیٰ کہ بعض عُلماء کے نزدیک ایک قبر میں دو میّت یکے بعد دیگرے دفن کرنا ناپسندیدہ ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری بابُ یُخْرَجُ الْمَیِّتُ مِنَ الْقَبْرِ وَاللَّحْدِ بِعِلَّۃٍ (باب اس بیان میں کہ کیا میت کو قبر اور لحد سے کسی وجہ سے نکالا جا سکتا ہے) میں حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں قَالَ دُفِنَ مَعَ اَبِیْ رَجُلٌ فَلَمْ تَطِبْ نَفْسِیْ حَتّٰی اَخْرَجْتُہٗ فَجَعَلْتُہٗ فِیْ قَبْرٍ عَلٰی حِدَۃٍ [1] "کہ میرے باپ کی قبر میں دوسرا شخص دفن کیا گیا جو مجھے پسند نہیں آیا تو میں نے اسکو نکالکر علیحدہ دفن کیا"۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہو کہ مومنین درجات میں مختلف اور متفاوت ہیں اس لئے ایک قبر میں ایک صاحبِ قبر کا دوسرے صاحبِ قبر پر اثر پڑنا ضروری ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مسلمان کے احترام وامتیاز کی طرح اس کی قبر کا بھی احترام وامتیاز کرنا چاہیئے مگر اس حد تک نہیں کہ صحیح اور معتدل تعلیماتِ شرعیہ کے برخلاف ہو [2]۔ اسی بناء پر امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا عَلَیْھَا "قبروں پر نہ بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھا کرو"۔ لمعات شرح مشکوٰۃ میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ قبر پر بیٹھنے سے صاحبِ قبر

---

[1] صحیح بُخاری جلد اوّل پارۂ پنجم

[2] شہداء اُحد کا واقعہ جُدا گانہ اور مخصوص حالات کی بناء پر ہے۔ اُسوقت دو دو تین تین شہداء ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے۔

Scanned with CamScanner

کی تحقیر ہوتی ہے اور قبر کی طرف نماز پڑھنے سے صاحبِ قبر کی تعظیم بلیغ ہوتی ہے۔ پہلی شق میں اِفراط اور دوسری شق میں تفریط ہے، دینِ اسلام اِفراط و تفریط سے بالاتر ہے۔ علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے وَیُکْرَہُ النَّوْمُ عِنْدَ الْقَبْرِ وَقَضَاءُ الْحَاجَۃِ بَلْ اَوْلٰی وَیُکْرَہُ کُلَّمَا مَا لَمْ یُعْہَدْ مِنَ السُّنَّۃِ وَالْمَعْہُوْدُ مِنْہَا لَیْسَ اِلَّا زِیَارَتُہَا وَالدُّعَاءُ عِنْدَہَا قَائِمًا کَمَا کَانَ یَفْعَلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْخُرُوْجِ اِلَی الْبَقِیْعِ وَیَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ الخ[۱] "قبر کے نزدیک سونا مکروہ، اس کے نزدیک قضاءِ حاجت کرنا ناپسند اور خلافِ سنّت ہے۔ کلام کرنا قبر کے پاس مکروہ ہے بلکہ سنّت سے زیارتِ قبور ثابت ہے اور قبر کے نزدیک کھڑے ہو کر دُعاء کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ گرامی تھی کہ آپ مزارِ بقیع کی طرف تشریف فرما ہوتے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا بِکُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَلَاحِقُوْنَ پڑھتے تھے۔"

دُعا کرنے والے کو چاہیئے کہ قبر کے پاس پہنچ کر میت کے مُنہ کی طرف مُنہ کر کے دُعا کرے۔ بہرحال ان باتوں کو ہماری شرح کے ساتھ تعلّق نہیں ہے لیکن آجکل قبروں کی بے حرمتی اور بے عزّتی کرائی جاتی ہے۔ دوسری طرف سے کچھ بے خبر لوگ اِفراط و تفریط سے کام لیتے رہیں اس لئے ہمیں انکی طرف اپنی توجّہات مبذول کرنا پڑیں اور اس سے ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ اصل انسان کا کچھ تعلّق قبر سے رہتا ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر یا تو جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنّم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ لہٰذا مطابقِ شرع تحفّظِ قبور کرنا چاہیئے کیونکہ میت اپنی برزخی زندگی میں اپنے جسدِ عنصری کو محفوظ جگہ میں دیکھ کر محظوظ ہوجاتا ہے اور اپنی قبر کی بے حرمتی دیکھ کر مغموم ہوتا ہے۔

[۱] کلّ ذٰلک لخّصنا من حواشی الجامع الترمذی رحمہ اللہ۔

دراصل اِبتک یہ تمام باتیں اِس حقیقت کے لئے بطورِ تمہید آگئیں کہ حضرت سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی برزخی حیاتِ مبارکہ میں سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ فیض رسان ہیں اور اپنے اُمّتیوں کے اعمال و افعال سے باخبر ہیں خواہ اپنے کمالِ نفسِ قدسیہ کے سبب بالذات یا بواسطۂ ملائکہ[لہ] ۔ اور یہ کہ آپ کا جسمِ اطہر روضۂ انور میں محفوظ و مصئون ہے وَهُوَ الْاٰنَ كَمَا كَانَ وَمَنْ خَالَفَ هٰذَا اَوْ تَاَنَّفَ عَنْ قَبُوْلِهٖ فَلَيْسَ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ وَذَوِى الْعِرْفَانِ بَلْ لَا فَرْقَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الشَّيْطَانِ کیونکہ آپ کی روح مُعلّٰی اور نفسِ قُدسیہ اتنا اعلیٰ و اکمل ہے کہ جسمِ اطہر سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی اپنے کمالِ جمال اور بے انتہا علو و جمال کے ساتھ آراستہ اور موصوف ہے جس پر میں مختصر دلائلِ ذیلیہ سے اِستدلال کرتا ہوں ۔

لہ مگر یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ آپکا یہ کمالِ قدسیہ عطائیہ ہے حضرت اللہ جل ذکرہٗ سے ہے اور یہ بھی آپکا فیض رسانی ہونا یہ بھی آپ پر اللہ جل شانہٗ کا فضل وکرم ہے۔ فلا یلزم شیئ منہ۔ السخطوب

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تحقیق

ہم اس موقع و محل سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر محدثانہ طریقہ سے بحث کرنا چاہتے ہیں تاکہ اہلِ اسلام حقیقت حال سے باخبر ہو کر افراط و تفریط سے نجات پائیں۔

چنانچہ صحیح البخاری جلد دوم کتابُ التعبیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَخَیَّلُ بِیْ وَرُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّۃٍ وَاَرْبَعِیْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّۃِ[۱]

ترجمہ: "حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے بغیر کسی شک و شبہ مجھ کو ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت (مبارک) کی نقل اُتارنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور آپ نے فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جز ہے۔"

اس حدیث مبارک میں "لایتخیل" کا لفظ آیا ہے۔ تخیل لہ انہ کذا کے یہ معنی ہیں کہ "توہم ہونا کہ وہ ایسا ہے"۔ چنانچہ آپ لغت کی کتابوں میں اسی طرح یہ معنی پائیں گے۔ پس خلاصہ حدیث یہ ہوا کہ آپ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ ہی کو دیکھا۔ یعنی اس میں ابلیس لعین کے اثر و نفوذ کا کوئی احتمال نہیں ہے اور ایسے خواب کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ شیطان تھا (معاذ اللہ) بلکہ خواب دیکھنے والے نے واقعی حبیب خدا اشرف المخلوقات حضرت محمد عربی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہاں یہ ضرور ہے کہ خواب دیکھنے والے کا ہمت اور دینی استعداد کا

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، ص ۱۰۳۵

بھی اعتبار ہو گا۔

اسی صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تَسَمَّوْا بِاِسْمِی وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي[1] وَ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطٰنَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُوْرَتِي وَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔[2]

ترجمہ: حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت ہے کہ آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میرے نام پر نام رکھو (مثلاً محمّد، احمد) اور میری کُنیت ابوالقاسم نہ رکھو اور یہ سمجھو جس نے مجھے خواب میں دیکھا بے شک اس نے مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

اس روایت میں بجائے لَا يَتَخَيَّلُ، لَا يَتَمَثَّلُ فرمایا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ لَا يَتَمَثَّلُ کا معنیٰ کیا ہے؟ تَمَثَّلَ الشَّيْءَ: مثال کا تصوّر کرنا۔ بیان کرنا۔ تَمَثَّلَ بِہٖ: مُشابہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ شیطان کو یہ دسترس نہیں کہ کسی کو خواب میں میرے مُشابہ بن کر آئے۔ کسی کے مُشابہ بننے کا امکان اُس وقت ہوتا ہے جبکہ اصل شے موجود اور باقی ہو تو صاف اور واضح طور پر ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حضرت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے جوہر اور ذات ستودہ صفات کے ساتھ موجود ہیں اور فنا و عدم آپکے جسم اطہر پر طاری اور عارض نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپکے حُلیہ اور شکل مُبارک میں ابلیس لعین کو آنے کی طاقت نہیں دی تاکہ تلبیسُ الحق بالباطل نہ کر سکے۔ اس وقت میں دو حدیثوں سے میں حیاتُ النبی صلّے اللہ علیہ وسلّم پر استدلال کرتا ہوں یہ

---

[1] بعض محدثین کے نزدیک یہ حکم آپکے زمانہ مبارک کے ساتھ مخصوص ہے اب ابوالقاسم کُنیت رکھنا جائز ہے۔
[2] کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم (صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۱)

دونوں حدیثیں صحیح بخاری کی ہیں اور یہی اعتقاد تمام سلفِ صالحین اور معتمد علماءِ عاملین کا ہے۔ چنانچہ حدیث ۲ کے حاشیہ پر حضرت محدثِ زمان مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ بحوالہ نووی درج ذیل تشریح فرماتے ہیں جو ہم من و عن ایک ایک لفظ ہدیۂ قارئین کرام کرتے ہیں اور ہم انہیں درحقیقت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ متقدمین علماءِ سہارنپور و دیوبند کا کیا اعتقاد و احترام بذاتِ اقدس حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور اب کیا ہو گیا یعنی ہم بدل لئے یا عام ذہنوں میں تدریجی طور خلل پیدا ہونے لگا۔ حاشیہ کی اصل عبارت ہو بہو ملاحظہ فرمائیے :-

قولہ مَنْ رآنی فقد رآنی. اختلف العلماءِ فی معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد رآنی. فقال ابنُ الباقلانی معناہ رؤیاہ صحیحۃ لیست باضغاثٍ ولا من تشبیہاتِ الشیطٰن ویؤید قولہ روایۃ فقد رأی الحق ای الرؤیا صحیحۃ قال وقد یراہ الرائی علی خلافِ صفتہ المعروفۃ کمن رآہ ابیض اللحیۃ وقد یراہ شخصانِ فی زمنٍ واحدٍ احدہما فی المشرق والآخرُ فی المغرب ویراہُ کلُّ واحدٍ منہما فی مکانہ.

وحکی المازری ھذا عن ابن الباقلانی ثم قال وقال الآخرون بل الحدیثُ علی ظاہرہ والمرادُ مَن رآہُ فقد ادرکہ ولا مانع یمنع مِن ذلک والعقلُ لا یحیلہ حتی یضطر الی صرفہ عن ظاہرہ فاما قولہ بانہ قد یُری علی خلافِ صفتہ او فی مکانین معاً فان ذلک غلطٌ فی صفاتہ وتخییلٌ لہا علی خلاف ما ھی علیہ وقد یظن الظانُّ بعض الخیالات مرئیاً لکون ما یتخیل مرتبطاً بما یری فی العادۃ فتکون ذاتہٗ صلی اللہ علیہ وسلم مرئیۃً وصفاتہ متخیلۃً غیر مرئیۃ والادراکُ لا یشترط فیہ تحدیقُ الابصار ولا قربُ المسافۃ ولا کونُ المرئی غیرَ مدفونٍ فی الارض ولا ظاہراً علیہا وانما یشترط کونہٗ موجوداً

ولم يقم دليل على فناء جسمه صلى الله عليه وسلم بل جاء في الاحاديث ما
يقتضي بقاءه قال ولو رآه يأمر بقتل من يحرم قتله كان هذا من الصفات
المتخيلة لا المرئية. هذا كلام المازري. قال القاضي ويحتمل ان يكون
قوله صلى الله عليه وسلم فقد رآني او فقد رأى الحق فان الشيطان لا
يتمثل في صورتي المراد به اذا رآه على صفته المعروفة له في حياته فان
رأى على خلافها كانت رؤيا تأويل لا رؤيا حقيقة وهذا الذي قال
القاضي ضعيف بل الصحيح انه يراه حقيقة سواء كان على صفته المعروفة
او غيرها لما ذكره المازري. قال بعض العلماء خص الله سبحانه وتعالى النبي صلى
الله عليه وسلم بان رؤية الناس اياه صحيحة وكلها صدق ومنع الشيطان
ان يتصور في خلقته لئلا يكذب على لسانه في النوم كما خرق الله العادة للنبي
صلى الله عليه وسلم بالمعجزة وكما استحال ان يتصور الشيطان في صورته
في اليقظة ولو وقع لاشتبه الحق بالباطل ولم يوثق بما جاء به مخافة من هذا
التصور فحماها الله تعالى من الشيطان ونزغه ووسوسته والقائه وكيده
قال وكذا حمى رؤياهم بانفسهم قال القاضي واتفق العلماء على رؤية الله
تعالى في المنام وصحتها وان رآه الانسان على صفة لا تليق بحاله من صفات
الاجسام لان ذلك المرئي غير ذات الله تعالى اذ لا يجوز عليه التجسم ولا
اختلاف الاحوال بخلاف رؤية النبي صلى الله عليه وسلم قال ابن الباقلاني رؤية الله
تعالى في المنام خواطر في القلب وهي دلالات للرائي على امور مما كان او يكون
كسائر المرئيات والله تعالى اعلم [له]

له هل تدري ايها الغافل ان الناقل محدث شهير حنفي كيف يعتقد بذاته الاقدس صلى الله عليه وسلم انه حي موجود فبماذا تمنع انت عن صحة النداء بيا رسول الله الست تدري ان القائل خوف [illegible] يا نبي للقريب والبعيد والحقيقة انك غافل وجاهل عن الشأن الرفيع لنبيه [illegible] سبحانه وتعالى (مجددي)

عبارتِ مذکورہ کا حاصل ترجمہ :-

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰنِیْ الخ کے متعلق علماءِ اسلام کے متعدد اقوال اور مختلف خیالات ہیں چنانچہ علامہ ابن باقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حدیث مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ "جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس کا خواب درست اور صحیح ہے" معاذ اللہ اس خواب کو خوابِ پریشان یا ابلیسِ لعین کی تشبیہات و توہمات نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس روایت کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جو خود صحیح بخاری میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ آپنے فرمایا جس نے مجھے دیکھا اس نے حق یعنی درست خواب دیکھا۔ علامہ ابن باقلانی رحمۃ اللہ مزید فرماتے ہیں کبھی آپکو خواب میں دیکھنے والا آپکی صفت موصوفہ مشہورہ و منقولہ پر نہیں دیکھتا جیسا کہ کوئی آپ کا ریشِ مبارک خواب میں سفید دیکھے۔ اور کبھی بیک وقت دو آدمی آپکو خواب میں دیکھتے ہیں جنمیں سے ایک مشرق کا اور دوسرا مغرب کا رہنے والا ہوتا ہے اور دونوں اپنی اپنی جگہ خواب میں آپکی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ پھر بھی خواب کی سچائی اور حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ اور علامہ مازری نے یہ قول ابن الباقلانی سے نقل کیا ہے۔ پھر مازری فرماتے ہیں کہ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ حدیث اپنے ظاہری معنیٰ پر درست ہے مذکورہ باتیں خواب کی سچائی پر مانع نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ حدیث مَنْ رَاٰنِیْ الخ سے یہ مطلب ہے کہ جس نے آپکو خواب میں دیکھا اس نے حقیقت میں آپکو پایا ہے کیونکہ اسکی صداقت تسلیم کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہے اور نہ عقل کی روسے خواب کا محال اور ناممکن ہونا لازم آتا ہے کہ حدیث کو اپنے ظاہر معنے سے پھیر کر اسمیں تاویل کرتے (اِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ) رہا یہ سوال کہ کوئی شخص آپکو آپکے معروف و منقول حلیہ مبارک کے برخلاف دیکھتا ہے یا دو ملکوں کے لوگ آپکو بیک وقت دیکھتے ہیں تو خواب بہرحال پھر بھی سچا ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ دیکھنے والے کو آپکی بعض مبارک صفتیں دیکھنے میں غلطی ہوتی ہے اور اسکی قوتِ خیالیہ آپکو دیکھنے میں غلطی کرتی ہے اور کبھی گمان کرنے والا اپنے خیالات

کو مرئی اور دیکھے ہوئے متصوّر کرتا ہے کیونکہ قوتِ متخیلہ عام طور پر امورِ عادیہ سے مربوط ہوتی ہے۔ پس ایسی صورت میں بھی خواب کو غلط نہیں کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ خواب دیکھنے والے نے آپ کی ذاتِ مبارکہ ضرور دیکھی ہے اور آپ کی صفاتِ شریفہ اس صورت میں متخیلہ اور غیر مرئی ہیں کیونکہ ادراک و علم کے لئے آنکھوں کا پورے طور پر پھاڑ کر دیکھنا یا مسافت کا نزدیک ہونا یا دیکھی ہوئی چیز کا زمین میں غیر مدفون ہونا یا زمین کی سطح پر زندہ ہونا شرط اور ضروری نہیں ہے ہاں جس کو دیکھے اُس کا موجود ہونا شرط ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کے فنا اور معدوم ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے احادیث سے اس کے برخلاف ثابت ہے یعنی احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت نبی نازنین صلی اللہ علیہ وسلم قبرِ مبارک میں بروح و بجسد زندہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہاں اگر کوئی شخص آپ کو خواب میں دیکھے کہ آپ اسے ایسے شخص کے قتل کا حکم فرماتے ہیں جو قتل کا سزاوار اور حقدار نہیں تو اس وقت اُس کے خواب کو صفاتِ متخیلہ میں سے قرار دیا جائے گا نہ صفاتِ مرئیہ میں سے یعنی خیالی قوت سے محسوس کرتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غیر مستحق شخص کے قتل کا حکم فرماتے ہیں یعنی خواب اور قوتِ خیالیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔" (علامہ مازری کا کلام ختم ہوا)

"قاضی عیاض مالکی نے مذکورہ سوال کو اسی طرح حل کرنے کی کوشش کی کہ فرمایا کہ یہ جو آپ نے فرمایا "جس نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورتِ مبارکہ بنا کر کسی کے سامنے نہیں آ سکتا۔ فرماتے ہیں یہ حکم اس وقت ہے جب دیکھنے والا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صفاتِ منقولہ و معروفہ میں دیکھے اور اگر آپکو اُن صفاتِ مبارکہ میں نہیں دیکھا جو دُنیا میں آپ میں پائے جاتے تھے تو اس خواب کو رویا تاویلی کہیں گے رویا حقیقیہ نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت محدث سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں قاضی عیاض مالکی کا جواب کمزور ہے کہ یہ حقیقی خواب نہیں ہے بلکہ درست یہ ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں

دیکھا اس نے آپ ہی کو دیکھا خواہ آپ کو اپنی صفاتِ معروفہ و مشہورہ پر دیکھے یا غیر صفات
معروفہ میں دیکھے کیونکہ مازری نے جو قوتِ متخیلہ اور صورتِ مرئیہ میں فرق کیا ہے وہ کافی
ہے. حضرت محدث سہارنپوری فرماتے ہیں:- کچھ علماءِ اسلام نے فرمایا کہ لوگوں کا اپنے
پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا رؤیا صادقہ ہے اس میں اہلبیت کا وہم
تک نہ ہونا چاہیئے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اور آپکے دیکھنے
کے متعلق تمام خواب صحیح اور درست ہیں اور اللہ نے شیطان کو اس بات پر دسترس نہیں
دی کہ وہ آپکی خلقت اور حلیۂ نازنین کی نقل اتار سکے تاکہ وہ نقل اتارتے وقت آپ کی
زبانِ مبارک کی طرف کسی بات کا انتساب نہ کر سکے جیسا کہ آپ کی بیداری میں آپکی نقل اتارنے
ابلیس راندہ ہوا اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے کہ آپکے وصال کے
بعد وہ نیند میں آپکی صورتِ مبارکہ کی نقل نہیں اتار سکتا ورنہ حق و باطل کی آمیختگی
کا احتمال رہتا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی کہ
شیطان کی کشش، اس کے وسوسہ، اس کے ہاتھ ڈالنے اور اس کے مکر و تدبیر سے اسی
طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی بھی حمایت و حفاظت فرمائی کہ ابلیس خواب میں آپ کی
صورتِ اقدسہ میں آنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ پس حدیث مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَآنِیْ بالکل
حق اور ناقابلِ تردید و شک ہے۔

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ خواب میں خدا تعالیٰ کو دیکھنا
درست اور صحیح ہے اور اگر کسی انسان نے خدا تعالیٰ کو ایسی صفت کے ساتھ دیکھا جو اس ذاتِ متعالی
کے خلاف ہے (جیسا کہ جسمانی صورت میں دیکھ لیا) تو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس صورت میں دیدہ
شدہ چیز غیر اللہ ہے کیونکہ خدائے برتر کا جسم سے موصوف ہونا شرعاً و عقلاً درست نہیں اور نہ اس
میں اختلافِ احوال کا امکان ہے اس کے برخلاف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں مختلف
احوال میں دیکھنا ممکن ہے۔ اسی طرح مذکورہ حدیث کو امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ابن سورۃ ترمذی

نے ان لفظوں میں نقل فرمایا ہے۔ عَنْ عبدِ اللہ عَنِ النَّبِیِّ صلّی اللہ علیہ وسلّم قَالَ مَنْ رَآنِی فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ وَفِی الْبَابِ عن ابی ھریرۃ وابی قتادۃ وابن عباس وابی سعید وانس وابی مالک الاشجعی عن ابیہ وابی بکرۃ وابی جحیفۃ ھٰذا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔ یعنی عبداللہؓ کہتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو بے شک اس نے مجھ کو ہی دیکھا کیونکہ شیطان لعین ملعون میری صورت بنا کر نہیں آسکتا۔ اس حدیث کے راویوں میں سے حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوقتادہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابوسعید، حضرت انس، حضرت ابو ملک الاشجعی، حضرت ابوبکرہ، حضرت ابوجُحیفہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ کتاب مذکور کے حاشیہ میں لَا یَتَمَثَّلُ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے وقیل معناہ مَنْ رَآنِی بِاَیِّ صورۃٍ کانت فَاِنَّہٗ رَآنِی حقیقۃً لٰکن تلک الصورۃ مثالٌ لروحہ المقدسۃ سواءٌ کانت صورتہ المخصوصۃ اَوْ غیرھا لانّ الشیطان لا یتمثل بمثال علیٰ انّہٗ مثالٌ لہٗ علیہ السلام یعنی بعض علماء نے فرمایا کہ جو کوئی مجھے جس صورت میں بھی دیکھے تو اس نے حقیقت میں مجھ کو ہی دیکھا کیونکہ وہ صورت مثال ہے آپکی روح مقدسہ کی صلی اللہ علیہ وسلم خواہ وہ صورتِ مخصوصہ ہو یا اس کے مشابہ تو شیطان آپکی صورتِ مثالی کے مشابہ کی بھی نقل اتارنے کی طاقت نہیں رکھتا یہ ہے شانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔

مذکورہ دونوں حدیثوں اور علماء محققین کی تشریحات و توضیحات سے سرسری طور پر مندرجہ ذیل باتیں آسانی سے معلوم ہوئیں۔

(۱) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ مبارک میں جسمانی و روحانی طور پر زندہ ہیں البتہ اسکی پوری تفصیل کرنے سے ہم عاجز و قاصر ہیں۔ (۲) آپ قبرِ مبارک میں موجود ہیں لہٰذا لازم کا معاذ اللہ وہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (۳) یہ خصوصیاتِ نبویہ میں سے ہے صلی اللہ علیہ وسلم کہ لوگ قیامت تک آپکو خواب میں دیکھیں گے علیٰ حسب احوالہم۔ اور یہ کہ شیطان

آپکی صورتِ مبارکہ بنا کر کسی کے پاس نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کا اتنا اہتمام فرمایا کہ جس طرح آپکی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں بخرقِ عادت یعنی معجزہ تھا کہ شیطان آپ کے حلیۂ اقدس میں نہیں آسکتا اسی طرح آپکی وفات اور وصال کے بعد بھی یہ خرقِ عادت اور یہ معجزہ باقی ہے۔ (۴) ایک ہی رات میں دفعۃً آپ مشرق و مغرب کے نیک بختوں اور سعادت مند مسلمانوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرما سکتے ہیں اس میں کوئی ندرت نہیں۔ پیغمبروں اور اولیاء اللہ کی روحانی قوت سائنسدانوں کی مادی قوت سے کہیں زیادہ، عمدہ اور لازوال ہے، سائنسدان آلاتِ مادیہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں تو پیغمبر اور باخدا انسانوں کو ان چیزوں کی ضرورت اور احتیاج نہیں ہوتی۔ اب جبکہ اس دور میں ٹیلی ویژن کے ذریعہ مشرق والے مغرب کے انسانوں کو اپنے گھروں میں دیکھ سکتے یا اس کا عکس مستوی لیجئے تو پیغمبروں کی قوتِ روحانی ان سے ہزارہا گنا اور زیادہ بہتر ہے مگر شرط ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دل میں احترام و محبت اور آپ کی مقدس تعلیمات پر ایمان و اقرار اور عمل و قول ہو۔ (۵) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان دوسرے انسان کی صورت میں آنے کی قوت رکھتا ہے مگر انبیاء کی صورت میں نہیں آسکتا۔ (۶) اس سے بداہۃً معلوم ہوا کہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم، باخدا انسانوں اور ملائکہ کی ارواحِ طیبہ بھی کسی عمدہ اور پاک صورت میں متمثل ہو سکتی ہیں جس کا ثبوت فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا سے ملتا ہے۔

بہرحال ہم نے اپنی مختصر تمہید میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ انسان کی حقیقت و ماہیت جسے اَنَا (میں) سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی وہ قوتِ مدرکہ جس کو فلاسفۂ قدیم نفسِ ناطقہ کہتے ہیں موت سے فنا اور معدوم نہیں ہوتی بلکہ مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور عالمِ برزخ میں لذت و شر، درد و الم اور احساس و شعور رکھتی ہے البتہ اس میں نفسِ ناطقہ کے درجات کا تفاوت و فرق، علم و یقین، زہد و تقویٰ، معرفتِ الٰہی، ربانی احکام کی اطاعت اور تزکیۂ

قلب وصفاءِ ذہنی کا بہت بڑا دخل اور داعیہ ہے یعنی دنیا میں جس درجہ کا علم وشعور اور عمل وعمل ہو اسی کے مطابق برزخ میں اُس کا ادراک و احساس باقی رہتا ہے۔ غرضیکہ یہ حقیقت جس طرح فلاسفہ قدیم تسلیم کرتے ہیں تو قرآنِ مجید سے بھی شہیدوں اور صالحین کے متعلق بعینہٖ اس حقیقتِ واقعیہ کی تائید وتوثیق ہوتی ہے جیسا کہ سابقہ آیات واحادیث سے یہ مضمون مُبرہن ہوا۔

چونکہ بنی نوع انسان میں سب سے کاملترین افراد حضرات انبیاء ومرسلین ہیں اور ان میں بھی سب سے زیادہ کامل وجامع اور افضل واعلیٰ ہر لحاظ سے ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے قدرتی طور پر آپکی وفاتِ ظاہری اور وِصال سے آپکی اس حیاتِ مقدسہ معنوی پر کوئی مخالف اثر نہیں پڑا بلکہ آپ کے نفسِ قدسیہ کے کمالات، لوازمِ نبوت، مشاہدۂ عالمِ ملکوت اور آپکا اپنے اُمتیوں کے اعمال پر بحکمِ الٰہی علم اطلاعی سے مُطلع ہونا حیاتِ ظاہری کی طرح برابر جاری وساری ہے اور اس کے برخلاف یہ کہنا کہ آپ کی قبرِ مُبارک میں کیا ہے اور یہ کہ وفات اور وِصال سے آپ کے وہ کمالات برقرار نہیں رہے صرف جہالت و نادانی اور مشرکینِ عرب کے عقاید کے ساتھ فی الجملہ ہم خیالی وہم آہنگی کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ انہیں کا عقیدہ تھا کہ آدمی کی موت سے اُس کا کُلی طور پر عدم وفنا ہو جاتا ہے۔ نعوذُ باللہ من ذالک۔ لہٰذا جن ائمہ دین اور فُقہاء ومحدثین رحمہم اللہ نے کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا جسم مقدس محفوظ ومصون ہے اور یہ کہ اس پر زمین کا اثر اور فنا کارگر نہیں ہوتا بالکل حق اور صحیح ہے۔ ان حضرات کے نزدیک آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مبارک میں زندہ اور رزقِ الٰہی سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ چنانچہ نبی اکرم تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبرِ مطہرہ میں زندہ ہونا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث درجِ ذیل سے اور بھی عیاں اور ہویدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف یہ ہے:-

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مسعود رضی اللہ عنہٗ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

إِنَّ لِلّٰهِ مَلٰئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنَ مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ. رواه النسائي والدارمي۔ (مشکوٰۃ شریف باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلها ص۸۶)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو زمین میں پھرتے ہیں اور مجھے میرے امتیوں کا درود وسلام پہنچاتے ہیں۔"

توضیح: وجہ استدلال اس طرح ہے کہ زندہ اور صاحب شعور و ادراک ہی کو کوئی تحفہ یا کوئی اچھی یا بری چیز پہنچائی جاسکتی ہے جس سے بھیجنے والے کا مقصد بھیجے ہوئے صاحب کو خوش یا آزردہ کرنا ہوتا ہے پس فرشتوں کو سیاحت کیلئے اور درود خوانوں کا درود پہنچانے کے لئے اہتمام و انتظام کرنا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات حیات اور متصرف بامر اللہ و اذنہ ہیں جس کی طرف حضرت مصنف نے ملائک آنے متی الشّرف الاسنیٰ سے اشارہ فرمایا۔

۵: اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِي حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ. رواه ابوداؤد والبیهقي في الدعوات الكبير۔

ترجمہ: کوئی بھی ایسا مسلمان نہیں جو مجھ پر درود و سلام بھیجے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ عالم ملکوت دُمشاہدہ میں مجھے اس کے سلام کی طرف متوجہ کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں"۔ یہ ترجمہ میں نے اس لئے اختیار کیا کہ یہ حدیث شریف استغراق پر محمول اور مبنی ہے اور اعتراضات سے خالی جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وَلٰكِنَّ الْمُرَادَ بِعَوْدِ الرُّوْحِ عَوْدُهَا إِلٰى الْمُفَارَقَةِ عَنِ الْبَدَنِ وَإِنَّمَا الْمُرَادُ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْبَرْزَخِ مَشْغُوْلٌ بِأَحْوَالِ الْمَلَكُوْتِ مُسْتَغْرِقٌ فِي مُشَاهَدَةِ رَبِّ الْعِزَّةِ عَزَّ وَجَلَّ كَمَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فِي حَالَةِ الْوَحْيِ وَفِي الْأَحْوَالِ الْأُخَر

فَعَبَّرَ عَنْ اِفَاقَتِہٖ مِنْ تِلْكَ الْمُشَاهَدَةِ وَذَالِكَ الْاِسْتِغْرَاقِ بِرَدِّ الرُّوْحِ.[۱]

اس عبارت کا حاصل ترجمہ یہ ہے کہ حدیث مذکور میں رُوحِ مُبارک واپس بھیجنے کا یہ معنیٰ نہیں کہ معاذ اللہ اس سے پہلے آپ کی روحِ معلیٰ صلے اللہ علیہ وسلّم جسمِ مُقدّس و مُعطّر ومنور سے علاحدہ تھی بلکہ اُس کا مقصد یہ ہے کہ آپکی رُوحِ اُلطف عالمِ ملکوت کے مشاہدہ اور اسرارِ الٰہی کی معرفت میں مشغول ہوتی ہے جیساکہ ظاہری حیاتِ مبارکہ میں نزولِ وحی اور دوسرے احوال میں ہوتی تھی۔ اِن مُشاہدات و احوالِ شریفہ سے فراغت پانے کو آپنے روح شریف کے واپس بھیجنے سے اِستعارہ کے طور پر تعبیر فرمایا۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ نے اَنْبَاءُ الْاَذْكِيَاءِ فِي حَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ میں حدیثِ مذکور کی اس عبارت "اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ" کے متعدد جوابات دئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ روح کا واپس کرنا اِشارہ عالمِ ملکوت اور اِستغراق سے فراغت حاصل کرنے کی طرف ہے۔ یہ جواب بعینہٖ صاحب لمعات نے اختیار کیا جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔ موصوف نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اگر حدیث کا ظاہری ترجمہ مُراد لیاجائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپکی روحِ مُعلّٰے جسمِ اقدس سے باہر نکالی جاتی اور پھر واپس لائی جاتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپکے جسمِ نازنین کو تکلیف ہوگی جو خدائے ربُّ الجلیل کو ہرگز منظور نہیں اور پھر شہداءِ کرام کی برزخی زندگی علی الدوام والاستمرار نصِ قرآن سے ثابت ہے تو انبیاءِ کرام اور خاص کر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم کی برزخی حیاتِ طیّبہ اِستمرار اور دوام کے ساتھ موصوف ہونے کی زیادہ حقدار اور سزاوار ہے اور اس جواب کے بعد موصوف فرماتے ہیں:۔

وَيَتَوَلَّدُ مِنْ هٰذَا الْجَوَابِ جَوَابٌ اٰخَرُ وَهُوَ اَنْ يَكُوْنَ الرُّوْحُ كِنَايَةً عَنِ السَّمْعِ وَيَكُوْنُ الْمُرَادُ اَنَّ اللّٰهَ يَرُدُّ عَلَيْهِ سَمْعَهُ الْخَارِقَةَ لِلْعَادَةِ بِحَيْثُ

[۱] ملخصاً و مباحث لمعات التنقیح فی شرح المشکوٰۃ تحت ھٰذا الحدیث۔ فطالعہ ھُنالک ولا تکن من الخاسرین۔

يَسْمَعُ سَلَامَ الْمُسْلِمِ وَإِنْ بَعُدَ فَصَحَّحَهُ وَيَرُدُّ عَلَيْهِ السَّلَامَ مِنْ غَيْرِ احْتِيَاجٍ

وَاسِطَةِ مُبَلِّغٍ وَلَيْسَ الْمُرَادُ سَمْعَهُ الْمُعْتَادَ بِحَيْثُ كَانَ يَسْمَعُ اطِيطَ السَّمَاءِ

كَمَا يَثْبُتُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ الْمُعْجِزَاتِ[له] وَهٰذَا قَدْ يَنْفَكُّ فِي بَعْضِ الْاَوْقَاتِ

وَجُوْدُ لَا مَانِعَ وَحَالَتُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْبَرْزَخِ كَحَالَتِهِ فِي الدُّنْيَا سَوَاءً

ترجمہ: امام سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ہمارے اس جواب سے دوسرا جواب بھی نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے جو یہ فرمایا اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اُمتیوں کا بے واسطہ درود وسلام سُننا بھی بطریق معجزہ خاص مراد ہو سکتا ہے یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ انور میں بعض اوقات اپنے اُمتیوں کا درود وسلام بغیر واسطۂ ملائکہ کے بھی سُنتے ہیں خواہ درود پڑھنے والا آپ کے روضۂ اطہر سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو لیکن آپ کا اس طرح سے بے واسطہ درود وسلام سُننا معہود اور عادت کے طریقہ کے طور پر نہیں بلکہ یہ بطریقِ معجزۂ مبارکہ کے ہے کیونکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اس قسم کے معجزہ کے ساتھ پورے طور پر موصوف اور ممتاز تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آسمانوں کے فرشتوں اور عالم ملکوت کی تسبیح و تہلیل کی آوازیں سُنتے تھے جیسا کہ کتابُ المعجزات میں مذکور اور ثابت ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کے بعض معجزات حیاتِ مقدسہ میں ہر آن و ہر لمحہ قائم نہیں رہتے تھے۔ لہٰذا اگر آپ کی برزخی حیاتِ مطہرہ میں احیاناً بعض امتیوں کا درود وسلام سُننا مراد لیا جائے تو اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ آپ دوسرے برزخی امور میں مصروف و مشغول ہونے کی بناء پر بے واسطہ درود وسلام سُننے کے لیے آپ کی روحِ انور متوجہ

[له] قلتُ حديث اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ الخ اَخْرَجَهُ اصحاب السنن ابي داؤد ولعل مراد السيوطي رحمه الله اَنَّ هٰذَا الحديث يتعلق بمعجزاته صلى الله عليه وسلم لان الحديث ما لخصه في كتاب المعجزات ۔

متوجہ کی جاتی ہے تاکہ آپ اُس کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔[۱] اور امام سیوطی مقدم الذکر کتاب میں حدیث مذکور کی تشریح مزید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وَیُخْرَجُ مِنْ هٰذَا جَوَابٌ اٰخَرُ وَهُوَ اَنَّ الْمُرَادَ بِرَدِّ الرُّوْحِ التَّفَرُّغُ عَنِ الشُّغْلِ وَفَرَاغُ الْبَالِ مِمَّا هُوَ بِصَدَدِهٖ فِی الْبَرْزَخِ مِنَ النَّظَرِ فِیْ اَعْمَالِ اُمَّتِهٖ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ مِنَ السَّیِّئَاتِ وَالدُّعَاءِ بِکَشْفِ الْبَلَاءِ وَالتَّرَدُّدِ فِیْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ بِحُلُوْلِ الْبَرَکَةِ فِیْهَا وَحُضُوْرِ جَنَازَةِ مَنْ مَاتَ مِنْ صَالِحِیْ اُمَّتِهٖ فَاِنَّ هٰذِهِ الْاُمُوْرَ مِنْ جُمْلَةِ اشْتِغَالِهٖ فِی الْبَرْزَخِ کَمَا وَرَدَتْ بِذٰلِکَ الْاَحَادِیْثُ وَالْاٰثَارُ الخ۔

ترجمہ: "اس سے ایک اور جواب پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ روحِ مبارک واپس کرنے کا یہ مطلب لیا جائے کہ آپ اُن ضروری اشغال سے فراغت پاتے ہیں جو آپ عالمِ برزخ میں مسلمانوں کے کام سرانجام دیتے ہیں جیسا کہ آپ کا اپنے اُمتیوں کے اعمال دیکھنا، ان کے لیے مغفرت کی دُعا مانگنا، ان سے مصائب و حادثات دور کرنے کی دُعا کرنا، زمین کے اطراف و اکناف پر نزولِ رحمت کے لئے تشریف لے جانا اور صلحاءِ اُمت کے جنازوں کے لیے حاضر ہونا یہ وہ امور ہیں جن کے ساتھ آپ برزخ میں دلچسپی اور مشغلہ رکھتے ہیں"۔

حضرت امام سیوطی رحمہ اللہ حدیث اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ کا جواب دیتے ہوئے مذکور الذکر کتاب میں فرماتے ہیں اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ کو ما کے فتحہ

---

[۱] کمترین بخاری عرض کرتا ہے کہ حضرت امام سیوطی رحمہ اللہ کے اس جواب سے ان حضرات کی پوری تائید ہوتی ہے جو بعض احادیث کی بناء پر یہ کہتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہل محبت و معرفت کا درود و سلام خود سنتے ہیں کیونکہ وہ یہی کہتے ہیں کہ دُور کی چیزوں کا سُننا آپ کا مخصوص معجزہ ہے دنیا میں بھی اور برزخ میں بھی۔ تو ان نصوص صریحات کے ہوتے ہوئے علماء بریلی اور ان کے ہم اعتقادوں پر کفر و شرک کی مشین گن چلانا نہایت ناانصافی اور اہلِ حق سے بیگانہ ہونے کی کھُلی دلیل ہے۔

سے بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوحِی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس صورت میں حدیث کا یہ معنے و مطلب ہوا کہ جب کوئی مسلمان مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو اس درود و سلام سے مجھے (یعنی آنحضرت صلعم کو) راحت و سرور اور انبساط و مسرت حاصل ہوتی ہے اور فرماتے ہیں اَنَّہٗ یَحْصُلُ لَہٗ بِسَلَامِ الْمُسَلِّمِ عَلَیْہِ اِرْتِیَاحٌ وَّ رَوْحٌ کہ آپ کو سلام بھیجنے سے راحت و مسرت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ آیا ہے۔ مختصر غرض یہ ہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ کے حدیث مذکور کے تمام جوابات سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم برزخ میں روح وجسدِ اقدس زندہ ہونا اپنے اُمتیوں کے کاموں سے ضروری مواقع پر دلچسپی لینا گاہ بواسطۂ ملائکہ گاہ خاص معجزہ کی بنا پر بے واسطہ ثابت ہوا ہے۔ اسی کی وضاحت کرنا ہمارا اصلی مقصود و مرام ہے۔ اس سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حی اور زندہ ہونا اچھی طرح عیاں ہے بلکہ یہ حکم تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِہٖ مَرَّ عَلٰی مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَھُوَ یُصَلِّی فِی قَبْرِہٖ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں واپسی کے وقت حضرت موسےٰؑ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اسی طرح ابو نعیم نے الحلیہ میں ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں واپسی کے وقت حضرت موسےٰ کو قبر مبارک میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ نیز ابو یعلیٰ اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے حیاتُ الانبیاء میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی کہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

لہ بہرحال اگر آپ حدیث ابو داؤد و بیہقی یعنی مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ (باقی برحاشیہ صفحہ آئندہ)

اسی طرح فخر المحدثین المتاخرین حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ حدیثِ مَنْ رَاٰنِیْ الخ کی تحقیق اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے فیض الباری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں :- ثُمَّ التحقیقُ اَنَّ رُؤْیَتَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یتعیّن لی رؤیۃ عین الذات المبارکۃ فَاِنَّ الْاَحْوَالَ فی رُؤْیَۃِ الشَّخص مختلفۃٌ رُبَّمَا تری شخصًا مِنَ الاحیاءِ ولا یکونُ لہٗ علمٌ برؤیتنا ولو کان فی المنام عین ما فی الخارج لکان عندہٗ شعورٌ بہا فالمرئیُّ اِذًا واللّٰہُ تعالٰی اَعْلَمُ قد یکونُ صُوْرَۃً مخلوقۃً لِلّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی مِثَالِ تلک الصُّوْرَۃِ ای اَنَّہٗ تَعَالٰی یَخْلُقُ حقیقۃً علی مِثَالِ صُوَرِنَا وروحانیّتِہٖ الّا انّا ایّاھا واَوْقَعَ فِیْ اَنْفُسِنَا مخاطبتھا ایّاھا وقد تکون روحُہُ المبارکۃ بنفسہا مع البدن المثالی ثم قد تکون یقظۃً ایضًا کما انّھا قد تکونُ منامًا۔ ویمکنُ عِنْدِیْ رُؤْیَتُہٗ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقظۃً لِمَنْ رَزَقَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ کما نُقِلَ عَنِ السُّیُوطی رحمہُ اللّٰہ تعالٰی (وکان زاہدًا متشددًا فی الکلام علٰی بعض معاصریہ مِمَّنْ لہٗ شانٌ) اَنَّہٗ رآہُ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلّم اثنین وعشرین مَرَّۃً وسألہٗ عن احادیثَ ثُمَّ صحّحہا بعد تصحیحِہٖ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلّم وکتبَ الیہ الشاذلی یتشفعُ بہٖ ببعض حاجتِہٖ الی سُلطانِ الوقت وکان یُوقِّرُہٗ فَاَبَی السیوطی رحمہ اللّٰہُ تعالٰی اَنْ یشفعَ لہٗ وقال اِنِّیْ لَا اَفْعَلُ ذٰلِکَ لِاَنَّ فیہ ضرر نفسی وضرر الاُمّۃ لِاَنِّیْ زرتُہٗ صلی اللّٰہُ علیہ وسلّم غیر مرّۃ ولا اعرف فی نفسی

الّا انّ اللّٰہ علیہ رادحی حتّٰی اَمَدَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ کی مزید تحقیق چاہتے ہیں تو آپ حضرت امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب اَنْبَاءُ الاَذْکِیَاءِ فی حیاتِ الانبیاء کا مطالعہ فرمائیے۔ تو ان شاء اللہ آپ کی ضرور تسلی اور تشفی ہو جائے گی ٭

أمراً منه أني: لا أذهب إلى باب الملوك فلو فعلت أمكن أن أخرم من
المنامات المباركة فأنا أرضى بضررك اليسير من ضرر الأمة الكثير،
والشعراني رحمه الله تعالى أيضاً كتب أنه رآه صلى الله عليه وسلم و
قرأ عليه البخاري في ثمانية رفقة معه ثم سماهم وكان واحد منهم
حنفياً وكتب الدعاء الذي قرأه عند ختمه فالرؤية يقظة متحققة
وإنكارها جهل۔ (فیض الباری ص ۲۰۴)

عبارت مذکورہ کے حاصل ترجمہ پر للہ غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا اونچا مرتبہ بخشا ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء کی قبروں میں کیا رکھا ہے وہ کتنے بددھن اور مشرکین عرب کے ہمنوا و ہم آہنگ ہیں۔

حاصل ترجمہ یہ ہے:۔ "تحقیق یہ ہے کہ خواب میں آپ کی ذات مبارکہ کی زیارت کسی خاص صورت میں متعین اور مخصوص نہیں ہے کیونکہ ایک شخص کے دیکھنے میں مختلف احوال ہوتے ہیں کہ بسا اوقات ہم زندوں میں سے ایک شخص کو دیکھتے ہیں مگر اس کو ہمارے دیکھنے کا علم نہیں ہوتا اور اگر ہم خواب میں بعینہٖ وہ صورت دیکھتے ہیں تو اس کو اس کا شعور و احساس ہونا چاہیئے۔ پس اس اعتبار سے کبھی ایسی صورت مرئیہ ہوتی ہے جو صورت حقیقیہ کی مثال ہوتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مقدسہ و معطرہ پر ایک ایسی حقیقت پیدا فرماتا ہے جو آپ کی صورت کریمہ اور روحانیت کی مثال ہوتی ہے اور اسی سے ہمارے نفوس کا مخاطبہ اور بات چیت ہوتی ہے (یہ ہے وہ صورت جیسے کوئی آفتاب کا عکس بعینہٖ دیکھے کیونکہ بعینہٖ آفتاب کی ذات دیکھنے کی طاقت نہیں ہوتی) مگر پھر بھی یہ معمولی سعادت نہیں کہ دیکھنے والا آفتاب کے عکس سے مستفید ہوا[1] اور فرماتے ہیں کہ کبھی

[1] اصل میں آپ کو خواب میں دیکھنے والے مختلف درجات اور متعدد احوال و مقامات کے حامل
(باقی بر حاشیہ صفحہ آئندہ)

خواب دیکھنے والا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ معلّٰی بعینہا آپ کے مثالی بدنِ اقدس کے مشاہدہ کے ساتھ بہرہ ور اور لطف اندوز ہوتا ہے اور حضرت محدّث کشمیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی خواب کی طرح آپ کو بیداری میں بھی دیکھے۔ یہ سعادت اس شخص کو مل سکتی ہے کہ جو مقبولِ بارگاہِ ربانی ہو۔ جیسا کہ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحؒ سے منقول ہے کہ آپ نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں بائیس ۲۲ مرتبہ دیکھا اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند احادیثِ مبارکہ کے بارے میں استفسار فرمایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن احادیث کی تصحیح فرمائی۔ تو امام سیوطی رحمہ اللہ نے بعد میں ان احادیث کی آپ کے حسبِ ارشاد تصحیح فرمائی۔ اور امام شاذلی رحمہ اللہ نے امام سیوطی کو بادشاہِ وقت کے پاس سفارش کرنے کی درخواست کی مگر امام سیوطی رحمہ اللہ نے سفارش سے انکار کرکے فرمایا کہ بادشاہِ وقت کے پاس جانے سے میرا اور اُمت کا نقصان ہوگا کیونکہ میں نے بارہا عیاناً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، میں اپنے نفس میں اس سعادتِ عظمیٰ کے پانے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا ہاں اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میں دنیوی بادشاہوں کے پاس نہیں جاتا ہوں اور امام شاذلی کو لکھا کہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں بادشاہ کے پاس آپ کا کام کرانے کے لیے جاؤں تو حضورؐ کے دیدارِ پُرانوار سے محروم ہو جاؤں[۱]۔ لہٰذا آپ کا تھوڑا سا نقصان بھاری نقصان و ضرر کے مقابلہ میں مجھے پسند ہے۔ مشہور محدّث امام شعرانی

(پیوستہ صفحہ گذشتہ) ہوتے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے استعداد و قابلیت یا سعادت اور عنایتِ الٰہی کے حسب دیکھتا ہے۔ ہاں یقین رکھنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل و کرم ہے جس نے اپنے نبی معظم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کا اونچا مرتبہ قیامت تک عطا کیا ہے۔

[۱] یہ ہے حضرت امام سیوطی رحؒ کی احتیاط کہ بادشاہوں کے پاس جانے سے [illegible] ایمان اور دیدارِ نبی میں خلل ہونے کا اندیشہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف سے عصرِ حاضر کے بہت سے مدعیانِ اعتقاد ہیں جو [illegible] بادشاہوں کے دروازوں پر سر مٹکتے ہیں بلکہ غیر مسلم حاکموں کی اس طرح خوشامد کرتے ہیں کہ دینِ اسلام [illegible] احکام و [illegible] اڑتا جا رہا ہے نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے برخلاف فیصلے نکلتے [illegible] فرماتے ہیں۔

رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ انہوں نے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بخاری شریف پڑھی اور پھر ان کے نام بتاتے جن میں سے ایک صاحب حنفی تھے اور امام شعرانی رحمہ اللہ نے وہ دُعا بھی لکھی جس کی آپ نے ان کو تعلیم کی۔ حضرت محدث کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں فالرُّؤیۃ یقظۃً مُتَحَقِّقَۃٌ وَاِنکَارُھَا جَھلٌ کہ آپ کو بیداری میں دیکھنا متحقق اور ثابت ہے اور اس کا انکار کرنا نادانی وجہالت ہے۔ آپ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر واقعی دیکھنے والا آپ ہی کو دیکھتا ہے تو پھر ایک ہی وقت میں متعدد انسان کیونکر دیکھ سکتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ پھر بھی خواب صحیح ہے اور دیکھنے والوں نے معاً آپ ہی کو دیکھا ہے کیونکہ ہر ایک پاکیزہ صورت میں آپ کا دیکھنا ممکن ہے یا تو وہ صورت مثالیہ ہوتی ہے یا عینِ ذاتِ گرامی ہوتی ہے صلی اللہ علیہ وسلم [1] پس اگر عاشق صادق آپ کے فراق میں سوز و گداز کے ساتھ آپ کے دیدار کی آرزو کرے اور یا رسول اللہ کہہ کر پکارے تو وہ اس پر مجبور ہے کیونکہ اس کے سامنے نہ صرف حضرت جلال الدین سیوطی رح اور حضرت امام شعرانی رح کے عجیب وغریب واقعات ہیں بلکہ اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو اُسے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدارِ پُرانوار کے لئے تڑپاتے اور بے قرار بناتے ہیں۔ کمترین بھی ضمناً حضور پُر نور شفیع روزِ محشر سے نہایت عاجزی سے عرض کرتا ہے۔ ابیات ؎

اِی صدر نشین حجاب تا کے ‌‌ ‌ ‌ ‌ وَے بَدرِ دُجیٰ نِقاب تا کے

اِی صدر نشینِ قابَ قوسَین ‌ ‌ ‌ ‌ وَے تاجورِ شہانِ کونین

برخیز زِ روضہ آشکارا ‌ ‌ ‌ ‌ بنمائے جمالِ تاجدارا

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیکَ وَسَلَّمَ

[1] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا لَیَھبِطَنَّ ابنُ مَریَمَ حَکَمًا عَدلًا وَاِمَامًا مُقسِطًا وَلَیَسلُکَنَّ فَجًّا حَاجًّا اَو

مُعْتَمِرًا وَلَيَأْتِيَنَّ قَبْرِي حَتَّى يُسَلِّمَ عَلَيَّ وَلَأَرُدَّنَّ عَلَيْهِ۔[1]

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر حَکَمِ عدل اور امام عادل بن کر اُتریں گے مقامِ حج روحاء سے حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے اور میری قبر مبارک پر ضرور بی حاضری دے کر عرضِ سلام مجھ پر کریں گے اور میں ضرور ان کے سلام کا جواب دوں گا۔

(ابن جریر و حاکم)

غرض مذکورۃ الذکر صحیح احادیث سے ثابت ہوا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مبارک اور قبرِ انور میں بروح و جسدِ نازنین زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی عنایت و فضل سے آپ درود و سلام بھیجنے والوں کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں اور یہ کہ ملائکہ سیاحین کے ذریعہ آپ پر اپنے اُمتیوں کا درود و سلام پیش کیا جاتا ہے اور کا ہے بطریقِ معجزۂ خاص آپ علی حسبِ احوالِ النّاس و درجاتہم بلا واسطہ بھی اپنے امتیوں کا درود و سلام سنتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بیداری میں بھی آپ پاکبازوں اور سعادتمند افراد و اشخاص کو رہبری و رہنمائی فرماتے ہیں اور نزولِ برکات کے لئے آپ حسبِ منشا روئے زمین پر تشریف لے جاتے ہیں اور صالحینِ اُمت کے جنازوں میں شرکت بھی فرماتے ہیں۔ حَیَاتُ النّبی سے ہمارا یہی مقصد ہے اور تمام سلفِ صالحین مِن المحدّثین والفقہاء الکاملین کا یہی مذہب و اعتقاد ہے البتہ خواب کی صورتوں میں حضراتِ محدّثین کی شرطیں احتیاط کی بناء پر کچھ سخت سی ہیں اور اولیاءِ اُمت اس میں کچھ نرمی فرماتے ہیں اور اس زمانہ میں جو وبا اور بیماری پھیلی ہوئی ہے کہ وہ پیغمبر صاحب کے اس بلند شان سے انکاری ہو رہے ہیں در حقیقت وہ آپ کی لوازمِ نبوت اور خواصِ رسالت سے ناواقفِ محض ہیں، اسی لئے وہ بہت سی بدیہیات دین اور امورِ متفقہ کا کَمَا یَنْبَغِی انکار کرتے ہیں۔ وہ اس بات میں اپنا طغرائے امتیاز سمجھتے ہیں کہ دینِ اسلام اور قرآن و سنّت ظاہری، مکّارانہ اور فاسد اغراض

[1] پوری حدیث اور مفصل بحث ترجمان السُّنَّۃ جلد سوئم صفحہ ۵۹۲ میں ملاحظہ فرمائیے۔

و اقتدار کے لئے استعمال کیا جائے۔ مگر آپ یاد رکھیے، اصلی دین کا مدّعا و مقصد تزکیۂ قلب اور تقویٰ و طہارت ہے اور اسلامی اقتدار سے بھی یہی تقویٰ و طہارت، روحانیت اور اخلاقِ عالیہ کے اعلیٰ مدارج حاصل کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں، جیسا کہ آیت اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ سے واضح ہے، تزکیۂ قلب اور صفائے باطن کے لئے ضروری ہے کہ دل حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و احترام سے معمور و منور ہو اور جو شانِ رفیع حق تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے اُس کا دل سے اعتقاد و یقین اور قول و فعل سے اُس کا اقرار و اعتراف ہو۔ ایمان اس بات کا نام نہیں کہ معاذ اللہ مسلمانوں کو اس بات کا تصور دلایا جائے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے قاصد اور پیغمبر تھے اور وہ اس معنی سے زندہ ہیں کہ آپ کا دین باقی ہے اور قبرِ انور میں مَعَاذَ اللّٰہ کیا رکھا ہے اور آپ کی لوازمِ نبوت اور کمالاتِ روحانیہ (جو تا قیامت باقی ہیں) کا انکار کرے اور احترامِ رسالت سے بے ادب اور گستاخ بنے۔ ایسے لوگ ایمان کی نعمت سے نہ صرف بے بہرہ ہیں بلکہ سلفِ صالحین کے اعتقادات اور اُنکے مُسلّمات کے سخت مخالف ہیں۔ اس لئے ہم نے ذرا تفصیل سے یہ بحث چھیڑی کہ حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ نے جو صفاتِ عالیہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمار کئے وہ ابد الدھر باقی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ باقی رہا یہ امر کہ آپ کو ہمارا درود و سلام پہنچایا جاتا ہے یا خود سُنتے ہیں، اس سے مسئلہ حیاتُ النبیؐ پر کوئی مخالف اثر نہیں پڑیگا۔ دونوں صورتوں میں آپ کا زندہ بروح و جسدِ اطہر ہونا ثابت ہوتا ہے جس کی تفصیل گذشتہ سطور میں آگئی ہے۔

ان اس مقام پہ دو اہم سوال پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب دینا ضروری ہے۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات سے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عالم سے تشریف لے جانے کے بعد بروح وجسد زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں ؛

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اور آیت وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ الخ سے صاف واضح ہے کہ موت ہر ایک متنفس کے لئے لازمی ہے خواہ وہ پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر۔ پھر حیاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مطلب ہے اس لئے جب تک دونوں سوالوں کا جواب قرآن ہی سے نہ دیا جائے اُس وقت تک دعوایِ حیات نامکمل اور ناقابلِ تسلیم ہے اور قانونِ عدل بھی یہی ہے کہ مُخالف کی بات پر بھی غور وفکر کرنا چاہیئے اور مُخالفت برائے مخالفت نہیں ہونی چاہیئے اس لئے ہم پر اخلاقی اور قانونی فرض ہے کہ ہم اسی جگہ دونوں سوالوں کا جواب ہدیۂ ناظرین کریں۔

الجواب :- جہاں تک سوال ۱ کا تعلق ہے تو ہم پورے یقین واتقان کے اثبات کے ساتھ جواب دیتے ہیں مگر قبل اسکے کہ ہم زیرِ بحث سوال کا جواب قرآنی آیات سے دیں، پہلے یہ مُسلّم مقدمہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ عُلماءِ اصولِ فقہ کے نزدیک قرآنی آیات سے استدلال کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کبھی عبارۃُ النص، کبھی اشارۃُ النص، کبھی دلالۃُ النص اور کبھی اقتضاءُ النص سے استدلال کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم پہلے چاروں دلالتوں کی تعریف کرینگے

ملاحظہ ہو نورُ الانوار شرح منار صفحہ ۱۴۶

۱۔ وَاَمَّا الْاِسْتِدْلَالُ بِعِبَارَةِ النَّصِّ فَهُوَ الْعَمَلُ بِظَاهِرِ مَا سِيْقَ الْكَلَامُ لَهٗ۔

۲۔ وَاَمَّا الْاِسْتِدْلَالُ بِاِشَارَةِ النَّصِّ فَهُوَ الْعَمَلُ بِمَا ثَبَتَ بِنَظْمِهٖ لُغَةً لٰكِنَّهٗ غَيْرُ مَقْصُوْدٍ وَلَا سِيْقَ لَهُ النَّصُّ وَلَيْسَ بِظَاهِرٍ مِّنْ كُلِّ وَجْهٍ۔

۳۔ وَاَمَّا الثَّابِتُ بِدَلَالَةِ النَّصِّ فَمَا ثَبَتَ بِمَعْنَى النَّصِّ لُغَةً لَا اِجْتِهَادًا۔

۴۔ وَاَمَّا الثَّابِتُ بِاِقْتِضَاءِ النَّصِّ فَمَا لَا يُعْمَلُ النَّصُّ اِلَّا بِشَرْطِ تَقَدُّمِهٖ فَاِنَّ

ذٰلِكَ اَمْنٌ اِقْتِضَاءُ النَّصِّ لِصِحَّةِ مَا تَنَاوَلَهُ فَصَارَ هٰذَا مُضَافًا اِلَى النَّصِّ بِوَاسِطَةِ الْمُقْتَضٰی ؎

۱۔ اِستدلال بعبارۃ النص کی مختصر تعریف یہ ہے کہ "اُس ظاہری معنیٰ پر عمل کرنا جس کے لئے قرآن کی عبارت بالذات نازل ہوئی"۔ دوسرے لفظوں میں یوں فرمایئے کہ عبارۃ النص اُس حکم کا نام ہے جس کی طرف قرآنِ کریم کی عبارت سے ذہن منتقل ہوجائے جیسے ایک سے چار عورتوں تک نکاح کے جائز ہونے پر فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ الخ سے استدلال کرنا کہ اس آیت سے بالذات یہی بیان کرنا مقصود ہے کہ ایک مرد بیک وقت چار بیبیوں سے نکاح کرسکتا ہے۔

۲۔ استدلال باشارۃ النص کی تعریف یہ ہے کہ اُس حکمِ قرآنی پر عمل کرنا جو لغت کی رُو سے ثابت ہو لیکن وہ حکم عبارت میں غیر مقصود ہو اور نہ اس کے لئے کلام چلایا گیا ہو اور نہ ہر لحاظ سے وہ ظاہر ہو جیسا کہ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ میں کلام اس لئے چلایا گیا کہ نابالغ اولاد کا نان و نفقہ اس کے باپ کے ذمہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ عبارۃ النص ہے اور اسی آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نسب کی نسبت نہ اعتبار باپ کی طرف ہوتی ہے۔ پس اگر کسی بچہ کا باپ قریشی ہو اور اُسکی ماں عجمی ہو تو بچہ قریشی ہی متصور ہوگا۔ کما فی قمر الاقمار شرح نور الانوار۔ پس حکم شرعی جس طرح عبارۃ النص سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح اشارۃ النص سے بھی ثابت ہوتا ہے مگر بصورت تعارض عبارت النص کو ترجیح دی جائے گی۔

۳۔ دلالۃ النص کی تعریف یہ ہے کہ "جو نص کے معنیٰ سے باعتبارِ لغت ثابت ہوجائے نہ باعتبارِ اجتہاد"۔ جیسا کہ وَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا سے ماں باپ کے دل دُکھانے ایذا ان کے سب و شتم کی حرمت پر

؎ ومثل هٰذا فی جمیع کتب اصول الفقہ کالحسامی وشرحہ والتوضیح وغیرھا۔

Scanned with CamScanner

استدلال کرنا دلالۃ النص ہے۔ یہ لغت سے ثابت ہے، اجتہاد کو اس میں کوئی دخل نہیں ورنہ اس آیت عبارۃ النص سے ماں باپ کو اُف کرنا منع ثابت ہوتا ہے وہ مقصود نہیں بلکہ مقصود تو اس کا لازمی معنی ہے۔ یعنی الایلام وحرمۃ الضرب والشتم صرف لفظ حرام نہیں بلکہ اس کا لازمی معنی مراد ہے وہ یہ ہے کہ ماں باپ کا دل دکھایا جائے اور انہیں سب وشتم کیا جائے۔ صاحب توضیح نے شرعیات میں اس کی مثال یہ دی ہے کہ صاحبین کے نزدیک حد زنا سے لواطۃ (معاذ اللہ) کی حد ثابت کی جائے کیونکہ دونوں جگہ علت مشترک ہے۔ وہ قضاء الشھوۃ بسفح الماء فی محل حرام مشتھی وھذا موجود فی اللواطۃ ایضا کذا فی التوضیح یعنی محل حرام میں شہوت کے ساتھ مادہ منوی ڈالنا یہ زنا اور لواطۃ دونوں جگہ برابر پایا جاتا ہے اس لئے دونوں کا حکم ایک ہی ہونا چاہیئے۔ پس حد زنا سے حد لواطۃ ثابت کرنا دلالۃ النص ہے اور اجتہاد کو اس میں کوئی دخل نہیں کیونکہ یہ حکم لغت اور الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔ فرض کیجئے کسی قوم کی اصطلاح یا محاورہ میں ماں باپ کو اُف کرنا باعث عزت گردانا جاتا ہو تو کیا اس صورت میں بھی ہم نہیں اُف کرنا حرام ہے۔ جواب یہ ہوگا کہ ہرگز نہیں۔ صرح بہ من صرح من الاصولیین

۴۔ اقتضاء النص کی تعریف یہ ہے کہ جب تک وہ عبارت مقدر نہ مانی جائے جس کا تقاضا نص اور عبارت نے کیا ہے اس وقت تک حکم ربانی پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ جیسے دربار کفارات غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حکم پر عمل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے یہ تسلیم کیا جائے کہ جو غلام آزاد کیا جائے آزاد کرنے والا اس کا مالک ہونا چاہیئے۔ ورنہ دوسرے کا غلام کیونکر آزاد کیا جائے۔

بہرحال احکام شرعیہ پر جب نص قرآنی سے استدلال کیا جاتا ہے تو متفقہ طور پر اس کی چار صورتیں ہیں:۔ (۱) عبارۃ النص (۲) اشارۃ النص (۳) دلالۃ النص (۴)

Scanned with CamScanner

اقتضاءُ النّص۔ اسمیں علماءِ اصولِ فقہ کا اتفاق ہے۔ اب ہم اس مختصر اور مسلّمہ تمہید کے
بعد اپنے اصلی مقصد یعنی سوال ۱ کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ کسی قرآنی
آیت سے بھی آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بعدِ وصال زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ نہیں
فاقول وبِاللہ التوفیق ولاسیما فی مقام التحقیق والتدقیق ۔
جن قرآنی آیات سے حضرت سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم کے عالمِ برزخ میں مع روح
وجدِ اقدس حیات اور زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے اُن میں سے آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ہے کیونکہ اگرچہ
عبارۃ النّص کے لحاظ سے آیتِ مذکورہ سے شہیدوں کی زندگی بعدِ شہادت ثابت ہے
لیکن اسی آیت سے باشارۃُ النّص نہ صرف آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا النّبیّ الحی قبر
مبارک میں زندہ ہونا ثابت ہے بلکہ اسی آیت سے باشارۃُ النّص دوسرے انبیاءِ سابقین
کا بھی برزخ میں زندہ ہونا اور اُن کا مِن جانب اللہ مرزوق ہونا ثابت ہے کیونکہ
انبیاءِ کرام نے نبوّت ورسالت کے ساتھ شہادت کا مقام اور وصف بھی اتفاقاً حاصل
کیا ہے۔ قَالَ الامامُ السیوطی یعنی یہ جواب حضرت امام سیوطی شافعی رحمہُ اللہ کا
ہے۔ چنانچہ آپ اَنْبَاءُ الْاَذْكِيَاءِ فِيْ حَيَاتِ الْاَنْبِيَاءِ میں فرماتے ہیں وقد قالَ
اللہُ تعالیٰ فی الشُّهَدَاءِ: " وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ
اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ سے استدلال کرتے ہوئے
فرماتے ہیں وَالْاَوْلِيَاءُ اَوْلٰى بِذٰلِكَ فَهُمْ اَجَلُّ وَاَعْظَمُ وَكُلُّ نَبِيٍّ اِلَّا
وَقَدْ جَمَعَ مَعَ النُّبُوَّةِ وَصْفَ الشَّهَادَةِ فَيَدْخُلُوْنَ فِيْ عُمُوْمِ لَفْظِ الْاٰيَةِ
کہ اس آیت کی رُو سے انبیاء کا برزخ میں زندہ اور مرزوق لہم ہونا بطریق اولیٰ ثابت
ہوتا ہے کہ تمام انبیاءِ کرام نے اپنی اپنی نبوت کے ساتھ شہادت کا وصف ومقام بھی
پایا ہے اور اُن کا وصفِ شہادت سے موصوف ہونا زیادہ اعلیٰ اور سزاوار ہے۔ پھر

موصوف اس حدیث سے اس دعویٰ پر استدلال فرماتے ہیں جس کو ابو یعلیٰ وطبرانی و حاکم نے المستدرک میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نکالا ہے وہ یہ ہے:۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال لان احلف تسعا ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل قتلا احب الی من ان احلف واحدۃ انہ لم یقتل وذلک ان اللہ اتخذہ نبیا وشہیدا یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی فرماتے ہیں کہ میرا نو بار اس بات کی قسم کھانا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کیے گئے یعنے درجۂ شہادت پائی، بہتر ہے بنسبت اس کے کہ میں ایک بار قسم کھاؤں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید نہیں کئے گئے۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ وجہ بیان کی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وصال میں فرماتے تھے کہ میں اس کھانے کی تکلیف ہمیشہ پاتا رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا جو زہر آلود تھا۔ (اس کی روایت بخاری اور بیہقی نے کی) حضرت سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فثبت کونہ حیا بنص القرآن اما عموم اللفظ واما من مفہوم الموافقۃ لہذا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر انور میں زندہ رہنا قرآن کریم کے عموم الفاظ سے یا مفہوم موافق سے ثابت ہے۔ بعض علماء آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر اطہر میں زندہ ہونا کہ ما ارسلناک الا شاھدا و مبشرا و نذیرا سے ثابت کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ شاھد گواہ کو کہتے ہیں، گواہ وہ ہو سکتا ہے جو مشہود لہٗ یا مشہود علیہ کے حالات و واقعات سے واقف اور مطلع ہو۔ لہذا مطلع اور باخبر زندہ ہی ہو سکتا ہے۔ جو از جان اور از خود بے خبر ہو وہ دوسروں کا کیا گواہ ہو سکتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک اس آیت سے اس وقت استدلال درست ہوگا جبکہ شاہد کا ایک ہی معنی گواہ کے ہوتے ہوں حالانکہ شہید کے عربی زبان میں [illegible] معنی آتے ہیں جن میں سے

ایک معنیٰ روشن ستارہ بھی آتا ہے اس لئے اس آیت سے استدلال تام نہیں اور نہ مکمّل ہو سکا لیکن اگر عامۂ مفسّرین کے بتائے ہوئے معانی کی طرف کچھ التفات کیا جائے تو اس آیت سے بھی بطریقِ اشارۃُ النّص استدلال کرنا صحیح اور بجا ہوگا۔

میرے نزدیک حیاتُ النبی صلّی اللہ علیہ سلّم پر عبارۃُ النّص سے استدلال کرنا آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ سلّم کی شان کا اعتنا اور توجہ خاص فرماتے ہیں تو مسلمانو! تم بھی اُن پر درود و سلام سے اعتنا و توجہ کر کے انکی خوشنودی حاصل کرو) سے زیادہ بہتر ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ صیغۂ یُصَلُّوْنَ صیغۂ مضارع ہے اور یہ تجدّد و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور پھر مسلمانوں کو آپ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم قیامت تک باقی ہے اور عَلَیْہِ کی ضمیر کا مرجع اَلنَّبِیِّ ہے جو اس بات کا مقتضی ہے کہ اَلنَّبِیّ قیامت تک زندہ ہیں کیونکہ ضمیر کے مرجع کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کما لایخفیٰ۔ البتہ یہ استدلال دلالۃ النص سے ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اعتنا و توجہ بذاتِ اقدس حضرت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ سلّم اس کا ایک فعل یا صفت ہے خدا کے افعال قدیم ہیں جس طرح اس کی ذات قدیم ہے۔

لے یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم

اسی طرح حیاتُ النبی پر آیت اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے (ترجمہ آیت:- آپ ہی کھُلم کھُلا ڈرانے والے اور تمام اقوام کے رہبر و رہنمائی فرمانے والے ہیں) چونکہ آپکی رہبری کا وصف قیامت تک باقی ہے اسلئے اس وصف کے موصوف (رہبر) کا باقی اور زندہ ہونا ضروری ہے۔ ورنہ صفت بدون موصوف کے پایا جانا لازم آتا ہے۔ وَھُوَ کَمَا تَرٰی۔ بہر کیف سوال کے جواب کے لئے اتنا کافی ہے۔ اس کی مزید تفصیل اِن شاءَ اللہ حَتّٰی اَتَاہُ الْیَقِیْنُ کی بحث میں آئے گی۔ پھر پیغمبروں کا قبروں میں زندہ ہونا متواترات سے ثابت ہے۔

تو مزید تشریح کی بھی خاص ضرورت نہیں ہے۔

اب رہا دوسرے سوال کا جواب تو اس کے متعلق عرض ہے کہ انبیاء کرام کی موت دائمی نہیں ہوتی جیسا کہ تفسیر مظہری میں موت پہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اعیان ثابتہ ممکنات خارجیہ کے اصول ہیں اور تمام موجودات ممکنہ کی حقیقت میں عدم داخل ہے اس لئے دنیوی زندگی موت کی آمیزش سے خالی نہیں اور فی الحال اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اور كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ کہنا صحیح ہے کیونکہ صیغۂ مشتق (اسم فاعل، صفت مشبّہ وغیرہ) حال میں استعمال حقیقی ہے اور ماضی و مستقبل کے معنے میں مجازی) انتہٰی بلفظہٖ۔

پس خلاصۂ جواب یہ ہے کہ انبیاء کرام کی موت دوام کے لئے نہیں ہوتی جس پر وہ حدیث قرینہ ہے جو امام سیوطی رحمۃ اللہ نے اَنْبَاءُ الْاَذْكِيَاءِ فِيْ حَيَاتِ الْاَنْبِيَاءِ میں نقل کیا ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام چالیس دن سے زیادہ قبروں میں بحالت موت نہیں رہتے بلکہ چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں حیات دائمی اور روحانی و جسمانی زندگی سے نوازتا اور بہرہ مند فرماتا ہے۔

Scanned with CamScanner

حَامِلِ لِوَاءِ العِزِّ الاَعلیٰ

آپ اونچے درجے کا مقدس علم مبارک اُٹھائے ہوئے ہیں۔
حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تمہید در نہج علم مبارک پنہیں دستِ مبارک میں شرژ ٹھ۔

اَلتَّحقِیق :-

حَامِلٌ واحد مذکر اسم فاعل حَمَلَ حَمْلاً، حُمْلَانًا۔ اَلشَّیئَ عَلٰی ظَهْرِہٖ : اُٹھانا۔ عَلَی الْغَضَبِ : غصّہ ظاہر کرنا۔ عَلٰی نَفْسِہٖ فِی السَّیْرِ : چلنے میں مشقّت اُٹھانا۔ حَمَلَہٗ عَلَی الْاَمْرِ : اُکسانا، برانگیختہ کرنا۔ حَمَلَ عَنْہُ بردبار ہونا۔ الشَّیئَ عَلَی الْاٰخَرِ ایک کا حکم دوسرے پہ لگانا۔ حَمَلَتِ الْمَرْأَۃُ : حاملہ ہونا۔ الشَّجَرَۃُ پھلدار ہونا۔ القرآن یاد کرنا۔ الْعِلْمَ : روایت کرنا، نقل کرنا۔ حَمَالَۃً بِہٖ : ضامن ہونا۔

حَمَلَہٗ و اَحْمَلَہٗ الْحِمْلَ : بوجھ اُٹھانے میں مدد کرنا[1]۔

اَللِّوَاءُ : جھنڈا۔ اور یہ رَایَۃٌ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ لِوَاء اس وجہ سے کہتے ہیں کہ بڑا ہونے کے سبب موڑ کے رکھا جاتا ہے۔ اور ضرورت ہی کے وقت کھولا جاتا ہے۔ اس کی جمع اَلْوِیَۃ و اَلْوِیَات آتی ہے۔ اَللَّوْیُ (مصدر) معدہ کا درد، گھٹنا کی کجی۔ یہ لفیف مقرون یعنی عین اور لام کے مقابلہ میں علی الترتیب دو حرفِ علّت وٗ اور یٗ ہیں۔ اس مادّہ کے اور بھی معنیٰ آتے ہیں۔

اَلْعِزُّ : عزّت، سخت بارش۔ مَنْ عَزَّ بَزَّ وہ شخص غالب آیا ہے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے جو غالب ہو چھین لے۔ عَزَّ اَ عَزًّا جس طرح بھی اس کو لے آوے۔ اَلْعِزَّۃُ حصول کے مقابلہ میں غالب ہونا، حمیّت۔ یہ از روئے علمِ صرف مضاعف ثلاثی ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زمانۂ جاہلیت کے متعلق فرماتی ہیں:

[1] دیکھو مصباح اللغات اور المنجد وغیرہا میں اس لفظ کی مزید تحقیق۔

Scanned with CamScanner

اِذِ النَّاسُ مِنْ ذَاكَ مَنْ عَزَّ بَزَّا [1] کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ حالت تھی کہ جو غالب آجاتا وہ مغلوب سے سب کچھ چھین لیتا تھا یعنی کوئی ملکی ضابطہ اور امن و امان نہ تھا۔

اَلْاَعْلٰی : یہ اَلْعِزّ کی صفت ہے اس لئے حکماً غیر منصرف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ اس کا مادہ عُلُو ہے یعنی معتل اللام واوی عَلَا یَعْلُوْ عُلُوًّا و عَلِیَ یَعْلٰی عَلَاءً معتل اللام یائی۔ وَاعْتَلَی الشَّیْءُ اَوِ النَّھَارُ بلند ہونا۔ عَلَا الرَّجُلُ غالب ہونا۔ عَلَاہُ بِالسَّیْفِ تلوار سے مارنا۔[2]

اَلتَّشْرِیْح :- چونکہ اس مقام پر حَامِلِ جُملہ سابقہ کی صفت ہے اس لئے مجرور ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونچے عزت والے مبارک جھنڈے کے اُٹھائے ہوئے ہونے سے کیا مطلب ہے؟ تو اس کی متعدد توجیہات ہو سکتی ہیں :-

(۱) **اَوَّلاً** یہ کہ آپ نبوتِ عامّہ یعنی قیامت تک باقی رہنے والی نبوت و رسالت کے حامل اور علمبردار ہیں کہ آپ کی نبوت دوسرے پیغمبروں کی نبوت و رسالت کی طرح وقتی اور تادم حیات ظاہری محدود نہیں بلکہ جس نبوت کے آپ علمبردار ہیں وہ رہتی دنیا تک قائم و دائم اور باقی و غیر متغیر ہے حتّٰی کہ اس میں ترمیم و تبدیلی کی ذرہ برابر گنجائش اور امکان نہیں چونکہ آپ ہی کو اللہ تعالیٰ نے اس شرف و عزت کے ساتھ مخصوص اور ممتاز بنایا اس لئے حضرت مُصنّف رضی اللہ عنہ نے آپ کی نبوتِ عامہ اور پیغامِ ابدی کو عزِ اعلیٰ سے تعبیر فرمایا جیسا کہ قرآن کریم میں یہ مضمون بہت سی آیات میں ملتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ اور اے نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لئے چاہے وہ عرب زاد یا عجم، یورپ کے باشندے ہوں یا ایشیا کے رہنے والے، پیغمبر بنا کر مبعوث

---

[1] ... [illegible] ... میں یہ مصرعہ نقل کیا ہے۔ [2] اس مادہ میں اور بہت سے ... [illegible] کتابوں کی طرف رجوع فرماتے جائیے ہم تو ... [illegible]

فرمایا ہے اور آپ کی نبوت ورسالت میں قومیت اور زمانہ کی کوئی خصوصیت اور توقیت نہیں ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ آپ کھلے طور پر لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے اور آپ ہی ہر قوم کے لئے ہادی اور رہبر ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔[۱] واضح رہے کہ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ میں واو عاطفہ ہے اس بناء پر اصل عبارت اس طرح ہوگی اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّهَادٍ لِكُلِّ قَوْمٍ۔ اور اس میں شک نہیں کہ واو مجازاً حال کا بھی معنی دیتا ہے مگر حقیقت کا معنی صحیح ہوتے ہوئے مجاز کی طرف رجوع کرنے کی بلا وجہ کوئی مجبوری نہیں خاص کر جبکہ واو حالیہ لینے کی صورت میں کچھ ناعاقبت اندیش لوگ اس سے غلط معنے مراد لیتے ہیں

ثانیاً۔ ہوسکتا ہے کہ حَامِلِ لِوَاءِ الْعِزِّ الْاَعْلٰی حدیث لواء الحمد کی طرف اشارہ ہو۔ تب اس فقرہ میں از روئے قواعد علم البدیع صنعتِ تلمیح ہوگی۔ حدیث لواء الحمد سے وہ حدیث مراد ہے جس کو امام محمد بن عیسی الترمذی رحمہ اللہ نے جامع ترمذی جلد دوم ابواب المناقب ص۲۰۱ میں ذکر کیا ہے۔

ARABIC COLLEGE LIBRARY No (2) Price ... BAGH

باب حدثنا الحسین بن یزید الکوفی قال حدثنا عبد السلام بن حرب عن لیث عن الربیع بن انس عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا خطیبهم اذا وفدوا وانا مبشرهم اذا ایسوا لواء الحمد[۲] یومئذ بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی ولا فخر[۳]۔ (هذا حدیث حسن غریب)[۴]

[۱] ولعل المعنی هو الصحیح عندنا نبهنا علیه بعض اساتذتنا وفقت الله رحمه الله۔
[۲] لواء الحمد یومئذ بیدی۔ اللواء الرایة ولا یمسکها الا صاحب الجیش یرید به انفراده وشهرته علی رؤس الخلائق والعرب تضع اللواء موضع الشهرة۔ طیبی بحواله حاشیه ترمذی۔
[۳] قال فی اللمعات نفی قوله ولا فخر ای لا اقوله تفخرا ولکن شکرا ای تحدیثا بنعمة ما امر به بقوله تعالی واما بنعمة ربك فحدث۔ واداء لما وجب علیه بتبلیغه الی امته لیعرفوه ویعتقدوه ویعملوا بمقتضاه ۱۲۔ ...

ترجمہ بحذفِ السند: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جب عوام و خواص لوگ قبروں سے نکل جائیں گے تو سب سے پہلے میں قبر سے نکلوں گا۔ جب پیغمبر حضرت رب العالمین کے سامنے پیش ہونگے تو میں ہی اس وقت کلام کروں گا، میں ہی ان کو خوشخبری سناؤں گا جبکہ وہ (الٰہی جلال دیکھ کر) مایوس ہونگے اور اس دن حمد و ثنا کا پُرشکوہ جھنڈا میرے ہی دستِ مبارک میں ہوگا۔ اور میں ربُّ العالمین کے نزدیک حضرت آدم کے تمام اولاد سے برتر اور سب سے بہتر ہوں۔ فخراً نہیں کہتا بلکہ شکرانِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں۔ (یہ حدیث حسن غریب ہے)

بہرحال اگر اس حدیث کے پیشِ نظر حَامِلِ لِوَاءِ الْعِزِّ الْاَعْلٰی سے یہ معنٰے مراد لیا جائے تو بلاشک سرکارِ دو عالم تاجدارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ منقبتِ عظیمہ اور مرتبۂ جلیلہ ہے جو قیامت کے دن آپ کو حاصل ہوگا۔ آپ کی اسی عظمت و رفعت کی طرف حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا تو اس صورت میں اس کا ترجمہ یوں ہوگا کہ: "قیامت کے دن آپ ہی عِزِّ اَعْلٰی عزت و سربلندی کا جھنڈا اُٹھائیں گے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اسم فاعل یعنے حَامِلٌ بمعنی مستقبل ہوگا۔ وھو کما تریٰ۔

اَللّٰھُمَّ احْشُرْنَا تَحْتَ لِوَائِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔

(۳) ثَالِثًا: حَامِلٌ کا لغوی معنی ملحوظ رکھ کر یہاں پر تیسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ اَلْعِزُّ الْاَعْلٰی سے قرآنِ کریم مُراد ہو اور لِوَاء کا لفظ اُس کے لئے استعارہ بر لانا اس مناسبت کی بنا پر ہے کہ اوّل جھنڈے کو جماعت میں سب سے برتر آدمی اُٹھاتا ہے اور پھر ضرورت کے وقت اس کو استعمال کر کے صحیح رہبری کرتا ہے تو اس لحاظ سے حضرت

فی توقیرہٖ و محبتہٖ۔

لہ وھٰھنا احتمالاتٌ اُخَرُ ترکناھا لما فیھا دِقّۃٌ واحتیاجٌ الی الامعانِ التّام۔

مصنف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے اور اس کے علمبردار ہیں اور آپ کا حاملِ قرآن ہونا آپ کے اوصاف و معجزات میں سے سب بڑا وصف اور سب سے اونچا معجزہ ہے۔ اسی پر ہمارے تمام دین و ایمان کا دار و مدار ہے جیسا کہ حضرت ضیغمِ اسلام عاشقِ رسولِ انام صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

گر ہمی خواہی مسلمان زیستن ؛ نیست ممکن جز بقرآن زیستن

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَشَرَفِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزِدْ فِي قُلُوْبِنَا حُبَّهٗ وَحُبَّ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَلَا تَحُلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.

(۴) رابعاً۔ حَامِلِ لِوَاءِ الْعِزِّ الْاَعْلٰى سے فتحِ مکہ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ یعنے اَلْعِزُّ الْاَعْلٰى سے فتحِ مکہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور حَامِل[1] سے مراد حلم و ضبط اختیار فرمانے والے۔ تو اس جملہ کے حاصل معنیٰ یہ ہوئے کہ فتحِ مکہ میں باوجود عزت و فتح کے تحمل فرمانے والے اور اپنے دشمنوں سے انتقام نہ لینے والے بلکہ عفو و درگذر کا درس دینے والے آپ ہی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ آپ کا وہ حلم و ضبط ہے جو تمام فاتحین کے لئے درسِ عبرت ہے۔

بہرحال آپ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ کی قابلیت کی داد دیجیئے کہ آپنے حدیث مبارک کے جملہ معانی پر غور فرماکر اُن سے قدرِ مشترک نکالا جس کو آپ نے حَامِلِ لِوَاءِ الْعِزِّ الْاَعْلٰى سے تعبیر فرمایا۔ یہ ایک ایسا جامع لفظ ہے جو کہ تمام معانی پر حاوی اور جملہ احتمالاتِ صحیحہ مذکورہ و غیر مذکورہ پر محیط ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزِ اعلیٰ کی کوئی نہایت نہیں ہے۔ وَلَنِعْمَ مَا قَالَ الْعَلَّامَةُ الْبُوْصِيْرِيُّ رَحِمَهُ اللهُ

[1] جیسا کہ ہم نے حمل کے بہت سے معانی میں سے ایک معنی یہ بھی بتا دیا کہ حمل عنہ، بردبار ہونا اور معنی وہ بیان کرنا چاہیئے جو لغت سے ملی لغت یا مشابہت رکھتا ہو۔ آخر حضرت مصنف قطب الاقطاب ہونے کے علاوہ بہت بڑے محدث اور ادیب بھی ہیں) لہٰذا آپ کلماتِ مبارکہ چن چن کر لانے میں ان کا ہی لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

فی البردۃ حیث یقولُ وللہِ درّہٗ ابیہ۔ ؎

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ
وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

(ترجمہ) ہمارا انتہائی علم آپؐ کے بارے میں بس اتنا ہے کہ آپ بے مثال بشر اور بے نظیر و بے مثال فرزندِ آدم علیہ السلام ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ تمام کائنات و مخلوقات سے بہتر اور بلند ہیں جس کا پورا علم اور ٹھیک اندازہ ہم نہیں کر سکتے کہ ایک محدود علم اور کم نظر والا آپ کے بارے میں کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَمَالِكَ اَنْ مَّتِ الشَّرَفِ الْاَسْنٰى

اور آپ اُن تمام امور کے مالک ہیں جن پر خدا تعالیٰ کے اعلیٰ درجہ کے قرب نجات پانے کا دارومدار ہے۔
ہیرچھ آنحضرتؐ تمن سارنے چیزن ہندی مالک یمن پیمٹ خداتعالیٰ ہشنز نزدیکی تیر نجات لبکٹ دار ومدار چھ التحقیق۔

مَالِكِ: اسمِ فاعل مَلَكَ مُلْكًا و مِلْكًا و مُلْكًا و مَلْكَةً و مَمْلَكَةً و مَمْلِكَةً و مَمْلُكَةً، الشَّيْئَ: مالک ہونا۔ — عَلَى الْقَوْمِ غالب ہونا۔
— عَلٰى فُلَانٍ اَمْرَهٗ کسی کے کام پر حاوی ہونا۔ — نَفْسَهٗ: قابو رکھنا۔ — الْمَرْأَةَ: نکاح کرنا۔ مَلَكَ مُلْكًا الْعَجِيْنَ: اچھی طرح سے گوندھنا وغیرہ

سورۃ الفاتحہ میں مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا ترجمہ مَالِكِ يومِ الجزاء سے کیا گیا ہے۔ وہاں پر دو قرأتیں ہیں ایک تو مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی ہے جس پر دوسری آیت لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ سے تائید ہوتی ہے۔ اس صورت میں مَلِكِ[1] بمعنے بادشاہ ہے۔ اور عاصم کی قرأت میں مَالِكِ ہے۔ یعنے مَالِكِ الْاُمُوْرِ كُلِّهٖ فِيْ

[1] نظیری نیشاپوری کہتا ہے ؎ لِمَنِ الْمُلْكُ نعرہ می زند امروز ٭ غیر ما کیست در زمانۂ ما

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام امور کا بذاتِ خود متصرّف و مختار ہوگا۔ اگرچہ وہ آج بھی مالک ہے مگر آج دنیاوی مجازی مُدّعی سلطنت بہت ہیں مگر اُس دن اس قسم کے مجازی دعوٰی کا کوئی بھی نام نہیں لے سکتا۔

اب رہا یہ سوال کہ مالك اسم فاعل ہے اُس کی اضافت سے تخفیفِ لفظ کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہوتا تو پھر وہ اللہ کے لئے کس طرح صفت بن گیا تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مالك کی يَوْمِ الدِّيْنِ کی طرف اضافت بطریقِ اتساع کے ہے یعنی مفعول فیہ کو بمنزلۂ مفعول بہ بنایا گیا جیسے يَا سَارِقَ اللَّيْلِ اَهْلَ الدَّارِ پس اس اعتبار سے وہ اضافتِ حقیقۃ مفیدۃ للتعریف کے ہم آہنگ ہے اس لئے اس کا لِلّٰهِ کا صفت بننا درست ہوا۔ وَالتَّفْصِيلُ فِي التَّفَاسِيرِ وَفِيْ جَوَابِنَا لِلْخَصْمِ مَقَالٌ

اَلزِّمَامُ: زَمَّ يَزُمُّ زَمًّا: باندھنا۔ اَلْقِرْبَةَ: مشک بھرنا۔ یعنی یہ مضاعف ثلاثی ہے۔ اَلزِّمَامُ: جس سے کوئی چیز باندھی جائے، مہار، باگ، نکیل، لگام۔ اس کی جمع اَزِمَّةٌ آتی ہے۔ زِمَامُ النَّعْلِ: جوتے کا تسمہ۔ کہا جاتا ہے هُوَ زِمَامُ قَوْمِهِمْ: وہ اپنی قوم کا سردار اور چودھری ہے۔ وَهُوَ زِمَامُ الْاَمْرِ: اس پر کام کا دار و مدار ہے۔

اَلشَّرَفُ: اس کی تحقیق پہلے آچکی ہے۔

اَلْاَسْنٰى: یہ اسم تفضیل ہے، اس کا مادہ اور اصل سَنَا يَسْنُو سُنُوًّا وَسَنَاوَةً وَسُنُوًّا اور سِنَايَةً۔ السَّحَابُ الْاَرْضَ: بادل کا زمین کو سیراب کرنا۔ اَلْبَرْقُ: بجلی کوندنا۔ اَلْبَابَ: دروازہ کھولنا۔ سَنَتِ النَّارُ: روشنی بلند ہونا۔ اس کے اور بھی معانی آتے ہیں اور یہ معتلُ اللام واوی ہے۔

التشریح:۔ اس مقام پر کہ رابت احمر کے مترجمین حضرات نے غور نہیں فرمایا۔ ہمارے نزدیک الفاظ کا لغوی معنیٰ سامنے رکھ کر اس جملۂ مبارکہ کا صاف اور

صرف یہ معنیٰ یہ ہے کہ شرفِ اَسنیٰ اعلیٰ درجہ کا شرفِ انسانی یعنی قربِ ربّانی اور فیض یزدانی پانے کے طریقوں اور ذرایع کے مالک صرف حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا دین متین ہے۔ کوئی چاہے روحانیت کے اعلیٰ درجہ اور اوصاف واخلاق طاہرہ کے کتنے ہی اونچے اور برتر مقام پر کیوں نہ ہو مگر جب تک وہ حضرت سیّد المرسلینؐ کے دستِ شفقت کے ساتھ اپنا ہاتھ نہ ملائے اور اپنے تمام ظاہر وباطن، انفرادی واجتماعی زندگی کا حاکم آپ کو نہ بنائے اور اپنے آپ کو حیوان کی طرح اپنی باگ اپنے مالک کو حوالہ نہ کرے تو اس وقت تک اسکی سعادت وہدایت ممکن نہیں ہے۔ جیساکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی زبانِ حق ترجمان سے فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع وپیروی کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔

ہماری مذکورہ عبارت کا حاصل اتنا ہے کہ آپ نہ صرف خود شرفِ اَسنیٰ کے طریقوں کے مالک ومتصرف ہیں بلکہ جو کوئی بھی اس شرفِ اَسنیٰ، قربِ ربانی، رضائے رحمانی سے کچھ حاصل کرنا چاہے تو اس کو شترِ بے مہار نہیں بننا چاہیئے بلکہ اُسے رام شدہ اور فرمانبردار اونٹ کی طرح اپنی نکیل اپنے مالک کے حوالہ کرنا چاہیئے تاکہ مالک اور متصرف اس اپنے تابعدار اونٹ کو اچھی طرح مہالک اور ظلمات سے بچائے ورنہ شترِ بے مہار عام طور پر جاہ ہلاکت کی طرف ہی نادانی سے جاتا ہے۔ تقلید ائمہ کرام بھی اسی وجہ سے ہے کہ مسلمان شترِ بے مہار کی طرح اِدھر اُدھر نہ پھرے اور اہلِ ہوئی بن کر ایک حدیث دکھا کر دس حدیثوں پر عمل کرنے سے نہ روکے۔ نیز تقلید کا یہ بھی فائدہ ہے کہ جن بزرگانِ دین کی طرف سے ہمیں دینِ اسلام پہنچا اُن کا کچھ احترام وعزت ہمارے دلوں میں برقرار ہے اور اختلافات کم ہوجائیں ورنہ عصرِ حاضر کے جدت پسند مولویوں اور اجتہادی آلوں کی کیا کمی ہے کہ ان کو اپنے فہم وفراست پر اتنا ناز ہے کہ سلف صالحین کے بُغض وعداوت اور انکی بے احترامی سے اُن کے سینے پھولے ہوئے ہیں اور لوگوں کو خیر القرون کے علماء کی اتباع

سے مانع بن کر اپنے فکر و نظر کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

جن بزرگوں نے شرفِ اسنیٰ سے واقعۂ معراج مُراد لیا ہے اُنہوں نے اس بات کا کوئی خیال نہیں رکھا کہ حضرت قطب الاقطاب رضی اللہ عنہ اسی کبریتِ احمر میں شاندار اور پُرشکوہ کلماتِ مقدسہ میں معراج کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ تو پھر اگر جملۂ وَمَالِكُ اٰبِنَقَةِ الشَّرَفِ الْاَسْنٰی سے واقعۂ معراج مُراد لیا جائے تو تکرار بلافائدہ لازم آئے گا جو فصحاءِ عرب اور بُلغاءِ قحطان کے نزدیک غیر مرضی اور ناپسندیدہ ہے اور پھر اس جُملہ کا ماقبل و مابعد اس معنے پر دلالت کرنے سے قاصر ہے لہٰذا جو معنی ہم نے عرض کئے ہیں وہ ہمارے نزدیک حق اور برمحل ہیں۔ (واللہُ اعلم)

ہوسکتا ہے کہ اَلشَّرَفِ الْاَسْنٰی سے شریعتِ مقدسہ اور اٰبِنَقَہ سے پیشوایانِ دین اور ائمہ متبوعین مراد ہوں۔ رحمہم اللہ اجمعین جس کا حاصل یہ ہوگا کہ ائمۂ مذاہب، اربابِ شریعت و اصحابِ طریقت کے مالک و متصرف حضرت سیّدِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلّم ہی ہیں لہٰذا ان حضرات کی پیروی درحقیقت آپ ہی کی پیروی ہے صلی اللہ علیہ وسلّم۔ ہاں حقیقی عُشّاق یہ بات بھی سمجھیں کہ جب آپ بحکمِ خدا ہمارے مالک ہوتے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے آپ کو آپ کی درگاہ بیکس پناہ میں صدق و اخلاص کے ساتھ فقیر اور محتاج تصور کریں اور اقبال کی طرح یہ رباعی ہر وقت پیشِ نظر رکھیں۔ رباعی :-

فقیرم از تو خواہم ہرچہ خواہم — دِل کوہے گراں از برگ کاہم
مُرا درسِ حکیماں دردِ سر داد — کہ مَن پروردۂ فیضِ نگاہم

ہم نے مَالِكُ اٰبِنَقَةِ الشَّرَفِ الْاَسْنٰی کی جو توضیح اوّلاً کی ہے۔ اگر آپ اس تشریح کو دلائل الخیرات کے حزبِ ثالث کی اس دُعاء سے ملائیں گے تو آپ کو یقین ہوگا کہ اس جُملہ کی تشریح وہی اعلیٰ اور سزاوار ہے جو ہم نے کی ہے۔ وہ

Scanned with CamScanner

دُعا یہ ہے :- اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ

اے اللہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ

سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلِ حَمْدٍ وَجِّ بِحَقِّكَ وَاَشْرَفِ دَاعٍ لِّلْاِعْتِصَامِ

وسلم کے اہلبیت پر درود وسلام اور برکات کا نزول فرما اور ہمارے آقا آپ کے ارشاد کے مطابق آپکے دین

بِحَبْلِكَ الخ کی طرف سب سے بہترین دعوت دینے والے ہیں۔

تو ہماری تشریح کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ کے کلماتِ طیّبات کے مآخذ احادیثِ صحیحہ ہیں کیونکہ صاحب دلائل الخیرات کے تمام ادعیہ شریفہ سندوں سے ثابت ہیں۔ یہ جیسا کہ انھوں نے شروع کتاب میں فرمایا اسی طرح دلائل الخیرات حزبِ ثالث میں وَاَسْنَاهُمْ فَخْرًا بھی آیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عظمت ورفعت اور فخر ومباہات میں سب سے روشن تر ہیں۔ تو اس اعتبار سے یہی جملہ کا عطف اپنے ماقبل پر عطفِ تفسیری ہونے کا بھی امکان ہے۔

شَاهِدِ اَسْرَارِ الْاَزَلِ

آپ قدیمی رازوں اور حقائقِ اشیاء کے واقف ہیں۔

: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چہ قدیمی رازن تہ حقیقتن ہندی واقف۔

التحقیق:-

شَاهِدِ : اس کا مصدر شہادۃ ہے، جس کے یہ معنے ہیں :-
یقینی خبر، گواہی، قسم، اللہ کے راستہ میں قتل ہونا۔ عالمِ ظاہر جو عالمِ غیب کے مقابل ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ۔

اَلشَّاهِدُ : اسم فاعل۔ زبان اور اسی سے مَالَهُ رُوَاءٌ وَّلَا شَاهِدٌ۔ یعنی اس کے لئے نہ تو حسنِ منظر ہی ہے نہ زبان۔ قوام۔ ستارہ۔ صَلٰوةُ الشَّاهِدِ فجر کی

نمانہ وہ عبارت جو کسی قاعدۂ نحو وغیرہ کے ثابت کرنے کے لئے نقل کی جائے۔

أَسْرَار : اس کی تحقیق پہلے بیان ہو چکی ہے۔ مگر ایک فائدہ کی غرض سے ہم پھر اس کے لغوی معانی پیشِ خدمت کرتے ہیں :-

السِّرّ : اس کی جمع أَسْرَار ہے۔ بھید، راز۔ کہا جاتا ہے صُدُوْرُ الأَحْرَارِ قُبُوْرُ الأَسْرَارِ۔ احرار کے سینے بھیدوں کے لئے قبر ہیں۔

رَجُلٌ سِرِّيٌّ : کاموں کو پوشیدہ طور پر کرنے والا مرد۔ فُلَانٌ سِرُّ هٰذَا الأَمْرِ فلاں اس کا جاننے والا ہے۔ السِّرّ : طریقہ، وَسط : وادی کا درمیان، خالص چیز، عمدہ و افضل چیز، پاک و عمدہ زمین۔ تری مہینہ کی پہلی رات یا آخری رات۔ یا درمیان مہینہ۔ اصل چیز کا جوف و مغز۔ اس کی جمع أَسِرَّ کا ہے۔ جیسے قِن کی جمع أَقِنَّة

(من مصباح اللّغات وغیرہ)

الأَزَل : أَزَلَ أَزْلاً و تَأَزَّلَ۔ تنگی و سختی میں پڑنا۔

الأَزَلُ : ہمیشگی، وہ زمانہ جس کی ابتداء نہ ہو۔ الأَزَلِيُّ : قدیم، وہ ذات جس کے وجود کی ابتداء نہ ہو۔ یعنے حضرت اللہ جلّ جلالہٗ

التّشریح :

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے آغازِ آفرینش اور اپنے وجودِ نازنین کے وقت ہی سے حقائقِ اشیا، مقاماتِ عالیۂ روحانیت کے بلند ترین مراتب، رضاءِ ربّانی اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کے اسرار سے واقف اور باخبر ہیں۔ یا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم عالمِ امکان اور اشیائے تکوینیہ کے نیک و بد، زشت و خوب اور حُسن و قُبح سے خوب واقف اور مُطّلع ہیں اس لئے آپ ان چیزوں کے کرنے اور برتنے کا حکم دیتے ہیں جو فطرتِ سلیمہ اور مصلحتِ ربّانی کے عین موافق و تابع ہوتے ہیں اور اُن چیزوں کے کرنے سے مانع ہوتے اور ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہیں جو فطرت اللہ اور قانونِ قدرت کے بر خلاف ہیں۔

Scanned with CamScanner

دیا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن اَسرار و مقامات قُرب و اِصطفا سے بہرہ ور ہیں جو دوسرے اُولوالعزم پر مخفی اور مستور ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ (اور اللہ نے آپ کو وہ چیزیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے)، گو یہ آیت صراحت کے ساتھ آپ کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی اور نہ اِس سے بادی النظر میں تخصیص سمجھ میں آتی ہے۔ مگر یہ مقام امتنان و مدح میں واقع ہے۔ اسلئے یہ آیت ضمناً تخصیص پر دلالت کرتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مصنف نورالانوار نے وَالصَّلٰوةُ عَلٰى مَنِ اخْتُصَّ بِالْخُلُقِ الْعَظِيْمِ کی شرح میں فرمایا (وَهُوَ فَاِنْ لَمْ يَدُلَّ عَلَى الْاِخْتِصَاصِ لٰكِنْ لَمَّا كَانَ فِيْ مَحَلِّ الْمَدْحِ اُخْتُصَّ بِهٖ) اور محشی علامہ حضرت مولانا عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ نے اِس عبارت کی مزید تشریح کرتے ہوئے حاشیہ ص۲۲ میں فرمایا: جَوَابٌ عَمَّا يُقَالُ مِنْ اَنَّهٗ قَوْلُهٗ تَعَالٰى " وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ يَدُلُّ عَلَى الصِّفَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخُلُقِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَدُلُّ عَلٰى اِخْتِصَاصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٖ فَكَيْفَ يَكُوْنُ مَا قَالَ الْمُصَنِّفُ تَلْمِيْحًا اِلَيْهِ) اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے: (درود و سلام اس پیغمبر کریم پر نازل ہو جو خلق عظیم کے ساتھ خاص کئے گئے"۔ اس پر یہ اشکال ہوتا تھا کہ قرآن کریم نے صرف اتنا فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خلق عظیم کے ساتھ موصوف ہیں نہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلق عظیم کے ساتھ مخصوص ہیں۔ دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ظاہری طور پر قرآنی آیات سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ آنحضور اخلاق عالیہ کے ساتھ موصوف ہیں۔ اور قرآنی آیات سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ ہی میں اخلاق عالیہ پائے جاتے ہیں۔ یعنی قرآن میں آپ کا اخلاق عالیہ سے مخصوص ہونا

سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت زیر بحث مقام مدح میں واقع ہے۔ اور علم معانی کے قواعد کے مطابق مقام مدح کی چیز خصوصیت پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ آیت وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مقام مدح میں واقع ہے۔ اس لئے تخصیص پر دلالت کرتی ہے۔ لہذا اب شَاهِدِ اَسْرَارِ الْاَزَل سے وہ اسرار و مقامات اور قرب و اصطفا کے وہ اعلیٰ درجات مراد لینا جو دوسرے انبیاء میں نہیں پائے جاتے تھے عین حقیقت ہے۔ یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کو اللہ تعالیٰ نے تمام اسرار سے مخصوص فرمایا، پس یہ مطلب مراد لینا غیر موزوں نہیں ہوگا بلکہ عُلِّمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ ایسا ہی سمجھئے جیسا کہ حضرت مولانا عبدالرحمان جامی قدس سرہٗ آپ کی منقبت میں فرماتے ہیں: —

ـــہ

تو صاحب کانِ کنت کنزاً　　اَعیانِ رُسل قُراضہ چینت

اَسرار وجود را کماہی　　دیدہ نظرے خدائے بینت

اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ حُبَّ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم

ہوسکتا ہے کہ ازلی اسرار سے وہ اسرار مراد ہوں جن پر آنحضورؐ کے سوا کوئی دوسرا پیغمبر مطلع نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اگر اسرار سے رموز قرآن مراد لئے جائیں تو وہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآن مجید کے جملہ رموز و اسرار پر مطلع ہونا صاحب وحی حضور رسالت پناہ، شفاعتؐ دستگاہ ہی کا کام ہے۔

یہ صرف میں نہیں کہتا بلکہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمہ اللہ بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب احیاء علوم الدین جلد اول (الباب الرابع فی فہم القرآن) میں فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ لِلْقُرْاٰنِ ظَهْرًا وَّبَطْنًا وَّحَدًّا وَّمَطْلَعًا کہ قرآن کے لئے ایک ظاہر ہے، ایک باطن، ایک حد اور ایک مطلع ہے۔

وَقَالَ عَلِیٌّ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْهَهٗ لَوْ شِئْتُ لَاَوْقَرْتُ سَبْعِیْنَ جَمَلًا مِّنْ تَفْسِیْرِ فَاتِحَةِ الْکِتَابِ. فَمَا مَعْنَاهُ وَتَفْسِیْرُ ظَاهِرِهَا فِیْ غَایَةِ الْاِخْتِصَارِ۔	اور علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو الحمد کی تفسیر سے ستر اونٹوں کا بوجھ بھر دوں۔ حالانکہ الحمد کی تفسیر بظاہر نہایت ہی اختصار میں ہے۔
وَقَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ لَا یَفْقَهُ الرَّجُلُ حَتّٰی یَجْعَلَ لِلْقُرْاٰنِ وُجُوْهًا وَقَدْ قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ لِکُلِّ اٰیَةٍ سِتِّیْنَ اَلْفَ مَعْنًی وَمَا بَقِیَ مِنْ فَهْمِهَا اَکْثَرُ وَقَالَ اٰخَرُوْنَ اَلْقُرْاٰنُ یَحْوِیْ سَبْعَةً وَسَبْعِیْنَ	حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدمی فقیہ نہیں ہوتا جب تک قرآن کریم پر متعدد وجوہ سے غور و فکر نہ کرے۔ اور پھر سلف صالحین کے مخالف نہ ہونا شرط اولین ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ہر آیت کے لئے

اَلْفُ عِلْمٍ وَمِائَتَا عِلْمٍ اِذْ كُلُّ كَلِمَةٍ عِلْمٌ ثُمَّ يَتَضَاعَفُ ذٰلِكَ اَرْبَعَةَ اَضْعَافٍ اِذْ لِكُلِّ كَلِمَةٍ ظَاهِرٌ وَبَاطِنٌ وَحَدٌّ وَمَطْلَعٌ۔ وَتَكْرَارُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ عِشْرِيْنَ مَرَّةً لَا يَكُوْنُ اِلَّا لِتَدَبُّرِهٖ بَاطِنَ مَعَانِيْهَا وَاِلَّا فَتَرْجَمَتُهَا وَتَفْسِيْرُهَا ظَاهِرٌ لَا يَحْتَاجُ مِثْلُهٗ اِلٰى تَكْرِيْرٍ۔

ساٹھ ہزار فہم اور معنیٰ ہیں۔ اور ان کے علاوہ جو معنیٰ سمجھنے سے رہ گئے ہیں وہ ساٹھ ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ اور دوسرے علماء نے فرمایا کہ قرآن کریم ستر ہزار دو سو علم پر شامل ہے۔ کیونکہ ہر کلمہ کے لئے ایک علم ہے چونکہ ہر ایک کلمہ کے لئے ظاہر و باطن، حد اور مطلع ہے۔ لہٰذا چوگنے ہوگئے ہیں۔ اور آنحضورؐ نے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بیس بار مکرر پڑھا تو آپؐ نے محض یہ تکرار اس کے رموز و اسرار پر پوری اطلاع پانے کے لئے پڑھا ورنہ اس کا ترجمہ و تفسیر ظاہری ہے۔ اس کی تکرار کی کیا حاجت تھی؟

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ اَرَادَ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ فَلْيَتَدَبَّرِ الْقُرْاٰنَ وَذٰلِكَ لَا يَحْصُلُ بِمُجَرَّدِ تَفْسِيْرِهِ الظَّاهِرِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو کوئی اگلوں اور پچھلوں کا علم حاصل کرنا چاہیے تو وہ قرآن مجید پر غور و فکر اور بحث کرے۔ یہ صرف ظاہری تفسیر سے حاصل نہیں ہوتا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ۔ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا"

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کے بارے میں یعنی ومن یوت الحکمۃ الخ کی تفسیر میں اَلْفَهْمُ فِي الْقُرْاٰنِ۔

وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا سَمّٰى مَا اٰتَاهُمَا عِلْمًا وَحُكْمًا وَخَصَّصَ مَا انْفَرَدَ بِهٖ سُلَيْمَانُ بِالتَّفَهُّمِ لَهٗ بِاسْمِ الْفَهْمِ وَجَعَلَهٗ مُقَدَّمًا عَلَى الْحُكْمِ وَالْعِلْمِ

فَهٰذَا الْاَمْرُ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ فِىْ فَهْمِ مَعَانِى الْقُرْاٰنِ مَجَالَةً جِدًّا وَمُتَّسَعًا بَالِغًا وَاَنَّ الْمَنْقُوْلَ مِنْ ظَاهِرِ التَّفْسِيْرِ لَيْسَ مُنْتَهَى الْاِدْرَاكِ فِيْهِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا کی تفسیر میں فرمایا کہ حکمت سے مراد قرآن کریم کے معانی کی سمجھ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا کی اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو جو چیز مشترک طور پر عطا کی اس کا نام علم و حکم رکھا اور جس بات کو خاص حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھا اس کا نام فہم فرمایا اور اس کو حکم اور علم پر مقدم رکھا۔ غرض ان امور سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معنی سمجھنے میں بہت بڑی گنجائش ہے۔ اور ظاہر تفسیر قرآنی میں جو منقول ہے وہ اس کے مضامین معلوم کرنے کی آخری کڑی نہیں ہے کہ اس سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

آپ احادیث مذکورہ اور حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالیؒ کے ارشادات و خیالات پر حقیقت پسندانہ غور کیجئے تو صاف طور پر معلوم ہوگا کہ قرآن کریم کے معانی و اسرار سمجھنا معمولی بات نہیں بلکہ اس کے لئے اوّل عنایت الٰہی درکار ہے۔ اور پھر ہم جیسے لوگوں کے لئے نہایت ضروری ہے کہ پہلے باقاعدہ دینی مدارس میں علوم آلیہ اور علوم نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے علوم ایسے علماء سے پڑھیں جو پورے طور پر محو فنا نہ رنگ میں ہوں اور جن کو حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہو۔

بہر حال حضرت مصنف کے اس جملہ مشاهد الاسرار الازل سے اسرار و معارف قرآن بیہ مراد لیے جائیں تو حامل قرآن کے لئے اور ان کی شان اعلیٰ کے لئے اگر موزوں نہیں تو پھر کس کے لئے موزوں و مناسب ہوگا۔

Scanned with CamScanner

غور کیجئے حضرت مصنف رحمہ اللہ حضرت نبی کریم صلعم کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف میں یہ فرماتے ہیں کہ آپ قرآن کے حقائق و دقائق سمجھنے اور جاننے والے ہیں اور ضمناً آپ عظمت قرآن بیان فرماتے ہیں۔ مگر وقت حاضر کے اُن نوجوانوں کو بھی دیکھئے جو علوم عربیہ سے پورے ناآشنا اور بے بہرہ ہونے کے باوجود ایسے لوگوں کی تفسیروں اور ترجموں کو دیکھ کر اپنے ہمدانی ہونے کا دعویٰ فرما کر سلف صالحین کے اعتقادات اور ان کے منقول اذکار و اشغال کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ان کو نہ صرف حقارت اور تذلیل کی نظروں سے دیکھتے ہیں* بلکہ ان کو اپنے ہم خیالوں میں بدعتی مشرک کہہ کر پکارتے ہیں: ع فلیبك على الاسلام من كان باكيا۔ ہمارا مقصد معاذ اللہ یہ نہیں ہے کہ نوجوان دینی علوم سے بیگانہ ہونے کے باوجود قرآن کریم کے اردو اور دوسری زبانوں میں کئے ہوئے ترجموں کا مطالعہ نہ کریں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ مطالعہ ضرور کریں لیکن وہ کسی ایک ترجمہ کو آخری اور جزماً و کلاً حتمی اور یقینی تصور نہ کریں بلکہ یہ سمجھیں کہ ان کے تراجم و تفاسیر فہم قرآن کے وسیلوں اور زینوں میں سے ایک زینہ ہیں۔ اور ایک ترجمہ دیکھ کر دوسرے ترجموں پر بھی غور و فکر کر لیا کریں۔ صرف الفاظ پر دازی اور ظاہری عبارت کی فصاحت و بلاغت پر فریفتہ ہو کر اصلی منزل مقصود سے منحرف نہ ہوں۔ اس کے علاوہ شرح صدر کے لئے بزرگان دین کی صحیح تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ کیونکہ فہم قرآن اور اسرار حق کے سمجھنے سے عمل و عبادت ہی مقصود و مطلوب ہے۔ اسی بنا پر آنحضور صلعم تمام کائنات سے زیادہ اسرار حق معارف قرآن سمجھنے والے تھے۔ آپ سب سے زیادہ عابد اور شب بیدار بھی ہوتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور دیگر کتابوں سے آپ کو واضح ہوگا۔

* اور وہ کار منقول و اشغال ان کی نظر میں بدعت یا شرک ہوتے ہیں۔

چونکہ بات سے بات پیدا ہوتی ہے۔ ضمناً مشاهد الاسرار الازل سے

ہم نے اسرار قرآن بھی مراد لیا ہے۔ اور اسرار قرآن کے ضمن حجۃ الاسلام نے فرمایا کہ فہم قرآن کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہے تو پھر تفسیر بالرای کا دروازہ بھی آپ ہی آپ کھلنے لگا جس کی سخت ممانعت حضرت نبی اکرم سے ثابت ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "من فسر القرآن برایہ فلیتبوا مقعدہ من النار" کہ جو شخص اپنی رائے کے موافق قرآن کی تفسیر کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کرے۔ غرض سوال یہ ہے کہ اگر واقعی فہم قرآن کا دائرہ غیر محدود ہے، تو پھر تفسیر بالرائے گناہ اور موجب عذاب کیوں ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ فہم قرآن کے لامحدود ہونے اور تفسیر بالرائے کے غیر معتبر ہونے میں کوئی تضاد و تخالف نہیں ہے کیونکہ تفسیر بالرای تو موجب مذمت و عتاب الٰہی ہے۔ یہ ہے کہ آدمی کا نفسانی اور قلبی میلان و رغبت کا ایک بات کی طرف جم جائے۔ اور پھر اس کے جواز کیلئے قرآن کا سہارا ڈھونڈتا اور طلب کرتا ہے۔ یہ اس لئے مذموم ہے کہ ایسا شخص حقیقت میں عبداللہ نہیں بلکہ عبد ھوی اور خواہشات کا بندہ ہے کہ معانی قرآن کو توڑ مروڑ کے اپنی قلبی میلانات و رجحانات پر محمول کرتا ہے۔ اور فہم قرآن سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ اسرار سے تو کتاب اللہ کی عظمت و بلندی ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ میرا جواب نہیں بلکہ خود حجۃ الاسلام کا جواب ہے۔ لہذا انہیں کے الفاظ میں یہ جواب ملاحظہ فرمائیے:۔

وھو ان یکون غرضہ و دایۂ تقریر امر و تحقیقہ فیستجیر بشھادۃ القرآن الیہ و یحملہ علیہ من غیر ان یشھد لتنزیلہ علیہ دلالۃ لغویۃ او نقلیۃ و لاینبغی ان یفھم منہ انہ یجب ان لا یفسر القرآن والاستنباط والفکر من الایات ما نقل فیھا من الصحابۃ والمفسرین۔ اس عبارت کا ترجمہ اوپر آچکا ہے۔

بہرحال ہم تو اصل میں شناھد الاسرار الازلی کے معانی اور احتمالات و مفاہیم بتلاتے تھے۔ اور اسرار کے ضمن میں قرآن کریم کی عظمت تفسیر بالرای کی ممانعت کے صحیح معنی اور ان دونوں کے درمیان جو تضاد دکھائی دیتا تھا وہ مختصر لفظوں میں دور کیا۔ اس لئے سر رشتہ سخن دور ہونے کی وجہ سے ہم اپنے مطا لعہ

کرنے والے حضرات سے معافی کا خواستگار ہوں۔ لہٰذا ہم پھر مشاہد الاسرار الازل کے معانی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ چونکہ از روے لغت مشاہد کا معنی ستارہ بھی آیا ہے۔ اور اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں تو اس بناء پر بلا کسی تکلف کے ستارہ روشن ہوتا ہے۔

مشاہد الاسرار الازل کے یہ معنے ہوئے کہ حضرت سید المرسلینؐ اسرار و رازہاے عالم کون و فساد کے روشن ستارہ ہیں کہ آپ ہی کی نورانی تعلیم اور انوار و برکات سے حقائق اشیاء تک پہنچنا اور مکونات کو صحیح ڈھنگ سے سمجھنا ممکن اور سہل ہے۔ اور باقی لوگوں کے غلط عقاید و افکار سے ماہیات کی اصلیت اور واقعات کی تہہ تک واصل ہونا ناممکن ہے۔ بقول اقبالؒ

بنور تو برافروزم نگہ را — کہ می بینم اندرون چہرہ مہر را
چو می گویم مسلمانم بلرزم — کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

ہو سکتا ہے کہ مشاہد الاسرار الازل میں شاہد سے مراد مقصود قوام ہو جیسا کہ ہم نے حوالہ دے کر لکھا ہے۔ قوام اس شئے کو کہتے ہیں جو دوسری شئے کے لئے مدار اور سبب ہو۔ اس بناء پر مشاہد الاسرار الازل کے یہ معنی ہوئے کہ ازلی اور سرمدی علوم و اسرار ٹھیک طور پر سمجھنے کیلئے حضرت سید المرسلینؐ مدار ہیں جس نے آپ کے بتائے ہوئے ارشادات کے مطابق اپنا اعتقاد و عمل بنایا وہی کامیاب ہوا۔ اور اسی پر معلومات الٰہی کا خزانہ اور تجلیات رحمانی کا دروازہ کھل گیا۔ اور شرح صدر کا شرف اسی لئے حقیقت میں پایا۔

آپ ان علمی احتمالات و نکات میں تعجب نہ کیجئے کیونکہ اسی ولی اکمل اور قطب بے بدل کی عبارت ہے جو خود بحالت استغراق فرماتے ہیں ؎

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا — وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَوْلَی الْمَوَالِیْ
رِجَالِیْ فِیْ هَوَاجِرِهِمْ صِیَامٌ — وَفِیْ ظُلَمِ اللَّیَالِیْ کَاللَّآلِیْ

نوٹ:- اب یہاں پر آپ خاص ناظرین کے توجہ ضمناً بحث حیات النبیؐ کا مسئلہ ملاحظہ فرمائیے۔ مگر یہاں پر مولف قسمت سے عبارت میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے۔ پھر بھی بفضل اللہ ناظرین کرام کو نفس مطلب سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں آئیگی۔ (ایڈیٹر)

Scanned with CamScanner

دَعْ مَا ادَّعَتْہُ النَّصَارٰی فِی نَبِیِّہِمْ
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْہِ وَاحْتَکِمْ

عن انسٍ انّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قال انّ الانبیاءَ لَا یُتْرَکُوْنَ فی قبورھم بعدَ اربعین لیلۃً ولکنھم یُصَلُّوْنَ بین یدی اللّٰہ سبحانہٗ وتعالٰی حتّٰی یُنْفَخَ فی الصُّوْرِ۔[له]

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا مسیح صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ انبیاءِ کرام اپنی قبروں میں چالیس راتوں کے بعد یوں ہی بصورتِ نعش نہیں چھوڑے جاتے ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور نماز پڑھتے رہتے اور دعا فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ صُور پھونکا جائے گا یعنی قیامت کے دن تک۔

اس حدیث کے پیشِ نظر بعض علماء نے فرمایا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برزخی حیاتِ طیبہ دنیوی حیاتِ مبارکہ سے زیادہ اعلیٰ واَرفع ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی طرح:

روی السفیان الثوری رحمہ اللہ فی الجامع عن سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ قال ما مکث نبیٌّ فی قبرہٖ اکثر من اربعین لیلۃً حتّٰی یُرفعَ قال البیہقی فعلٰی ھذا یصیرون کسائر الاحیاء یکونون حیث ینزلھم اللّٰہ تعالٰی ثم قال البیہقی ولحیاۃ الانبیاء بعد موتھم شواھدُ[۲] فذکر قِصّۃَ الاِسراء قال صلی اللہ علیہ وسلم انّی لقیتُ جماعۃً من الانبیاءِ وعلمتُھم وکلّموا وقد رأیتنی فی جماعۃٍ من الانبیاء فاذا ھو موسٰی راجلٌ ضربٌ جعدٌ کانّہٗ من رجالِ شنوءۃ واذا عیسٰی بن مریم

له و ۲ ماخوذ من انباء الاذکیاء فی حیاتِ الانبیاءِ

قائم یصلی اشبہ الناس بہ صاحبکم ای نفسہ قائم یصلی واذا ابراھیم علیہ السلام قائم یصلی فحانت الصلوٰۃ فاممتھم۔[۱]

ترجمہ۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ جامع میں روایت فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں چالیس راتوں سے زیادہ یوں ہی نہیں ٹھہرتے ہیں بلکہ وہ اٹھالئے جاتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بناء پر وہ زندوں کی طرح ہوتے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ انہیں اُتارتا اور جہاں رکھتا ہے وہاں تشریف فرما ہوتے ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کے وصال کے بعد زندہ ہونے پر بہت سی حدیثیں گواہ ہیں۔ پھر آپ نے معراج کی حدیث بطور استشہاد پیش کی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں نبیوں کی ایک جماعت سے ملاقات کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو نبیوں کی ایک جماعت میں دیکھا اور فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو نماز میں کھڑے ہوتے دیکھا تو وہ ہلکے بدن اور گھونگھر والے بال والے تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ کے لوگوں میں سے ہیں اور عیسیٰ بن مریم نماز میں کھڑے تھے اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ نماز میں کھڑے تھے۔ اُن کے سب سے زیادہ ہمشکل تمہارے صاحب ہیں۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ ہمشکل ہیں۔ ... فرمایا کہ پھر نماز کی تیاری ہوئی تو میں نے انبیاء کرام کی امامت فرمائی۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تفسیر مظہری کی روشنی میں مزید تحقیق

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتی مجددی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں آیت ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے

[illegible]

ہیں (جس کا خلاصہ اردو میں یہ ہے) شہداء کے زندہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اَرواح کو جسم کی سی قوّت عطا فرماتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے وہ زمین و آسمان اور جنّت وغیرہ کی سیر کرتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور اسی حیات کی وجہ سے زمین اُن کے بدن اور کفن کو نہیں کھاتی۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہداءِ بدر کی رُوحیں ہر رات عرش کے نیچے سجدہ کرتی ہیں اور اسی طرح قیامت تک کرتی رہیں گی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ شہدا جب شہید ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نہایت عمدہ جسم میں اُن کو اُتارتے ہیں اور روح کو حکم ہوتا ہے کہ اس میں داخل ہو۔ وہ اس میں داخل ہو کر اپنے پہلے جسم کو دیکھتی ہے اور بولتی اور سمجھتی ہے کہ لوگ میرا کلام سُنتے ہیں اور مجھے دیکھتے ہیں۔ اسی حالت میں حوریں اس کے پاس آتی اور اس کو لے جاتی ہیں۔ اس روایت کو ابن مندہ نے مُرسلاً روایت کیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ شہداء کی اَرواح اللہ تعالیٰ کے یہاں سبز پرندوں میں رہتی اور جنّت میں جہاں چاہیں سیر کرتی پھرتی ہیں اور عرش کے نیچے جو قندیلیں ہیں اُن میں آرام کرتی ہیں۔ ان احادیث پر نظر کر کے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حیات شہداء ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ یہ حیات شہداء ہی کو عطا نہیں ہوئی بلکہ آثار و احکام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء میں یہ حیات سب سے زیادہ ہے حتّٰی کہ اس کا اثر خارج میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواجِ مطہرات سے آپ کی وفات کے بعد نکاح جائز نہیں (کیونکہ زندہ شخص کی بیوی) سے نکاح

لہ ... قولہ "... تابعی" قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کذا ... وفیہ ... کذا ... العرف ... الفقہ ... ولہ وفیہ خلاف للشافعی والتفصیل ... والصواب ... انتھٰی

کرنا جائز نہیں، بخلاف شہید کے کہ اس کی بیوہ سے نکاح جائز ہے۔ اور صدیقین حسنِ حیات میں شہداء سے اعلیٰ درجہ میں ہیں اور صالحین یعنے اولیاء شہداء سے کم ہیں لیکن ان کے ساتھ ملحق ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ یعنی یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ وہ نبی، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں،

اور فرماتے ہیں کہ : ترتیبِ ذکری سے مرتبہ کی طرف اشارہ [illegible] ہے۔ اسی واسطے صوفیہ کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے "ہماری ارواح ہمارے بدن ہیں اور ہمارے بدن ہماری ارواح ہیں اور فرماتے ہیں کہ سینکڑوں ہزاروں معتبر حکایتیں ایسی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اپنے دوستوں کی اعانت کرتے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک و تباہ کرتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے اس کو اللہ کی راہ دکھاتے ہیں۔

آپ جب حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تحقیق پر غور فرمائیں گے تو تقریباً ہماری تحقیق میں بفضل اللہ افراط و تفریط ذرہ بھر کہیں دکھائی نہ دیگی۔

اسی کے قریب امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۵۶ پر فرمایا۔

واعلم أن تمام الكلام في هذا الباب أن النفس القدسية النبوية مخالفة بماهيتها لسائر النفوس ومن لوازم تلك النفوس الكمال في الذكاء والفطنة والحرية والاستعلاء والترفع عن الجسمانيات والشهوات فإذا كانت الروح في غاية الصفاء والشرف وكان البدن في غاية النقاء والطهارة كانت هذه القوى المحركة والمدركة في غاية الكمال لأنها جارية مجرى أنوار فائضة من جواهر الروح واصلة

لہ تفسیر تنویر [illegible] نے جو نوٹ اس جگہ لکھا ہے اس سے ہمیں اتفاق نہیں۔ اسکی وجہ ہم خود لکھیں گے

الی البدن وحتی کان الفاعلُ والقابلُ فی غایۃ الکمالِ کانتِ الآثارُ فی غایۃِ القوۃ والشرفِ والصفاءِ

حاصل ترجمہ:۔ اس بحث (بحثِ حیات الشہداء والانبیاء) میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس اپنی حقیقت وماہیت میں عام آدمیوں سے مختلف اور جداگانہ ہوتے ہیں کہ انبیاء (خاصکر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم) ان نفوس میں بلحاظِ فہم وفراست اور جسمانیات وشہوات سے بالاتر ہوکر ایک عجیب وغریب فوقیت وبرتری رکھتے ہیں۔

جب ایک طرف روح کی پاکیزگی وشرف کا یہ عالم ہو دوسری اُن کے اجسام بھی انتہائی درجہ پاک وصاف اور دوسرے اجسام سے امتیازِ معنوی رکھتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اُن کے قوی محرکہ اور ادراک کرنے والی قوتیں انتہا درجہ میں کامل ہوتی ہیں کیونکہ جب فاعل اور قابل دونوں کامل ہوں تو پھر آثارِ قوت وشرف وپاکیزگی میں کیونکر کامل نہ ہوں۔ یعنی پیغمبر صاحب کی روح مقدس جسمِ اطہر سے جدا ہونے کے بعد پھر برزخ میں تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا شہید اور خاصکر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا بروح وجسدِ اقدس زندہ ہونا اور انہیں قوتِ ادراک کا باقی رہنا چنداں تعجب خیز نہیں۔ (بلکہ) برزخ میں روحِ مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے اور آپ کا بعض اوقات بعض خواص اُمت سے حالتِ بیداری میں کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار واخبار میں مذکور ہے اور حالتِ رؤیا وکشف میں تو ایسے واقعات احاطہ اور شمار سے باہر ہیں اور ان تمام مشاغل سے ایک ہی وقت میں اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے کیونکہ برزخ میں روح کو خاصکر روحِ مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے مگر یہ امور علی الدوام نہیں ہیں۔ الخ

(خلاصہ من نشر الطیب از مولانا تھانوی رحمہ اللہ)

اسی مضمون کو مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترجمان السنۃ جلد ثالث صفحہ

Scanned with CamScanner

۲۹۶ حدیث فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فانّ صلاتکم معروضۃ علیّ قال قالوا یارسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت یقولون بلیت فقال انّ اللہ عزّ وجلّ حرّم علی الارض اجساد الانبیاء۔[1] (جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کہ تمہارا درود مجھ پر اُس دن پیش کیا جاتا ہے۔ راوی کہتا ہے صحابۂ کبارؓ نے تعجب سے دریافت کیا یارسول اللہ! ہمارا درود وسلام آپ کے سامنے کس طرح پیش کیا جائے گا جبکہ آپ کا جسمِ اطہر تو اس وقت مٹی سے اثر پذیر ہوا ہوگا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام پر کوئی اثر کرسکے۔ (ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ، دارمی، بیہقی) کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

انسانی زندگی میں عام انسانوں کے اجسام کے بگڑنے سے کیا چیز مانع ہے تو ظاہر ہوگا کہ وہ علاقۂ روح یعنی حیات ہے اُدھر روح نے جسم سے پرواز کی اِدھر جسم کے اندر تغیر شروع ہوا۔ اگر انبیاء علیہم السلام کی ارواح کا ان کے جسموں کے ساتھ علاقہ شہداء سے کچھ زیادہ تسلیم کرلیا جائے تو کیا پھر بھی ان کے جسموں کے مخلوط رہنے میں کوئی وجہ اشکال ہو سکتی ہے؟ آگے مصنف مذکور رحمہ اللہ فرماتے ہیں مگر ان تمام کمالات کے بعد بھی کیا انبیاء علیہم السلام کا قدم بشریت سے سرِ مُو باہر گیا؟ ہرگز نہیں الخ

میں کہتا ہوں آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بشریت یعنے آپ کا حضرت آدم علیہ السلام کے ممتاز فرزندوں میں سے سب سے زیادہ ممتاز تر اور سب سے اعلیٰ ہونے میں کسی نے انکار نہیں کیا اور جس نے نفی کی وہ درحقیقت نفی نہیں کرتا بلکہ اس میں ان لوگوں کے لئے درسِ عبرت ہے جو آپ کا مرتبۂ عالیہ شعوری یا غیر شعوری طور پر معاذ اللہ کم دکھاتے ہیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اولیاء اللہ بھی شہداء اور صدیقین و انبیاء کی حیات میں شریک ہیں یا یہ

[1] رواہ ابوداؤد والنسائی والبیہقی فی الدعوات الکبیر و احمد وابن حبان والحاکم وقال علی شرط البخاری وجمّ غفیر من المحدثین۔

ہے کہ ان کے احکام علیحدہ اور جُداگانہ ہیں۔ لہٰذا حیاتُ الانبیاء کے بعد حیاتُ الاولیاء کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مصنّف رحمہ اللہ معارف القرآن میں بطور نتیجہ فرماتے ہیں:۔

پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مُردے۔ البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء و صالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں، سو مجاہدۂ نفس میں مرنے کو بھی معنیً شہادت میں داخل سمجھیں گے اس طور پر کہ وہ بھی شہداء ہو گئے، یا یوں کہا جائے کہ آیت میں شہداء کی تخصیص عام قرو(بیان) کے اعتبار سے ہے، شہداء کے ہم مرتبہ دوسرے لوگ صالحین و صدیقین کے اعتبار سے نہیں۔

اور اس سے زیادہ واضح لفظوں میں حضرت امام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں[1]

عفیف الدین الیافعی الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کشف قلوب کے ذریعہ آسمانوں اور زمینوں اور بے شمار ناپیدا کنار ملکوں کو دیکھتے ہیں۔ انبیاء کرام کی زیارت سے باریاب ہوتے ہیں کہ وہ اُن کو زندہ دیکھتے ہیں مُردے نہیں ہیں کیوں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسٰی کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ حضرت امام یافعیؒ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جن معجزات کا انبیاء کرام سے صادر اور ظاہر ہونا ممکن ہے اولیاء اللہ سے بھی ان معجزات کا صدور و ظہور ممکن اور درست ہے بشرطیکہ وہ معجزہ پیغمبر سے بطور تحدی و چیلنج کے طور پر صادر نہ ہوا ہو تو ایسا معجزہ غیر نبی سے صادر نہیں ہو سکتا (جو خارق عادت امور اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں) اور فرماتے ہیں کہ علماء کی تصریحات و توضیحات اس بارے میں بہت زیادہ ہیں۔ ہم اسی پر کفایت کرتے ہیں۔

اب آپ امام عفیف الدین رحمہ اللہ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:۔

---

[1] بحوالہ انباء الاذکیا فی حیات الانبیاء از امام سیوطیؒ

قال الشیخ عفیف الدین الیافعی الاولیاء یُرَدُّ علیهم احوالٌ یشاهدون ملکوت السماوات والارض ویبصرون الانبیاء احیاءً غیر اموات کما نظر النبی صلی الله علیه وسلم الی موسیٰ یُصلّی فی قبره فان وقد تقرر ان ما جاز للانبیاء معجزة جاز للاولیاء کرامة بشرط عدم التحدی۔ قال ولا ینکر ذلک الا جاهل۔ ونصوص العلماء فی حیات الانبیاء کثیرة فلنکتف بهذا القدر۔[1]

تنبیہ:۔ بعض طلباء مسئلہ حیات اور ہر قسم کے مسائل جیسے شیئاً للہ اور مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللہ پر جو شدت اختیار کر کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں اور ان کو کافر بھی بتاتے ہیں یہ اہل حق کے نزدیک مذموم اور نامناسب طریقہ ہے کیونکہ اگر ایک طرف بعض فقہاء کی ایک رائے اور دوسری طرف مسلّم الثبوت اولیاء امت کی دوسری رائے ہو تو ہمیں چاہیئے کہ ان حضرات کے طریقہ اور مسلک کی رعایت رکھ کر اعتدال کا راستہ اختیار کریں اور اُمت مرحومہ کو تکفیر و تفسیق سے بچائیں۔ کما اشار الیه صاحب الطبقات حیث یقول (وبالله العجب من کثیر من الفقهاء ینکرون ما جمع علیه الاولیاء ویصدقون بما وصل الیهم علی لسان فقیه واحد وربما یکون استناده فی ذلک القول الی دلیل ضعیف ما ذاك الا لغایة الحرمان۔[2]

بہرحال اب جبکہ یہ بات مدلائل و براہین ثابت ہو گئی کہ انبیاء کی حیات بعد الممات شہداء کی حیات سے بڑھ کر اور کاملتر بین ہے اور یہ کہ اولیاء اللہ بھی اپنے اپنے درجہ کے مطابق اس حیات میں شریک ہیں بلکہ عام مومنین کو بھی من جانب اللہ اس حیات سے ایک خاص بہرہ اور حصہ وافر حاصل ہے اور یہ بات بھی عیاں ہوئی کہ انبیاء کرام کو عالم

[1] انتہیٰ مافی انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء۔
[2] ماخوذ من مواهب السادات ص۲۷

برزخ میں بروح و جسد یہ حیات حاصل ہے۔ اور بعض وجوہ و اعتبارات سے ان کی برزخی حیات دنیوی حیات سے کاملترین اور وسیع پیمانہ پر ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں تو ہمارا بنیادی مقدمہ اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ حقیقی انسان یعنی قوتِ دراکہ یا مُدرِکہ یا نفسِ ناطقہ کا شعور مرنے کے بعد بھی علی الاطلاق باقی رہتا ہے اور یہ کہ اَرواح جواہر[1] قائمہ بالذات اور مُغایر للبدن ہیں اور بدن کے بگڑنے اور اس کے فساد سے روح یا نفسِ ناطقہ پر اُس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے خاص کر جبکہ تمام بنی نوعِ انسان میں سے انبیاء کے نفوسِ ناطقہ کاملترین ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نفسِ قدسیہ اور روحِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اتم و اکمل ہے اور یہ جسمِ نازنین بھی اپنی قابلیت میں ممتاز ہے اس لئے نفسِ مسئلہ یعنے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حیاتُ الاولیاء اچھی طرح مُبرہن اور عیاں ہوا اور یہی تمام صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام کا مسلک اور مذہب ہے اور جو اس کا انکار کرتا اور کہتا ہے کہ آپ کی یا دوسرے انبیاء و اولیاء اور شہداء کی قبروں میں کیا دھرا ہے اور انکی حیات کی غلط تاویلیں کرتا ہے[2] فقد ضل ضلالاً بعیداً وخرّ من العرش الاعلیٰ الی تحت الثریٰ نعوذ باللہ منہا

اسی طرح روح المعانی میں اشارہ کیا گیا ہے:

---

[1] فلاسفۂ قدیم کے نزدیک جواہر ان موجودات کو کہتے ہیں جو قائم بالذات یا بالاصالۃ پائے جائیں اور اعراض وہ ہیں جو قائم بالغیر یا بالتبع پائے جائیں۔

[2] بایں ہمہ انبیاء کرام، شہداءِ عظام اور اولیاء اللہ کی برزخی حیات کی مکمل کیفیت کا علم حضرت اللہ ہی جانتا ہے۔ عالم مادی کا قیاس عالم برزخ پر کرنا قیاس مع الفارق ہے بایں ہمہ اہل اللہ اور خاصانِ خدا کو ان کی برزخی زندگی کا مشاہدہ بہ اندازہ ہو چکا ہے جسکی تشریحات اور تفصیلات اہل اللہ کی کتابوں میں مذکور و مشہور ہیں۔

ذھب کثیرٌ من اھلِ السلف الیٰ انّھا حقیقۃٌ بالروح والجسدِ وذھبَ البعضُ الیٰ انّھا روحانیۃ والمشھورُ ترجیحُ قولِ الاوّل۔

اور تفسیر بیضاوی میں ہے:۔ وفیہ دلالۃٌ علیٰ انَّ الارواحَ جواھرُ قائمۃٌ بانفسِھا مغایرۃٌ لما یحسُّ بہٖ مِنَ البدنِ تبقی بعد الموت درّاکۃً وعلیہ جمھور الصّحابۃ والتّابعین وبہٖ نطقتِ الآیاتُ والسُّنن وعلیٰ ھٰذا فتخصیصُ الشّھداءِ لاختصاصِھم بالقرب من اللہ ومزید الکرامۃ۔[1]

ترجمہ:۔ اکثر سلف صالحین فرماتے ہیں کہ شہیدوں کی حیات روح مع الجسد کے ہے اور کچھ صرف روحانی حیات کے قائل ہیں مگر قولِ اوّل راجح ہے اور فرماتے ہیں کہ آیت میں اس پر دلالت ہے کہ ارواح جواہرِ مجردہ قائم بالذات ہیں۔ بدن کے برعکس ان کی سوچ سمجھ اور شعور و احساس موت کے بعد باقی رہتا ہے۔ یہی جمہور صحابہ و تابعین کا مذہب ہے اور آیات و احادیث سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ پس آیت میں شہیدوں کی حیات ان کی عظمت و رفعت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

تفسیر ماجدی میں مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادیؒ فرماتے ہیں، بقول مفسر تھانوی شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر اس کے جسد کی ظاہری حالت تک بھی پہنچتا ہے کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور زندہ جسد کی طرح صحیح و سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث و مشاہدات شاہد ہیں اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء شہیدوں سے بھی زیادہ قوت و امتیاز رکھتے ہیں۔[2] (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۲۶)

---

[1] بیضاوی شریف جلد اول ص ۷۱۔ مزید مطالعہ کے لئے حاشیہ بیضاوی ص ۱۱۷ دیکھیے۔
[2] ۔۔۔نے ذاتی طور پر تجربہ کیا ہے کہ علماء اور مشائخ کے احوال و مقامات مختلف اور متنوع ہیں۔ ہر ایک اپنے علم کے مطابق کہتا ہے۔ بعض فقہاء ظاہری احکام کا خیال رکھ کر ارباب معرفت کے جو حالات و مقامات سے دور رہتے ہیں اور اگر وہ بھی اپنے قرب و نزدیکی سے حاصل کرتے تو ان بعض متقدمین کرام سے شدت نے تکفیر بازی ۔۔۔ و الی اللہ المشتکیٰ۔

بہرحال بات کچھ لمبی ہو گئی۔ شروع تمہید میں میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ نے جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتِ سبعہ گنے ہیں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اُن صفاتِ سبعہ پر کوئی اثر نہیں پڑا اور رہتی دنیا تک آپ ان صفات سے موصوف رہیں گے۔ وہ سات صفات یہ ہیں :- اشرف الحقائق الانسانیۃ[1] ومعدن الدقائق الایمانیۃ[2] وطور تجلیات الاحسانیۃ[3] ومہبط الاسرار الرحمانیۃ[4] واسطۃ عقد النبیین[5] ومقدم جیش المرسلین[6] وافضل الخلائق اجمعین[7]۔

اب ہم اس تفصیل وتشریح کے بعد آگے چلتے ہیں وباللہ التوفیق۔

Scanned with CamScanner

وَمُشَاهِدِ اَنْوَارِ السَّابِقِ الْاَوَّل

لغوی تحقیق:۔

مُشَاهِد، مُفَاعِل کے وزن پر ہے شَاهَدَ کا مُشَاهدۃً معاینہ کرنا۔ اشهدہٗ حاضر کرنا۔ اَشْهَدَ فُلَانًا علٰی کذا گواہ بنانا۔ اَنْوَار، نور کی جمع اجوفِ واوی ہے روشنی اور بقولِ بعض نور اُس کیفیت کا نام ہے جس کو قوتِ باصرہ اوّلاً ادراک کرتی ہے اور اُسی کے واسطے سے مُبصَرات کا ادراک کرتی ہے۔ اس کی جمع اَنوار و نیران ہے۔

النّور وہ جو چیزوں کو ظاہر کرے، نباتات خوشنمائی اور لمبائی اس کی جمع نُوّار آتا ہے۔ نار ینور نَورًا و نیارًا روشنی ہونا۔ غالباً اس مقام پر انوار سے تجلیاتِ الٰہی یا عالمِ ملکوت اور اشیاءِ مجرّدہ غیر مادیہ مراد ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے افعالِ الٰہیہ مراد ہوں کیونکہ وہ بھی صانع حقیقی ایجاد کے لحاظ سے انوار ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے وہ معلومات جمالیہ مراد ہوں جن پر وقوف و اطلاع ہر ایک علم و طاقت سے باہر ہے اور صرف ان پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگاہ ہیں۔

السَّابِق: سَبَقَہٗ سَبْقًا اِلَی کَذَا آگے بڑھ جانا۔ سبقہٗ علٰی کذا غالب ہونا۔ سَبَقَ علٰی قومِہٖ: قوم سے بخشش و کرم میں بڑھ جانا صفتِ سابق۔ اس کی جمع سابقون اور سُبّاق ہے باب نَصَرَ و ضَرَبَ سے مستعمل ہے۔ صفت اقسامِ صرفیہ کے لحاظ سے صحیح ہے۔

الاوّل پہلا۔ اس کی جمع اوائل۔ اوّل اور اوّلون آتا ہے۔ مؤنث اُولیٰ اس کی جمع اُوَل و اُولیات۔ اوّل جب صفت واقع ہوتا ہے تو غیر منصرف ہوتا ہے جیسے لقیتہٗ عامًا اَوَّلَ اور اس کے ماسوا صورتوں میں منصرف ہوتا ہے جیسے ما رأیتُ لہٗ اوّلًا و لا آخِرًا اور کہا جاتا ہے لقیتہٗ اوّلَ ذی یدین

یعنی صبح کو میں سب سے پہلے اس سے ملا اور بولتے ہیں اَغْسَلُ كَذَا اوّلَ ذِی یدین
یعنی یہ کام میں سب سے پہلے کروں گا۔ اصل میں یہ اَلْ اَوْلاً وماالاً الیہ سے نکلا ہے
جس کے معنے لوٹنے کے ہیں گویا اس کی صورت مہموز الفاء اور اجوف واوی کی ہے اور یہ
اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے۔ اس مقام پر السّابق کی صفت ہے۔ پھر صفت اپنی موصوف سے
مل کر انوار کی مضاف الیہ ہے، اور انوار مشاھد کا مضاف الیہ ہے۔ السّابق
الاوّل سے اللہ تعالیٰ مُراد ہے۔ جیسا کہ ہمارے ترجمہ سے عیاں اور ظاہر ہے لیکن اس
صورت میں اعتراض وارد ہو سکتا ہے اسماءُ اللہ توفیقی ہیں یعنی وہی الفاظ حضرت اللہ
پر اطلاق کر سکتے ہیں جو شریعتِ حقہ سے ثابت ہیں تو السّابق کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کرنا
ثابت نہیں تو ہم اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ بے شک السابق کا اطلاق تنہا
اللہ تعالیٰ پر درست نہیں چونکہ اس کے ساتھ اس مقام پر الاوّل بطور صفت لایا
گیا ہے اس اعتبار سے جواز کی صورت نکل آتی ہے۔ اس مقام پر انوار کا مضاف الیہ
محذوف بھی مانا جا سکتا ہے ای وَمُشَاهِدِ اَنْوَارِهِ السَّابِقِ الاوّل۔ یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ السّابق الاوّل، مُشاھِد یعنے آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صفت ہو۔ تو
اس صورت میں اس جُملہ کے یہ معنے ہوتے کہ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سب مخلوقات سے
پہلے انوارِ الٰہی مُشاہدہ اور مُعاینہ فرمانے والے ہیں۔ اس پر حدیث اوّلُ ما خلقَ اللهُ
نوری قرینہ ہے۔ لیکن اس تقدیر پر یہ اعتراض ہوگا کہ مُشاھِد کی اضافت اگرچہ انوار
کی طرف ہے مگر یہ اضافتِ لفظیہ ہے جو تعریف مضاف کا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ مُشاھِد
اسم فاعل ہے پس اضافتِ لفظیہ کے باوجود یہ خالص نکرہ ہے تو پھر السابق الاوّل
اس کی صفت کیونکر بن سکتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ واللهُ اعلم وعلمہُ اتمّ ۔
السّابق الاوّل میں الف لام عہد خارجی نہیں بلکہ الف لام عہد ذہنی ہے جو نکرہ کے حکم

لہ دیکھو المنجد، مصباح اللغات اور اس فن کی دوسری کتابیں۔

Scanned with CamScanner

یہ مضمون بھی ہے جیسا کہ ہے قولہ:۔

وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَی اللَّئِیْمِ یَسُبُّنِیْ
فَمَضَیْتُ ثُمَّتَ قُلْتُ لَا یَعْنِیْنِیْ

اَلنُّوْرُ اسماءِ حُسنیٰ میں سے ہے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ اس کی تفسیر ان لفظوں میں فرماتے ہیں:۔ اَلنُّوْرُ هُوَ الظَّاهِرُ الَّذِیْ بِهٖ كُلُّ ظُهُوْرٍ فَاِنَّ الظَّاهِرَ فِیْ نَفْسِهٖ الْمُظْهِرَ لِغَیْرِهٖ یُسَمّٰی نُوْرًا وَمَهْمَا قُوْبِلَ الْوُجُوْدُ بِالْعَدَمِ كَانَ الظُّهُوْرُ لَا مَحَالَةَ لِلْوُجُوْدِ وَلَا ظَلَامَ اَظْلَمُ مِنَ الْعَدَمِ فَالْبَرِیْءُ مِنْ ظُلْمَةِ الْعَدَمِ اِلَی ظُهُوْرِ الْوُجُوْدِ جَدِیْرٌ بِاَنْ یُسَمّٰی نُوْرًا وَالْوُجُوْدُ نُوْرٌ فَائِضٌ عَلَی الْاَشْیَاءِ كُلِّهَا مِنْ نُوْرِ ذَاتِهٖ فَهُوَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَكَمَا اَنَّهٗ لَا ذَرَّةَ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ اِلَّا وَهِیَ دَالَّةٌ عَلٰی وُجُوْدِ الشَّمْسِ النَّیِّرَةِ فَلَا ذَرَّةَ مِنْ وُجُوْدِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا وَهِیَ بِجَوَازِ وُجُوْدِهَا دَالَّةٌ عَلٰی وُجُوْبِ وُجُوْدِ مُوْجِدِهَا انتهٰی۔

عبارتِ مذکورہ کا حاصل ترجمہ یہ:۔ نُور اس ظاہر کو کہتے ہیں جس سے ہر قسم کا ظہور وجود میں آجائے کیونکہ جو بحسب ذاتہٖ ظاہر ہو وہی اپنے ماسوٰی کو ظاہر کرنا اور ظہور کا شرف بخشتا ہے نور کہلانے کا حقدار اور سزاوار ہے اور جب کبھی وجود کا مقابلہ عدم سے کیا جائے تو ضروری طور پر وجود ہی کو ظہور حاصل ہوگا اور عدم سے بڑھ کر کوئی ظلمت و تاریکی نہیں۔ جیسے وجود سے بڑھ کر کوئی چیز درجۂ ظہور سے آراستہ نہیں۔ پس وہ ذات تعالیٰ جل شانہٗ جو ظلمتِ عدم سے بری اور منزّہ ہے وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ اُسے نور کہا جائے اس لئے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حُسنیٰ میں سے ایک نامِ پاک نور ہے اور یہ بات بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ تمام اشیاءِ مرئیہ و غیر مرئیہ پر جو نور کا فیضان ہو رہا ہے وہ اسی ذات بے ہمتا کی طرف سے ان کو عطا ہوتا ہے جو اپنے وجود اور اوصاف میں کسی غیر کی طرف احتیاج نہیں رکھتا وہی نورِ حقیقی آسمانوں اور زمین کا نور ہے جس طرح آپ آفتاب تاباں کا کوئی بھی

لہ لکن لا یخفٰی فیہما فیہ مما ذکرنا فیہ قناعۃٌ وکفایۃٌ للطلب واما لاھل التحقیق فلا۔

چھوٹے سے چھوٹا ذرہ لیجیے تو وہ ضرور آفتاب تاباں کے وجود پر دلالت کریگا۔ اسی طرح ہم آسمانوں اور طبقات الارض کے وجود کا کوئی بھی ذرہ لیجیے تو وہ حسب قال یا حسب حال اپنے موجد اور خالق حقیقی یعنی ربّ الارباب کے وجود باجود پر دلالت کرتا ہے۔ کما قیل شعر ؎ ففی کلّ شیئٍ لہٗ اٰیۃٌ ٭ تدلّ علیٰ انّہٗ واحدٌ

کہ ہر اُس چیز میں جو وجود سے آراستہ ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ اُس کا موجد اور خالق ایک ہی ہے یعنی حضرت اللہ۔

تاویلات نجمیہ میں اللہ نور السمٰوات والارض کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای مظھرھما من العدم الی الوجود فانّ معنی النور فی اللغۃ الضیاء وھو الذی یبین الاشیاء ویظھرھا للابصار۔ انتھیٰ۔

یعنے اللہ نور السمٰوات والارض کا معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور طبقات الارض کو عدم سے وجود کی طرف ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ لغت میں نور روشنی کو کہتے ہیں۔ روشنی وہ ہے جو اشیاء کو ظاہر کرے آنکھوں کے سامنے۔

پس نور کا اطلاق حضرت اللہ پر بطور حقیقت ہے نہ از قبیلۂ مجاز۔ اور نور بمعنی منوّر ہے فانّہ تعالیٰ نوّر الماھیات المعدومۃ بانوار الوجود واظھرھا من کتم العدم بفیض الوجود کما قال علیہ السلام انّ اللہ خلق الخلق فی ظلمۃ ثمّ رشّ علیھم من نورہٖ کہ اللہ تعالیٰ ہی نابود ماہیات کا نور ہے یعنی ان کو وجود کے انوار بخشنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے ماہیات معدومہ کو وجود کی فیض رسانی فرمائی جیسا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہی ممکنات کو ظلمت عدم سے وجود کا افاضہ فرماتا ہے اور پھر ان کو اپنے نور سے نکالتا ہے۔ روح البیان میں مزید تشریح کرتے

لہ قال فی روح البیان ورش النور کنایۃ عن افاضۃ الوجود علی الممکنات والممکن یوصف بالظلمۃ فانّہٗ بنفسہٖ بالوجود فتنویرہٖ اظھارہٗ۔

ہوئے فرماتے ہیں کہ : وَاعْلَمْ اَنَّ النُّوْرَ عَلٰی اَرْبَعَۃِ اَوْجُہٍ اَوَّلُہَا نُوْرٌ
یُظْہِرُ الاشیاءَ للابصارِ وھو لا یراھا کنورِ الشمس وامثالِہا فھو یُظہرُ
الاشیاءَ المخفیۃَ فی الظلمۃِ ولا یراھا۔ وثانیھا نورُ البصرِ وھو یُظہرُ
الاشیاءَ للابصارِ ولکنّہ یراھا وھذا النورُ اشرفُ مِنَ الاوّلِ۔ وثالثُہا
نورُ العقلِ وھو یُظہرُ الاشیاءَ المعقولۃَ المخفیۃَ فی ظلمۃِ الجھرِ للبصائرِ
وھو یدرکھا ویراھا ورابعھا نورُ الحق تعالیٰ وھو یُظہرُ الاشیاءَ المعدومۃ
المخفیۃَ فی العدمِ للابصارِ والبصائرِ من الملکِ والملکوتِ وھو یراھا
فی الوجودِ کما کان یراھا فی العدمِ لِانّھا کانت موجودۃً فی علمِ اللہ وان کانت
معدومۃً فی ذواتِھا فما تغیّر علمُ اللہ ورؤیتُہ باظہارِھا فی الوجودِ بل کانت
راجعًا الیٰ ذواتِ الاشیاءِ وصفاتِھا عند الایجادِ والتکوینِ فتحقیقُ قولِہٖ
تعالیٰ (اللّٰہُ نورُ السّمٰوٰتِ والارض) مُظہرُھما ومُبدیھما ومُوجِدُھما
مِنَ العدمِ بکمالِ الازلیّۃِ شعر

در ظلمتِ عدم ہمہ بودیم بےخبر ۔ نورِ وجود بسرِ شہود از تو یافتیم

ترجمہ :- اچھی طرح سمجھئے کہ نور چار قسموں پر ہے۔ نور کی پہلی قسم وہ ہے جو آنکھوں
کے لئے اشیاء ظاہر کرتی ہے اور وہ اشیاء کو خود نہیں دیکھتی۔ جیسا آفتاب یا چاند کا نور یہ تو
تاریکی میں پوشیدہ اور مخفی اشیاء کو اُجالا کرتا ہے مگر خود آفتاب یا ماہتاب کا نور ان اشیاء کو
نہیں دیکھتا۔ نور کی دوسری قسط وہ ہے جیسے نور البصر آنکھوں کا نور کہا جاتا ہے۔ وہ
نور ایسا ہے کہ آنکھوں کے لئے اشیاء ظاہر کرتا ہے اور خود بھی یہ نور ان اشیاء کو دیکھتا ہے
جس سے واضح ہے کہ یہ نور پہلے نور کے مقابلہ میں زیادہ اشرف اور زیادہ بہتر ہے۔ تیسرا نور
عقل کا نور ہے۔ وہ اشیاء معقولہ مخفیہ دلوں اور قوتِ شعور کو روشن اور اجالا کرتا ہے
علاوہ یہ ایسا نور ہے کہ خود بھی اشیاءِ معقولہ مخفیہ کا ادراک کرتا اور سمجھتا ہے اور خود بھی ان کو

دیکھتا ہے۔ چوتھا نور حق تعالیٰ جل شانہٗ کا نور ہے وہ اشیائے معدومہ مخفیہ کو ملک و ملکوت ہی سے عدم میں آنکھوں اور دلوں کے لیے اُجالا کرتا ہے۔ وہ ان اشیاءِ معدومہ کو بحالتِ عدم اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ان کو وجود کی حالت میں دیکھتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ اشیاءِ معدومہ علم اللہ میں موجود تھیں۔ اگرچہ بلحاظ اپنی ذات کے معدوم تھیں پس اشیائے معدومہ کے وجود میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم میں کسی قسم کی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ تغیر و تبدیلی اشیاء کی ذات و صفات کی طرف بوقتِ ایجاد راجع ہے۔ پس اللّٰہ نور السّمٰوات والارض کا معنے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور طبقات الارض کا ظاہر اور ایجاد کرنے والا اور ان کو عدمِ خالص سے اپنی کمالِ ازلیت سے فیضان وجود فرمانے والا ہے۔ اسی بنا پر شاعر نے فرمایا کہ ہم عدم کی تاریکی میں بے خبر و بے علم تھے۔ وجود کا نور اور شہود کے اسرار آپ ہی سے اے خدا ہم نے حاصل کئے۔ نور وجود اور شہود اسرار میں سب سے کامل و مکمل حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس لیے حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے و مشاھدِ انوار السابق الاوّل آپ کی تعریف میں فرمایا کیونکہ واقعاتی رنگ میں انوارِ الٰہی کا مشاہدہ کرنا، حقائق اشیاء کی علّۃ العلل اور اصل الاصول تک پہنچنا اور مقامِ شہود تک راستہ پانا، طبعیات کے علاوہ مابعد الطبعیات اور جواہر مجردہ سے ہمکنار ہونا ایسا بلند مرتبۂ انسانی ہے کہ جس کا حصول [illegible] انبیاءِ کرام خاصکر ہمارے آقا حضرت خمیت مآب روحی لہ الفدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد [illegible] تھا [illegible] لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے۔ اللّٰھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی [illegible] اشیاء [illegible] ذات کی اصلیت کے مشاہدہ [illegible] فرمایئے۔ ہمیں [illegible] تحقیق و تدقیق اور اس کے مطالعہ کرنے [illegible] واقع اور [illegible] اور [illegible]

[illegible] علوم [illegible] علوم [illegible]

علوم کی کتابیں پڑھنے ہی سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ معرفتِ الٰہی کے حصول کے لئے ذکر و فکر، تزکیہ قلب و روح اور شریعتِ مقدسہ کی تعلیمات و ارشادات پر عمل کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ ہاں بزرگو! دل ٹھیک کرو، پہلے دل سے عجب و کبر، مکر و ریا اور خدع و پندار دور کیجئے تب کسی مردِ کامل کا دامن تھامئے کیونکہ یہ مقام (مقامِ شہود) معمولی اور آسان نہیں بلکہ اس مقام تک پہنچنے کے لئے طبعی آرزو اور دل کی تڑپ شرطِ اوّلین ہے۔ اسی سے تمام مقدمات آسان ہونگے اور صرف کھانے پینے اور اقتدار سنبھالنے سے یہ سعادت نصیب نہیں ہوتی دیکھو اگرچہ رسالت و نبوّت کسبی نہیں لیکن خالص موہبت اور عنایتِ ربانی ہے باایں ہمہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوّت سے پہلے بھی غارِ حرا میں خلوت نشین رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول ہوتے تھے۔ اور ہم حرام بھی کھائیں اور دل و دماغ یادِ الٰہی سے غافل بھی ہو تو پھر بے بنیاد دعوٰی کرنے سے کیا فائدہ۔ ہاں پہلے اپنے دل و دماغ کو حسد، کینہ و بغض و عداوت سے پاک کیجئے تب مطابقِ سنّت کام کیجئے تو ان شاء اللہ مطلب تک رسائی ضرور ہوگی۔ ابیات

دِلا تاکے دریں کاخِ مجازی   کُنی مانندِ طفلان خاکبازی

توئی آں دستِ پرورمُرغِ گستاخ   کہ بودت آشیاں بالا ازیں کاخ

چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی   چُو دُونان چُغدِ ویرانہ گشتی

بیفشاں بال و پر ز آمیزشِ خاک   بپر تا کنگرہ ایوانِ افلاک

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَصَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ۔

نقش [illegible]

چند نکتے [illegible] الٰہی فرد کی تعریف و تحقیق ہو رہی تھی تو تفسیر روح البیان کی [illegible]

لہ [illegible]

ذیل عبارت بھی اس سلسلہ میں ذہن میں رکھنے کے قابل ہے. فرماتے ہیں۔

وقال حضرت الشیخ الشھیر بافادہ قدس سرہ خطر ببالی علی وجہ الکشف ان النور فی قولہ تعالیٰ (اللّٰہ نور السموات والارض) بمعنی العلم وھو بمعنی العالم من باب رجل عدل وجہ المناسبۃ بینھما انہ ینکشف بالنور المحسوسات وبالعلم تنکشف المعقولات بل جمیع الامور کذا فی الواقعات المحمودیۃ ویقال انہ منور السموات بالشمس والقمر والکواکب والارض بالانبیاء والعلماء والعباد۔

یعنے جناب شیخ افادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے بطور کشف معلوم ہوا کہ آیت اللہ نور السموات والارض میں نور بمعنے علم اور علم معنی عالم ہے۔ جیسے رجل عدل بول کر رجل عادل مبالغۃً مراد لیتے ہیں۔ نور اور علم میں مناسبت ظاہر ہے کہ نور سے محسوسات کا انکشاف ہوتا ہے اور علم سے معقولات بلکہ تمام امور منکشف ہوتے ہیں جیساکہ واقعات محمودیہ میں بتفصیل مذکور ہے ۔ اور آیت مذکورہ کی تفسیر میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو آفتاب ، ماہتاب اور ستاروں اور سیاروں سے منور فرماتا ہے اور زمین کو پیغمبروں، دینی عالموں، زاہدوں اور اولیاء اللہ سے زینت اور نور افشاں بناتا ہے۔

عرائس البیان میں اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے متعلق فرماتے ہیں۔

آسمانوں اور زمین سے مومن کی صورت مراد ہے کہ اس کا سر آسمان ہے اور اس کا بدن زمین ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مومن کے سر اور بدن کا نور ہے کہ سر مومن کے سر کو قوت سامعہ ، قوت باصرہ ، قوت شامہ ، قوت ذائقہ اور قوت بیانی سے [illegible] فرمایا ہے۔ پس آنکھوں کا نور آفتاب اور ماہتاب کے ذریعہ طرح ہے۔ کانوں کا [illegible] [illegible] کی طرح ہے۔ [illegible] نور [illegible] اور [illegible]

کا نور عطارد کے نور کے مشابہ ہے اور یہ روشن سیارے سر اور دماغ کے برجوں میں گشت کرتے اور گھومتے ہیں اور بدن ارضی کا نور جوارح، اعضاء، عضلات، گوشت، خون، بالوں، ہڈیوں اور پہاڑوں کے ساتھ مشاکلت اور مماثلت رکھتا ہے۔ اس تحقیق سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس اور اپنی ذات پر کچھ تھوڑا سا غور کرے تو اسے یقیناً اپنے خالق و کارساز رب کائنات تک رسائی ہوگی۔ اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ ہاں اس جگہ یہ بات ضرور یاد رکھئے کہ نور مطلق تو صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ یہ قدیم ہے کہ خدا کی صفت ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پاک قدیم ہے اسی طرح اس کی صفات بھی قدامت کے شرف سے موصوف ہیں اور وہ نور جو بمقابلہ ظلمت و تاریکی کے بولتے ہیں وہ حادث ہے۔ پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے اس نور کا خالق ہے جو بمقابلہ ظلمت ہے ورنہ اگر آیت سے مطلق نور مراد لیا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات یا اپنی صفت کا خالق ہے۔ یہ علم الکلام اور علم العقائد کے مسلمات کے بالکل برخلاف ہے فَتَفَكَّرْ فَاِنَّهٗ دَقِيْقٌ۔ اسی جگہ آیت وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ سے ظاہری طور پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آیت میں جن کفروا کا ذکر ہے وہ شروع ہی سے کافر اور ظلمت کدہ کفر میں ڈوبے ہوئے تھے تو ان کے پاس نور کا نام و نشان تک نہیں تھا تو پھر اس فرمانے کا کیا مطلب ہے کہ شیاطین انہیں نور سے کفر و ضلالت کی تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک اس کا آسان جواب یہ ہے کہ آیت میں نور سے فطری استعداد، ہدایت اور طبعی صلاحیت مراد ہے مطلب

مـه وفی الخازن فی تفسیر قولہ تعالیٰ "یُخرجونهم من النور الی الظُّلمات" ای من الایمان الی الکفر وکلما فی القرآن من ذکر الظلمات والنور فالمراد بہ الکفر والایمان غیر الذی فی سورۃ الانعام وهو قولہ تعالیٰ وجعل الظلمات والنور فالمراد بہ اللیل والنہار۔ قلت هذه القاعدة لیست کلیة

یہ ہے کہ کافروں کے کُفر کی وجہ سے شیاطین نے اُنکی فطری صلاحیت اور فطری استعداد ختم کی ہے کیونکہ آدمی میں فطری طور پر دینِ اسلام قبول کرنے کی صلاحیت ہے اُسی بنا پر وہ مکلّف اور مامورِ بشرائع ہے ورنہ تکلیفِ مالا یُطاق لازم آئے گا۔ وھو کما تری غیرُ جائزٍ شرعاً و عقلاً۔

اس مقام پر آپ کو متن کی عبارت پر ایک اشکال ضرور وارد ہوگا لہٰذا اُس کا جواب بھی ملاحظہ فرمائیے اشکال یہ ہے:۔ حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرمایا شَاهِدِ اَسْرَارِ الْاَزَلِ وَمُشَاهِدِ اَنْوَارِ السَّابِقِ الْاَوَّلِ کہ اسرار اور انوار میں کون سی مناسبت یعنے ان دونوں میں کون سا تقابل ہے۔ میرے نزدیک منطقیانہ اور فلسفیانہ مباحثہ میں پڑے بغیر آسان جواب یہ ہے کہ اسرار سے وہ امور مراد ہیں جن کا تعلق عالمِ غیب سے ہے اور انوار سے وہ امورِ جلیہ مقصود ہیں جن کا تعلق عالمِ ظاہر سے ہے یا اسرار سے حکمتِ افعالِ الٰہیہ اور انوار سے اُن کے ثمرات اور اثرِ مرتب مقصود ہے۔ بہرحال کچھ بھی مراد لیجئے کہ یہ دونوں مقدس فقرے آیت اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا کی طرف اشارہ ہیں اس لئے ان دونوں جملوں میں صنعتِ تلمیح ہے۔

یوں تو ہم نے حضرت قطبُ الاقطاب رضی اللہ عنہ کے ان دو فقروں کی لمبی تشریح کی مگر حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا۔ اور ہو بھی کیسے کہ قطب کی بات قطب ہی سمجھ سکتا ہے ہاں اہلِ حال سے دریافت کیجئے تو وہ چند اشاروں میں صحیح مطلب تک پہنچ جائیں گے۔ اس لئے حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

قال را بگذار مردِ حال شو　　پیشِ مردِ کاملے پامال شو

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْوَاصِلِيْنَ اِلَى الْعَيْنِ دُوْنَ الْاَثَرِ۔

Scanned with CamScanner

ومشاهدِ انوارِ السابقِ الاوّلِ پر ایک طالب علم یہ سوال کرسکتا ہے کہ انوارِ الٰہی کی تعداد اور شمار بھی ہے یا وہ بھی غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حدٍّ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انوار کی تعداد و اقسام کا علم صحیح تو صرف حضرت اللہ کو حاصل ہے اور وہ انوار بظاہر لاتعدّ ولاتحصیٰ ان گنت اور بے شمار ہیں۔ البتہ ان انوار کے بعض اقسام کی طرف سیدنا و مولانا الشاہ ولی اللہ محدث الدہلوی رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف فیوض الحرمین کے آٹھویں مشاہدہ میں کچھ بالتبع اشارہ فرمایا ہے۔ ہم آپ کی تسلی کی خاطر حضرت شاہ صاحب کی عبارت بعینہٖ من وعن معہ ترجمہ پیش خدمت کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مشاہدہ

تحقیقٌ شریفٌ ومشاهدةٌ اُخریٰ

ثامن ص ۲۵)

اِعْلَمْ اَنَّ الْآدَمِيَّ اِذَا فَارَقَتْ اَجْسَادَهَا اضْمَحَلَّ مِنَ الْقُوَّةِ الْبَهِيْمِيَّةِ اَشْيَاءُ وَقَوِيَتِ الْمَلَكِيَّةُ وَانْتَقَلَتْ بِمَا حَمَلَتْ مِنَ الْكَمَالِ وَهٰذَا الْكَمَالُ عَلٰى وُجُوْهٍ

مِنْهَا نُوْرُ الْاَعْمَالِ وَذٰلِكَ لِاَنَّ الْمَلَكِيَّةَ اِذَا اَوْجَبَ اِلَى الْبَهِيْمِيَّةِ اَنْ تَفْعَلَ عَمَلًا مِنَ الْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ فَانْقَادَتِ الْبَهِيْمِيَّةُ وَاجْتَمَعَتْ شَرَاشِرُهَا تَحْتَ نَصِّهَا فِيْهَا حَصَلَ لِلْمَلَكِيَّةِ اِنْشِرَاحٌ وَلِلْبَهِيْمِيَّةِ غَشْيَةٌ تُنَاسِبُ هَيْئَةَ الْمَلَكِيَّةِ فِيْ غَايَةِ كَمَالِهَا وَاِذَا تَكَرَّرَ ذٰلِكَ مَرَّةً بَعْدَ اُخْرٰى حَصَلَ هٰذَا الْكَمَالُ فِيْ جَوْهَرِ الْمَلَكِيَّةِ وَالْبَهِيْمِيَّةِ وَكَانَ خُلُقًا لِهٰذِهِ النَّفْسِ وَدَيْدَنًا وَجِبِلَّةً لَا تَنْفَكُّ عَنْهَا اَبَدًا وَمِنْهَا نُوْرُ التُّحْفَةِ وَذٰلِكَ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ اِذَا عَمِلَ عَمَلًا رَضِيَ بِهِ الْمَلِكُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَ[illegible] يَجْعَلُهُ الْحَقُّ سُبْحَانَهُ تَمَامًا مِمَّا اَرَادَهُ الْحَقُّ [illegible] الْمَاخُوْذِ مِنَ الْهِدَايَةِ وَاِشَاعَةِ النُّوْرِ يَكُوْنُ [illegible] نَفْسٍ [illegible] فِيْ [illegible] التَّجَلِّيْ [illegible] النَّفْسُ وَ

طمحت بجهد همتها الى التحلى وانكمشت فيه ففيه اجتماع
هذه الوجوه الثلاثة او وجه واحد منها يشتمله الرحمة الالهية
فيظهر حينئذ للنفس انشراح ملكى وانبساط . ومنها ان النفس
اذا ذكرت جلال ربها اما بالالفاظ او بالمتخيلات كالاشتغال
القلبية او بالوهم المحاكى للجبروت وهو الذى تسميه اكثر اهل
الزمان باليادداشت حصل للنفس وخلص اليها ملكة بسيطة
ولونه جبروتى وكثيرا ما يسمى ذلك نور اليادداشت

ومنها نور الاحوال وذلك لان النفس اذا كانت ممن يتمطى
لتبدل الاحوال الخوف والرجاء والقلق والشوق والانس والهيبة
والتعظيم وغيرها خلص الى جوهرها وصفاء ورقة قوام فاذا انفكت
عن الجسد ولم يخففها الا ان تتجدد انطبعت فيها الوان
اسماء الحق وانواره وحصلت لها علوم كثيرة وابتهجت بكل قبقه
فهذا حال اكثر الارواح وتلك الانوار تكون كمرأة ملقاة في
الشمس امتلئت نورا وضوءا او كحوض ممتلئ ماء اضربه نور الشمس
في يوم راكد الريح وقت الهاجرة فاكتسا الماء لون الشمس اذا
علمت ما قلناه وفهمته فاعلم انى لما زرت شهداء بدر
رضى الله تعالى عنهم وتمثلت بخيال قبورهم سطعت الانوار من
قبورهم الينا ذا نعتنى ادل الامر كمثل الانوار المحسوسة حتى ترددت
[illegible] ادركها بالحس او ببصر الروح ثم تحققت ان تلك الانوار
هى نوع [illegible] . ولما زرت القبر الذى ينسب
الى [illegible] الشهداء [illegible] والله اعلم بحقيقة الحال

Scanned with CamScanner

فتأملتُ فيها فإذا أنورُها نورُ الأعمالِ ونورُ الرحمةِ جميعاً إلّا
أنّ نورَ الرحمةِ أغلبُ وأظهرُ وكنتُ قبلَ ذلكَ بمكّة المعظمة في
مولدِ النبيِّ صلّى اللهُ عليهِ وسلّمَ في يومِ ولادتِه والناسُ يصلّون
على النبيِّ صلّى اللهُ عليه وسلّم يذكرونَ إرهاصاتِه التي ظهرتْ في
ولادتِه ومشاهدِه قبلَ بعثتِه فرأيتُ أنواراً سطعتْ دفعةً واحدةً. لا
أقولُ أنّي أدركتُها ببصرِ الجسدِ ولا أقولُ أدركتُها ببصرِ الروحِ فقط
اللهُ أعلمُ كيفَ كانَ الأمرُ بينَ هذا وذلكَ فتأمّلتُ تلكَ الأنوارَ
فوجدتُها من قِبَلِ الملائكةِ المؤكَّلينَ بأمثالِ هذهِ المشاهدِ
وبأمثالِ هذهِ المجالسِ ورأيتُ يخالطُه أنوارُ الملائكةِ أنوارَ الرحمةِ۔

عبارتِ مذکورہ کا حاصلِ ترجمہ :-

بہترین تحقیق اور اعلیٰ قسم کا مشاہدہ :- جاننا چاہیئے کہ جب ارواح اجسام سے جُدا ہو جاتی ہیں تو اس وقت قوتِ بہیمیہ کی بہت سی چیزیں ضعیف اور کمزور ہو جاتی ہیں اور قوتِ ملکیہ قوی ہو جاتی ہے اور کمالات کے تحمل و برداشت مستقل اور سابقہ سے زیادہ قوی و توانا ہو جاتی ہے اور قوتِ ملکیہ کا یہ کمال چند قسموں پر ہے۔

(۱) نور الاعمال یعنی وہ نور جو اعمالِ صالحہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے کہ جب قوتِ ملکیہ قوتِ بہیمیہ کو کسی عملِ صالح کا حکم دیتی ہے اور قوتِ بہیمیہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتی ہے اور پورے طور پر قوتِ بہیمیہ قوتِ ملکیہ کے اثر سے اور [illegible] جاتی ہے تو اس وقت قوتِ ملکیہ کو ایک قسم کا سرور حاصل ہوتا ہے اور قوتِ بہیمیہ کو بھی اس کی وجہ سے ایک [illegible] حاصل ہوتی ہے [illegible] قوتِ ملکیہ کی ہیئت کے مناسب ہو جاتی ہے [illegible] قوتِ بہیمیہ [illegible] کہ وہ بہیمیہ ہونے کے باوجود [illegible] جب یہ کیفیت اس کو بار بار حاصل ہو [illegible]

کمال اب قوتِ ملکیہ اور قوتِ بہیمیہ کے ذات اور جوہر میں حاصل ہو جاتا ہے اور یہ کمال نفس کے لئے مخُلق وعادت اور تدبیر و طبیعت بن جاتا ہے۔

نور کی قسموں میں سے ایک قسم نُورُ الرَّحمتہ ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ جب آدمی کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے خوش اور راضی ہو جاتا ہے کیونکہ اُس کا عملِ نیک عام لوگوں سے سختیاں دور ہونے کا باعث بن جاتا ہے یا کم از کم اُس کا عمل صالح ارادۂ الٰہی پورے ہونے کا سبب بن جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے تَدَلّی[1] سے پورا کرنا چاہا جیسا بندوں کی ہدایت اور نورِ الٰہی کی اِشاعت یا یہ کہ یہ نفس یعنے نیک عمل کرنے والے کا نفس تدلّی الٰہی کے لئے مُستعد اور آمادہ ہو جاتا ہے کہ نفس خود بخود تَدَلّی رحمانی کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس میں مقدور بھر جد وجہد اور کوشش کرے اور تدلّی کی فہرست میں داخل ہو جائے، ان تین امور کے جمع ہونے یا ان میں سے کسی ایک کے جمع ہونے کے وقت بندے کو رحمتِ الٰہی اِحاطہ کرتی ہے تو اس وقت نفس کے لئے اِنشراحِ ملکی اور مُسرّاتِ قلبی حاصل ہوتی ہیں۔

نور کی تیسری قسم نورِ یادداشت ہے۔ اس کا حاصل اور لبِّ لباب یہ ہے کہ جب نفس اپنے پروردگار کے جلال وعظمت کو یاد کرتا ہے خواہ وہ لفظوں سے اس کی یاد کرے یا قوتِ خیال سے خواہ اشغالِ قلبی یا وہم سے جو عالمِ جبروت کا حال بتاتا ہے۔ یہ وہ ہے کہ جس کو اکثر اہلِ زمانہ یادداشت کہتے ہیں تو اس وقت نفس کو ملکۂ بسیطہ اور جبروتی رنگ مکمل طور پہ حاصل ہوتا ہے تو اس کو نورُ الیادداشت کہتے ہیں۔

نور کی اقسام میں سے ایک قسم نورُ الاحوال ہے کہ جب نفس تیز روی سے خوف و رُجا (امید وبیم) اِضطراب وشوق، محبت وہیبت تعظیم وغیرہا کے احوال میں متبدل ہو جاتا ہے تب وہ اپنے جوہر کی صفائی اور طبعی پختگی کی طرف رغبت کرنے لگتا ہے پھر جس وقت جسم سے اس کی روح جُدا ہو جاتی ہے تو ان احوال کو بالکل رخصت نہیں کرتا بلکہ اب وہ پھر اُن احوال کی تجدید وتکمیل چاہتا ہے تو اس وقت اس نفس میں پھر

---

[1] تدلّی بہ قریب ہونا۔ تدلّی لہٗ فروتنی کرنا۔ دونوں معنے یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

بعد مفارقت عند الجسد بھی اس میں اسماءِ الٰہی کے الوان و رنگ اور اس کے انوار طبیعت میں منقش اور منطبع ہو جاتے ہیں اور اس نفس کو پھر بہت سی لطافتیں اور مسرتیں حاصل ہوتی ہیں یہ تو اکثر ارواح کا حال ہے اور ان انوار کی وجہ سے روح اُس آئینہ کی طرح ہوتی ہے جو دھوپ میں رکھا گیا ہو جو سورج کے نور اور روشنی سے چمکتا ہو یا اُس روح کی مثال اس حوض کی سی ہوتی ہے جو پانی سے لبالب ہو اور پھر اس پر آفتاب ضوء فشانی کرتا ہو اور دن بھی ایسا ہو کہ جس میں ہوا انسبتاً پُرسکون و پُروقار ہو اور وقت دوپہر کا ہو۔ ایسے وقت میں حوض کا پانی آفتاب عالمتاب کا رنگ اختیار کر کے چمک رہا ہو۔

اس کے بعد اسی مشاہدہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تکمیل و تتمیم کے طور پر فرماتے ہیں کہ جب تمہیں ہماری باتیں نور کے اقسام اولیہ سمجھ میں آئے تو اب یہ بھی سمجھو کہ جب میں نے شہداء بدر رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زیارت کی اور اُنکی قبروں کے اردگرد کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان کی قبروں سے انوار یکایک ہماری طرف لپک رہے ہیں وہ نور محسوسات کے مانند تھے یہاں تک کہ میں متحیّر ہوا کہ میں اُن انوار کو بدن کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں یا روح کی آنکھوں سے۔ پھر میں نے غور کیا یہ کون سا نور ہے تو معلوم ہوا کہ یہ ربّانی رحمت کے انوار ہیں۔

اسی طرح جب میں نے وادی صفراء کی اس قبر کی زیارت کی جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، (اس قبر کی علمیت اللہ ہی کو ہے) غرض جب میں اس قبر کے اردگرد بیٹھا اور میں ان کی مقدس روح کی طرف متوجہ ہوا تو میرے سامنے تیسری رات کا سا چاند نمودار ہوا تو میں نے اس پر غور کیا کہ یہ ہلال کس امر کا نتیجہ ہے تو بعد غور معلوم ہوا کہ یہ نور الاعمال اور نور الرحمۃ ایک ساتھ جمع ہو گئے ہیں مگر نورِ رحمت زیادہ غالب اور زیادہ ظاہر تھا۔

Scanned with CamScanner

اور اس سے پہلے میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ کے دن میں مکہ معظمہ مولدِ مبارک میں حاضر ہوا۔ لوگ آپ پر درود شریف پڑھتے تھے اور آپ کے وہ معجزات و خوارقِ عادت بیان کرتے تھے جو آپ کی ولادت باسعادت کے وقت اور اُن مُشاہدوں کا تذکرہ کرتے تھے جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے نمودار ہوئے میں نے دیکھا کہ دفعتًا انوارِ عالیہ کا ظہور ہوا۔ میں نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے بہ حالِ ظاہری آنکھوں سے دیکھا اور نہ یہ حتمی کہہ سکتا ہوں کہ دل اور روح کی آنکھوں سے دیکھا۔ واللہ اعلم۔ ان دونوں معاملوں میں سے کون سا معاملہ تھا تو میں نے اُس وقت بھی اس نور پر غور کیا تو بعدِ غور معلوم ہوا کہ یہ نور اُن ملائکہ کا ہے جو ایسی مقدس مجلسوں اور مُشاہد میں رجوع ہونے کے لئے مُوَکّل اور مُقرّر ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوارِ ملائکہ انوارِ رحمت سے ملے ہوئے ہیں۔[ا]

ہم آخر میں اَسرار و اَنوار کی یہ بحث دلائلُ الخیرات کی اِس دُعا پر ختم کرتے ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَحْرِ اَنْوَارِكَ وَمَعْدِنِ اَسْرَارِكَ

اے خدا ہمارے آقا حضرت محمدؐ پر بے شمار درود و رحمت نازل فرما جو آپ کے انوار کے سمندر، آپ کے اسرار کی

وَلِسَانِ حُجَّتِكَ وَعَرُوْسِ مَمْلَكَتِكَ وَاِمَامِ حَضْرَتِكَ وَطِرَازِ

کی کان، آپ کی روشن دلیلوں کی زبان، آپ کی سلطنت کے پیشوا، آپ کے ملک کی زینت، آپ کی بے پایاں رحمت کے

مُلْكِكَ وَخَزَائِنِ رَحْمَتِكَ وَطَرِيْقِ شَرِيْعَتِكَ الْمُتَلَذِّذِ بِتَوْحِيْدِكَ اِنْسَانِ

خزانے، آپ کی شریعت کے راستہ، آپ کی توحید سے لذت و سرور پانے والے۔ وجود

عَيْنِ الْوُجُوْدِ وَالسَّبَبِ فِيْ كُلِّ مَوْجُوْدٍ عَيْنِ اَعْيَانِ خَلْقِكَ الْمُتَقَدِّمِ

[ا] [illegible] کے اس لرزے مقابرہ پر غور کریں ان کو [illegible]
باطن کا علم و یقین ہو گا [illegible] بخوبی معلوم ہو جائے [illegible]
[illegible]
[illegible] فَسَمِّمْ اِتَّقَا [illegible]
[illegible]

کی آنکھ کی پتلی، ہر موجود کے واسطہ، آپ کے سر کردہ مخلوقات کے چشمہ، جو سب سے پہلے

مِنْ نُوْرِ ضِيَائِكَ. صَلٰوةً تَدُوْمُ بِدَوَامِكَ وَتَبْقٰى بِبَقَائِكَ

آپ کے نور کی روشنی سے وجود میں آنے والے ہیں، ایسا درود جو آپ کی ذات کی طرح ہمیشہ رہے

لَا مُنْتَهٰى لَهَا دُوْنَ عِلْمِكَ صَلٰوةً تُرْضِيْكَ وَتُرْضِيْهِ وَتَرْضٰى

اور ہمیشہ باقی رہے جس کی کوئی انتہا نہ ہو آپ کے علم کے سوا۔ ایسا درود جو آپکو خوش کرے اور جو انکو خوش

بِهَا عَنَّا يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ[۱] (الحزب الثالث من دلائل الخیرات)

کرے اور اس کی برکت سے آپ ہم سے خوش رہیں گے۔ اے سارے جہاں کے پالنے والے۔ آمین

یہاں یہ اشکال ضرور وارد ہوگا کہ دلائل الخیرات کی اس دعا میں انوار مقدم اور اسرار مؤخر ہے اور متن یعنی کبریتِ احمر میں اس کے برعکس اسرار مقدم اور انوار مؤخر ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دلائل الخیرات کی یہ دعا مشکوٰۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئی ہے۔ چونکہ آپ کی خلقت نورِ الٰہی سے ہوئی ہے اس لئے سب سے پہلے آپ کی نظر مبارک انوار پر ہوئی اور پھر ان کے ذریعہ اسرار پر کیونکہ نبوت و رسالت وہبی ہے اس کے برخلاف ولایت کسبی اور اعمالِ صالحہ کو اس میں کافی حد تک دخل اور سبب ہے اس لئے حضرتِ مصنف نے پہلے لفظ اسرار فرمایا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

---

[۱] دلائل الخیرات کے بعض محترم مترجموں نے اس دعا کا یہ فائدہ لکھا ہے کہ [illegible] اور درود کو سوتے وقت بار بار پڑھے تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی۔ منقول از حاشیہ مولینا سید محمد عبداللہ صاحب قادری منطقی رحمۃ اللہ علیہ۔

Scanned with CamScanner

وَتَرجُمَانِ لِسَانِ القِدَمِ

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ مجید یا علومِ الٰہیہ کے ترجمان اور وضاحت فرمانیوالے ہیں۔
یعنی جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ مجید کی یا خدا تعالیٰ سے بندیں علمِ ہندی ترجمانی فرماویں وعلیٰ آلہٖ۔

التحقیق اللغوی:

تَرجُمَان: تَرجَمَ الکلامَ: ترجمہ کرنا۔ صفت تَرجُمان وتُرجُمان
جمع تراجمۃ وتراجم۔ تَرجَمَ الرَّجُلَ کسی شخص کے عادات وخصائل بیان کرنا۔
عَنْہُ۔ کسی کے معاملہ کو واضح کرنا۔ تَرجَمَہٗ بِالتُّرکِیَّۃِ: اُس نے اس کا ترکی زبان
میں ترجمہ کیا۔ تُرجِمَ الکلامُ: کلام کا مشتبہ ہونا۔ اَلتَّرجَمَۃ: کسی کی سوانح حیات بیان کرنا۔
اس کی جمع تراجم۔ ترجمۃ الکتاب: کتاب کا دیباچہ

اَلْلِسَان: زبان (مذکر ومؤنث) اس کی جمع اَلْسِنَۃٌ وَاَلْسُنٌ ولُسُنٌ
ولسانات ہے۔ لغت۔ خط۔ رُقعہ۔ لِسَانُ العرب۔ لِسَانُ القوم: قوم کا نمائندہ
لِسَانُ الحال: زبانِ حال یا ظاہری حالت سے جو کیفیت معلوم ہو۔ لِسَانُ الصِّدقِ
اچھی شہرت۔ لِسَانُ المِیزَان: ترازو کا وہ حصہ جو تولتے وقت ہاتھ میں رہتا ہے۔
اصل میں یہ لَسِنَ یَلسِنُ لَسَنًا فصیح وبلیغ ہونا، خوش بیان ہونا۔ لَسَنَ یَلسِنُ
لَسْنًا: کسی سے بہتر بیان والا ہونا، گفتگو میں غالب آنا۔ لَسَنَتْہُ العَقرَبُ: بچھو
کا ڈسنا۔ (کُلُّ ذٰلِکَ مِنَ المُنجِد)

اَلقِدَمُ: قدیم ہونا، کسی چیز کی سابقیت۔ کہا جاتا ہے لَہٗ قِدَمٌ
فِی ھٰذَا الاَمرِ کہ فلاں اس معاملہ میں اہمیت رکھتا ہے۔ اَلقُدُمُ: قدیم زمانہ۔
بولا جاتا ہے کَانَ ہٰذَا قِدَمًا: ایسا قدیم زمانہ سے تھا۔ اسی معنیٰ کر کے یہ قدیمًا قدمًا
[illegible] ۔ [illegible] ۔ [illegible] باب کرم وکرم بمعنا قسام یں ترجمہ ہے۔

تحقیقِ مزید:۔

حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ نہایت معنےخیز اور تاریخی پس منظر کا حامل ہے اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ہم پہلے ایک مختصر مقدمہ عرض کریں تاکہ حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ کا مقصد آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ مقدمہ یہ ہے جس کا خلاصہ شرح عقائد نسفی میں لکھا ہوا ہے:۔ وَلَہٗ صِفَاتٌ اَزَلِیَّۃٌ قَائِمَۃٌ بِذَاتِہٖ وَھِیَ لَا ھُوَ وَلَا غَیْرُہٗ۔ کہ اللہ تعالیٰ کی کچھ ازلی اور دائمی صفتیں ہیں جو اُس کی ذات سے قائم ہیں اور وہ نہ عینِ ذات ہیں اور نہ غیرِ ذات تو اس معنے کے لحاظ سے غیرِ خدا کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا ہے اور نہ ہی بہت سے قدیموں کا پایا جانا ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ وہ ازلی عالم ہے یعنے وہ صفتِ علم کے ساتھ ہمیشہ سے موصوف تھا اور ہمیشہ اس صفت کے ساتھ موصوف ہوگا اور کوئی چیز اس کے علم و احاطہ سے باہر اور بیرون نہیں اور اس کے علم و دانست میں نہ اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی کمی ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ آج سے دس ہزار برس کے بعد کوئی چیز عدم سے وجود میں آئے گی اللہ تعالیٰ کو آج بھی اس چیز کا علم حاصل ہے جیسا کہ اُس وقت ہوگا جبکہ وہ چیز عدم سے وجود میں آئے گی۔ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وہ لوگوں کے سینوں اور دلوں کے خیالات سے بھی پورا باخبر اور واقف ہے۔ اس قسم کا علم کسی مخلوق کے لئے ممکن نہیں اور ممکنات اور انبیاء کرام ان میں سے بھی حضرت ختم المرسلین سیّدالاوّلین و الآخرین صلے اللہ علیہ وسلّم کو جو بے پناہ علم حاصل ہے وہ اُسی پروردگار کا عطا کیا ہوا اور بخشا ہوا ہے اور مخلوقات کا علم حادث اور اللہ تعالےٰ کا علم قدیم اور ازلی و اَبدی ہے۔ یہ فرق خدا تعالےٰ کے علم اور بندہ کے علم میں کافی ہے۔

۲۔ القُدرۃ:۔ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قدرت وطاقت رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قدرت اور دستگاہ رکھتا ہے۔

وہ شئے اس کی شان، اس کی عظمت و پاکی کے موافق اور مناسب ہونی چاہیئے۔

۳۔ الحیوٰۃ اللہ تعالیٰ کے لئے دائمی، ازلی اور سرمدی زندگی ہے۔ وہ فنا اور زوال سے مُنزّہ اور پاک ہے۔ تمام کائنات کو جو زندگی اور جان ملتی ہے تو اُسی حیّ قیّوم سے ملتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے ھُوَ الحَیُّ القیّوم کہ وہی پروردگار علی الدوام زندہ اور کائنات و مخلوقات کا انتظام و انصرام فرماتا ہے۔ اس قسم کی زندگی اُسی ذات باری متعال کے ساتھ مخصوص ہے۔

۴۔ القُوّۃ: یعنے وہ قوی ہے کہ اس کی ذاتِ مقدسہ پر کبھی عجز و کمزوری نہیں آسکتی روحانی یا مادّی قوتیں اور طاقتیں سب کو الٰہی بارگاہ سے ملتی ہیں اور اُس کی قوت کے سامنے سب کائنات کی قوّتیں ماند پڑجاتی ہیں۔

قدرت اور قوّت میں ایک باریک فرق امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ نے کیا ہے۔ اس مختصر شرح میں اس کی وضاحت کی گنجائش نہیں۔ ومن اراد الاطلاع علیہا فلیطالع حواشی شرح عقائد النسفی۔

۵۔ السَّمعُ یعنے اللہ تعالیٰ سمیع ہے۔ ہر چیز سُنتا ہے اور اگر کوئی چیز زمین کے ساتویں طبقہ کے نیچے بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی بات اور چیخ و پکار سُنتا ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ازلی ہے اور ہمیشہ اس میں یہ صفت رہے گی مگر یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جس طرح ہم کوئی بات سُننے کے لئے کانوں کی طرف یا قوّتِ سماع ٹھیک ہونے کی طرف محتاج ہیں تو اللہ تعالیٰ کا سُننا ایسا نہیں۔ وہ اعضا و جوارح سے بے نیاز اور مُنزّہ ہے اور اس قسم کے سُننے میں اللہ تعالےٰ کا کوئی بھی مخلوق ہمسا اور شریک نہیں۔ تعالی اللہُ عَن ذٰلِکَ عُلوًّا کَبِیرًا۔

۶۔ البصر: دیکھنے کی قوّت بھی اللہ تعالیٰ کو ازلی حاصل ہے یہ اللہ تعالیٰ کی وہ قوّت ہے جس میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اگر تحت الثریٰ میں کوئی باریک سی باریک چیز یا سخت تاریکیوں میں کوئی ذرہ فرض کیا جائے تو اللہ تعالےٰ اسے برابر اور ہمیشہ

دیکھتا ہے۔ اس میں وہ ہماری طرح ظاہری آنکھوں کی طرف محتاج نہیں۔ یہ صفت اس کی ذاتِ پاک کے ساتھ خاص ہے۔ ایسا دیکھنا مخلوق میں سے کسی کے لئے ممکن نہیں کہ ممکنات کی صفات حادث اور متغیر ہوتی ہیں۔

۷۔ اَلْاِرَادَۃُ وَالْمَشِیْئَۃُ : ارادہ اور مشیت بھی اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے۔ اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ارادہ اور مشیت میں شرح العقائد میں اس طرح فرق کیا ہے کہ وھما عبارتان عن صفۃ فی الحیّ توجب تخصیص احد المقدورین فی احد الاوقات بالوقوع مع استواء نسبۃ القدرۃ الی الکل کہ ارادہ اور قدرت زندہ جاوید خدا میں ایسی دو صفتیں ہیں کہ جو دو مقدوروں میں سے ایک مقدور کے ساتھ تخصیص کو واجب کرتی ہے۔ ایک وقت میں واقع ہونے کے لئے اور باعتبارِ اصل اس کو دونوں مقدوروں کے ساتھ نسبت مساوی اور برابر ہوتی ہے۔ جیسے زید کو نماز ادا کرنے کے لئے خدا کا ارادہ کرنا حالانکہ اس کو زید کے نماز ادا نہ کرنے پر ارادہ اور مشیت کی بھی طاقت ہے مگر ترجیح پہلی صورت کو دی۔ اسی طرح افعالِ تکوینیہ جیسے پیدا کرنا، رزق دینا، زندگی عطا کرنا اور زندگی سلب کرنا اور موت کا ذائقہ چکھنا۔ یہ سب کے سب امور بالذات حضرت اللہ کی ایسی عظیم صفات ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ یہ ہیں اصولِ توحید کے لازمی صفات جو ہم نے اجمالاً عرض کئے۔

۸۔ اَلْمُتَکَلِّمُ : اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ کلام ازلی طور پر ثابت ہے وہ ہمیشہ متکلم تھا اور یہ صفت اس میں ہمیشہ رہے گی مگر یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں لحن اور آواز نہیں اور اس جگہ خصوصیت کے ساتھ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مگر واضح رہے کہ کلام کی دو قسمیں ہیں کلامِ لفظی اور کلامِ نفسی ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ کلامِ نفسی ہے جس پر کلامِ لفظی دلالت کرتا ہے۔ اس کی طرف نجم الملۃ والدین عمر نسفی اعلی اللہ مقامہ نے اشارہ کیا لیْسَ مِن

جِنْسِ الحروفِ والاصْوَاتِ ضرورۃ انّہا اَعْرَاضٌ حَادِثَۃٌ الخ یعنے جو کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ از جنسِ حروف و صوات نہیں ہے کیونکہ وہ اعراضِ حادثہ ہیں البتہ حنبلی حضرات کے نزدیک معتزلہ کے شروشرک سے بچنے کے لئے کلام لفظی بھی قدیم ہے۔
اور خلقِ قرآن کے رّد و مدافعت کے سلسلہ میں جو تکلیفیں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور آپ کے دوستوں نے اٹھائیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔ بہر حال قرآنِ کریم کا غیر مخلوق ہونا اہل سنّت والجماعۃ کا متفقہ اعتقاد ہے اس لئے مشائخ نے فرمایا القرآنُ کلامُ اللہِ تعالیٰ غیرُ مخلوقٍ ولا یُقالُ القرآنُ غیر مخلوقٍ یعنے قرآن کلام اللہ تعالےٰ غیر مخلوق ہے اور یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔

قرآنِ کریم کی پوری تعریف:

القرآنُ الّذی کلامُ اللہِ تعالیٰ مکتوبٌ فی مَصَاحِفِنَا محفوظٌ فی قلوبِنا مَقروٌّ بِالسِنَتِنا مَسْمُوعٌ بِاٰذانِنا غیرُ حالٍّ فِیْنَا۔

قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے ہمارے صحیفوں میں منقوش اور ثابت ہمارے دلوں میں محفوظ، ہماری زبانوں سے پڑھا جاتا، ہمارے کانوں سے سُنا جاتا، بایں ہمہ مصاحف، دلوں، زبانوں، کانوں میں وہ حلول کئے ہوئے نہیں ہے۔

یہ وہ آٹھ صفتیں ہیں جو بالذات اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص اور لازم ہیں کسی مخلوق کے لئے اس طرح یہ صفتیں ثابت نہیں ہیں ورنہ شرکِ جلی لازم آئے گا

اب جب کہ آپ نے ہماری مختصر تمہید سماع فرمائی تو آپ حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ کے اس قول "وترجمان لِسانِ القِدَم" پر غور فرمایئے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت سیدالمرسلین صلّی اللہ علیہ وسلم خدائی کلام کے ترجمان اور وضاحت فرمانے والے ہیں، اس اعتبار سے لسانُ القِدَم سے قرآن مجید مراد ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی قرآنی کلمات طیبات کے ترجمان اور مفسر ہیں۔ قرآن مجید نے ہمیں نماز کا

Scanned with CamScanner

حکم دیا۔ اسکی ترجمانی اور وضاحت آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہی قولاً وفعلاً فرمائی ہے یہی حال زکوٰۃ، روزہ، حج، اعتقاد اور اعمالِ صالحہ کی ہے ان کی ترجمانی اور وضاحت آپ ہی نے فرمائی ہے۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم

قرآنِ مجید کو لِسانُ القِدَم سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ حضرت مصنّف رضی اللہ عنہ حنبلی مسلک رکھتے ہیں اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ ان لوگوں کا رد کیا جو خلقِ قرآن کے قائل تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ آپ ہی کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ چونکہ قرآنِ مجید کو مخلوق ماننا اِتّفاقی طور پر کُفر تھا اس لئے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خلیفۂ وقت کا بھی کُھلے بندوں رد فرمایا، کوڑے کھائے اور اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے علیٰ رغم المعتزلہ قرآنِ مجید کی حرکات وسکنات کو بھی قدیم قرار دیا۔ معتزلہ کے نزدیک خلقِ قرآن کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم کے الفاظ لوحِ محفوظ یا جبرئیلِ امین یا حضرت سیّد المرسلین ؐ کی زبان وحی ترجمان پر ایجاد فرمائے۔ اس کے برخلاف ہم جمہور مسلمین کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم کے کلماتِ طیّبات ذاتِ باری تعالیٰ کے صفت ہیں اور وہ ان کلمات کے ساتھ ازل سے موصوف ہے۔ موصوف بشیئٍ اور موجِد لِشیئٍ کے درمیان آسمان وزمین کا فرق ہے۔ اوّل صورت میں قرآنِ کریم قدیم ہوگا اور دوسری صورت میں جو معتزلہ نے اختیار کی، قرآن حادث ہوگا۔ کیونکہ مخلوق کا حادث ہونا لازمی امر ہے۔ اب رہا معتزلہ کا یہ کہنا کہ واللّٰہُ خلقُ کلِّ شیئٍ کہ اللہ تعالےٰ نے ہر چیز پیدا کی تو قرآن بھی ایک شے ہے۔ لہٰذا وہ اس کا خالق اور قرآن اس کا مخلوق ہوا تو اس کا جواب علّامہ عبدالعزیز البورقاوی نے اس طرح دیا ہے کہ جس سے معتزلہ کی دیوار بے تکلّف گرجاتی ہے۔ یعنے اگر کلِّ شیئٍ سے ہر شئے ممکن وغیر ممکن مراد لی جائے تو پھر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ سے معاذ اللہ خدا تعالیٰ بھی مُراد ہو سکتا ہے کیونکہ اس نے آیتِ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ میں اپنی ذاتِ پاک پر

ــــــــــــ

لہ دیکھو حاشیہ عقاید نسفی ۹ صفحہ ۴۴

Scanned with CamScanner

بھی نفس کا اطلاق کیا ہے پس جس طرح اس آیت میں قرائن سے ذات باری خارج ہے اسی طرح وَاللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ میں کلام اللہ داخل نہیں ہے۔ یعنی ما من عامٍ الّا خُصَّ عنہ البعض کوئی عام ایسا نہیں جس سے کچھ نہ کچھ مستثنیٰ نہ ہو۔ والتفصیل فی علم اصول الفقہ۔

بہرحال ردًّا للمعتزلہ حضرت مصنف نے لِسَانُ القِدَم بولکر قرآنِ کریم مُراد لیا ہے تاکہ معتزلہ کے عقائدِ فاسدہ اور اوہامِ باطلہ کی بھی تردید اور توبیخ ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ لِسَانُ القِدَم سے تمام آسمانی کتابیں مُراد ہوں اور ان کے ترجمان اور وضاحت فرمانے والے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لِسَانُ القِدَم سے یہ مطلب ہو کہ معلوماتِ الٰہیہ اور ربّانی منشأ و مقصد کے ترجمان حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کما قیل

اُمّی گویا بزبانِ فصیح ؛ از الفِ آدم و میمِ مسیح۔ وکما قیل

اُمّی دانا کہ بعلمِ فزون ؛ راند رقم بر ورقِ کاف و نون

بے قلم و کاغذ و آبِ سیاہ ؛ معجزہ آورد زوحیِ اِلٰہ

بے خط و قرطاس زعلمِ ازل ؛ مشکلِ لوح و قلمش گشت حل

سُبحان اللہ! آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے کیا کہنے اور کون ہے وہ جو آپ کے خزائنِ علوم و معلومات کا اندازہ کر سکے۔ حضرت علامہ بوصیری صاحبِ قصیدۂ بُردہ نے آپ کی تعریف میں بجا فرمایا ہے

فَاقَ النَّبِیّٖنَ فِیْ خَلْقٍ وَفِیْ خُلُقٍ ؛ وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٍ

وَکُلُّھُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ مُلْتَمِسٌ ؛ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ

وَوَاقِفُوْنَ لَدَیْہِ عِنْدَ حَدِّھِمِ ؛ مِنْ نُّقْطَۃِ الْعِلْمِ اَوْ مِنْ شَکْلَۃِ الْحِکَمِ

بہرحال حضرت مصنف [illegible] ترجمان [illegible]

میں بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے مگر میں بے بضاعتی و بے علمی اس مختصر شرح میں اس سے زیادہ لکھنے سے معذور ہوں۔ بطور خاتمہ و حملہ لہٰذا حضرت ضیغم اسلام علامہ اقبالؒ کی طرح یہ عرض ضرور کروں گا ؎

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم ✻ حدیث عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکانِ اُمّت ✻ ترا با شوخیٔ رندانہ گفتم

اس وقت میرے سامنے قطب الاقطاب کی جلالتِ علمی اور حضرت سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تاجِ نبوت کی عظمت اتنی غالب ہے کہ حیران ہوں کہ تاجدارِ عرب و عجم کا مقام اور حضرت سیّد الاولیاء کا اُس کا بیان در اظہار اور پھر قاسم بے بضاعت کی اس شرح میں کیا مُناسبت ہے ؛ ہاں ممکن ہے کسی وقت، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل سے صاحب دلائل الخیرات رحمہ اللہ کے ان اشعار کا میری ناچیز زبان سے پڑھنا قبول فرمایا ہو اور اس کے صلہ میں کبریت احمر کی یہ مختصر شرح لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اشعار یہ ہیں ؎

یا رحمۃَ اللہ اِنّیْ خَائِفٌ وَجِلٌ
یا نِعْمَۃَ اللہ اِنّیْ مُفْلِسٌ عَانٍ
وَلَیْسَ لِیْ عَمَلٌ اَلْقَی الْعَلِیْمَ بِہٖ
سِوٰی مُحَبَّتِکَ الْعُظْمٰی وَ اِیْمَانِیْ
فَکُنْ اَمَانِیْ مِنْ شَرِّ الْحَیٰوۃِ وَمِنْ
شَرِّ الْمَمَاتِ وَمِنْ اِحْرَاقِ جُثْمَانِیْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَنَا اَمَانًا
مِنْ کُلِّ خَوْفٍ

وَمَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِكَمِ

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم علم و حکمت کے سرچشمہ ہیں۔

بلبیہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ علم و حکمتکی ناگراد

التحقیق اللّغوی:

مَنْبَع: نَبَعَ يَنْبَعُ و نَبُعَ يَنْبُعُ نَبْعًا و نُبُوعًا و نَبَعَانًا۔ الماءُ پانی کا تھوڑا تھوڑا نکلنا۔ اَلنَّبع: ایک قسم کا درخت ہے جس سے تیر کمان بنائے جاتے ہیں۔ المَنْبَعُ: چشمہ اس کی جمع مَنَابِع آتی ہے۔ اَلْيَنْبُوع: چشمہ۔ بہت پانی والا نالا۔ اس کی جمع يَنَابِيع ہے۔ اس اعتبار سے اَلْمَنْبَع ظرفِ مکان ہے۔

اَلْعِلْم: عَلِمَ يَعْلَمُ عِلْمًا جاننا۔ عَلِمَ الرَّجُلُ حقیقتِ علم کو پالینا۔ عَلِمَ الشَّيْئَ پہچاننا، یقین کرنا۔ عَلِمَ الشَّيْئَ وَبِهٖ: جاننا، اِدراک کرنا۔ عَلِمَ الْاَمْرَ: مضبوط کرنا۔ عَلِمَ يَعْلَمُ عَلَمًا: اوپر کا ہونٹ پھٹنا۔ اس کی صفت اَعْلَمُ آتی ہے۔ عَلَّمَهٗ تعليمًا وعِلّامًا۔ الصَّنْعَةَ وغیرھا: سکھانا۔ عَلَّمَ لَهٗ عَلَامَةً: پہچان کے لئے علامت لگانا۔ اَلْعِلْمُ: مصدر، حقیقتِ شے کا ادراک یقین و معرفت، جمع علوم آتی ہے۔ اَلْعَالَمُ: ساری مخلوق، ماسوی اللہ۔ اس کی جمع عَوَالِم و عَالَمُوْنَ و عَلَالِمُ ہے۔ اَلْعَيْلَمُ: سمندر، بہت پانی والا کنواں، مینڈک، موٹا، نازک بدن۔

اَلْحِكَم: حِكْمَة کی جمع جس کے معنے انصاف، حلم و بُردباری، فلسفہ حق کے موافق کلام، کام کی درستی۔ رَجُلٌ حَكَمٌ: عمر رسیدہ آدمی۔ یہ اصل میں حَكُمَ يَحْكُمُ حِكْمَةً[2] دانا ہونا، دور اندیش ہونا، حاکم بنانا۔ حَكَّمَهٗ فِي الْاَمْرِ: فیصلہ

---

[1] یہ از فَعَ۔ نَصَرَ، باب سَمِعَ يَسْمَعُ اور باب كَرُمَ يَكْرُمُ سے بولا جاتا ہے۔

[2] یعنی باب كَرُمَ يَكْرُمُ سے۔

کرنے کے لئے کوئی معاملہ سپرد کرنا۔ تَحَکَّمَ فِی الْاَمْرِ: اپنی رائے سے فیصلہ دینا، حکم نافذ ہونا، کسی امر میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا۔ اِحْتَکَمَ فی الامرِ۔ ثالث منظور کرنا۔[1]

مزید تحقیق:- اگرچہ تمام علوم بحیثیتِ علوم آدمی کے لئے باعثِ فضیلت وفوقیت ہیں مگر حضرتِ مصنّف رضی اللہ عنہ کی اس عبارت وَمَنْبَعَ العلمِ والحِکَمِ سے علومِ دینیہ مراد ہیں۔ پس حاصلِ معنے یہ ہوئے کہ جو علوم آدمی کو اخلاقِ طیّبہ، تہذیبِ نفس، مبدأ اور معاد، فکر ونظر کو صاف وپاک بنانے اور ربّ الارباب سے قریب اور نزدیک تر بنائیں اور بنی نوعِ انسان کو زادِ آخرت اور اعمالِ صالحہ کرنے پر آمادہ کرلیں تو اُن تمام علوم اور اُن علوم کے توابع کے مَنْبَعْ اور سرچشمہ حضرت سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں اور باقی علوم جن کا تعلق معاش وسیاست سے ہے وہ بھی اُنہیں علومِ نبویہ سے زیب وزینت پاتے ہیں۔ مگر اُن کا درجہ ثانوی اور بالطبع ہے۔ چنانچہ اس دعوٰی پر یہ آیات واحادیثِ مبارکہ دلیل اور قرینہ ہیں جیسا کہ ارشادِ باری ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ اہلِ علم نے منکرینِ خدا سے کہا کہ افسوس تمہارے لئے ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کے لئے اللہ کا ثواب اور اجر بہت بہتر ہے۔

آیت سے صاف معلوم ہوا کہ عالم کا فرض کیا ہے کہ اور عالم کا اطلاق بد دین وبدکردار پر نہیں کر سکتے۔ مادی علوم کی وہ فضیلت ہرگز نہیں جو دینی اور پیغمبرانہ علوم کی ہے کیونکہ شریعت میں علم وہ ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان ربط وتعلق قائم کرے اور جن علوم کا مقصد ہی دینِ اسلام کی جڑیں نہ صرف کمزور کرنا ہو بلکہ خالقِ کائنات کے وجود کا انکار اور پیغمبرانہ ہدایات کی مخالفت ان کا اصلی مقصد ہو تو ایسے علوم پر

[1] مُلخّصٌ مِنَ المُنجِد۔

ازروئے قرآن وحدیث علم وحکمت اِطلاق کرنا دھوکہ اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔

عالموں اور علماء کی صفت اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں اس طرح فرمائی۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ۔ وہی لوگ اللہ تعالےٰ سے ڈرتے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ علم کا مقصد خوفِ خدا حاصل کرنا ہے اور عالم وہ ہے جو پیغمبر ان ہدایات کے مطابق اپنی اصلاح میں ہمہ تن مصروف اور مشغول رہے۔ اور ارشاد ہوتا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ. اور ہم قرآنِ کریم میں یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اہلِ علم ہی ان کی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ معاذ اللہ جو لوگ کسی صنعت و حرفت میں ماہر ہوں اور قرآن کے معارف و حقائق سے دور افتادہ ہوں کیا وہ عالم کہلانے کے مستحق ہیں؟ ہرگز نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَيُلْهِمْهُ رُشْدَهٗ[1]۔ کہ جس کے متعلق اللہ تعالےٰ بھلائی اور بہتری چاہتے ہیں تو اس کو دینی حقائق سمجھنے کی صلاحیت عطا فرماتے ہیں اور پھر اس کے دل میں اچھی باتوں کا الہام ڈال دیتے ہیں۔

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ[2]۔ وقال الغزالی رحمہ اللہ فی شرح ھذا الحدیث ومعلوم انہ لا رتبۃ فوق النبوۃ ولا شرف فوق شرف الوراثۃ لتلک الرتبۃ۔ کہ علماء دین ہی پیغمبروں کے وارث ہیں۔ اور امام غزالی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ نبوت سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں اور اس مرتبۂ عظیمہ کا وارث بننا سب سے

[1] متفق علیہ من حدیث معاویۃ دون قولہ ویلھمہ رشدہ وھذہ الزیادۃ عند الطبرانی فی الکبیر۔
[2] اخرجہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ۔

بڑی شرافت و بزرگی ہے۔ باقی رسمی شرافتوں کو اس شرافت پر نثار اور قربان کرنا چاہیئے۔

ارشادِ نبوی ہے صلی اللہ علیہ وسلم اَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ اَهْلُ الْعِلْمِ وَ الْجِهَادِ اَمَّا اَهْلُ الْعِلْمِ فَدَلُّوا النَّاسَ عَلٰی مَا جَائَتْ بِهِ الرُّسُلُ وَاَمَّا اَهْلُ الْجِهَادِ فَجَاهَدُوا بِاَسْيَافِهِمْ عَلٰی مَا جَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ۔ یعنی قیامت کے دن نبوت کے درجہ سے زیادہ نزدیک علماء اور مجاہدین ہونگے کہ عالم تو لوگوں کو پیغمبروں کی تعلیمات کی طرف رہبری کرتے ہیں اور مجاہدین پیغمبروں کی تعلیمات زندہ جاوید بنانے کے لیے اپنی تلواروں سے جہاد کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جو علماء دینی رہبری کریں گے اور جو مجاہدین اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جہاد فرمائیں گے وہی قابلِ تعریف، عند اللہ مقبول اور عند الناس مشکور ہونگے۔

پس جن درسگاہوں، تعلیمی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نبوت کے وہ علوم جن کا تعلق توحید، تطہیرِ نفس، تہذیب الاخلاق اور تمام بنی نوعِ انسان کے ساتھ ہمدردی اور تصورِ آخرت سے ہے، نکالدئے جائیں وہ تعلیمی ادارے نہیں بلکہ صنعتی اور معاشی دکانیں ہیں جن کی کثرتِ تعداد اور کثرتِ تنوع کے باوجود قومِ مسلم دینی لحاظ اور اخلاقی اعتبار سے نہایت مفلس اور کنگال ہے۔ تعجب ہے کہ تمام امراء اور متوسط درجہ کے مسلمان پورے ادب و اعتقاد سے کبریتِ احمر پڑھتے اور پڑھواتے ہیں اور حضرت سیدنا و مولانا الشیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ وَمَنْبَعَ الْعِلْمِ وَالْحِکَمِ پڑھتے اور سنتے ہیں مگر عملاً صاحب مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِکَمِ سے اتنا دور بھاگتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ زبان ان کے عملی اور اعتقادی تضاد بیان کرنے سے گنگ اور عاجز رہ جاتی ہے۔ اَللّٰهُ اَکْبَرُ۔

حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یُوْزَنُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِدَادُ

له اخرجه ابو عبد الرحمن من حدیث ابی الدرداء رضی اللہ عنہ۔

ARABIC COLLEGE LIBRARY Date ... Price ... BAGH.

Scanned with CamScanner

اَلْعُلَمَاءِ بِدَمِ الشُّهَدَاءِ کہ قیامت کے دِن علماءِ دین کی روشنائی شہیدوں کے خونِ مقدس کے برابر تولی جائے گی یعنے ایک طرف عالموں کی لکھی ہوئی سیاہی شہیدوں کے قطراتِ دمِ شہادت کے درجہ میں برابر ہو گی۔ یہ ہے قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر افسوس لامذہب کارِیگر تو عالِم کہلانے لگے، قرآن و سنت کے عالموں کو مُلّاّ کہا جاتا ہے ؎ ببیں تفاوتِ راہ از کجا تا بکجا۔

اسی دینی علم کی فضیلت کی بنا پر آپ نے فرمایا، اِذَا اَتٰی عَلَیَّ یَوْمٌ لَا اَزْدَادُ فِیْہِ عِلْمًا یُقَرِّبُنِیْ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَا بُوْرِکَ لِیْ فِیْ طُلُوْعِ شَمْسِ ذٰلِکَ الْیَوْمِ۔ کہ جب مجھ پہ کوئی ایسا دِن آجائے کہ جس میں مجھے اس علم میں اضافہ نہ ہو جائے کہ جو مجھے اللہ تعالیٰ سے اور بھی زیادہ قریب تر بنائے تو اس دِن کے طلوعِ آفتاب میں میرے لئے کوئی برکت نہ ہو جائے۔

معاذ اللہ ہم سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم صنعتی اور معاشی فنون و نام نہاد علوم کی اہمیت گھٹاتے ہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ مسلمانوں کو عموماً اور اصحابِ اعتقاد کو خصوصاً اپنے پیر کامل رضؓ کے اس فقرۂ جلیلہ کے سمجھنے کی طرف دعوت دیتے ہیں جو آپ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرمایا۔ وَمَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِکَمِ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم علومِ ربانی اور حکمتوں کے سرچشمہ ہیں۔ اسی طرح جو لوگ دینی علوم پڑھ کر ان کو ذریعۂ معاش بنا دیں گے اور اُن سے تہذیبِ نفس، صبر و قناعت، صدق و وفا، حلال و حرام جائز و ناجائز کا خیال نہ رکھیں گے ان کو بھی عالِم دین اور نائبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنا بڑا گناہ اور جرمِ عظیم ہے۔ ہاں دینی علم کا خلاصہ حضرت سعدی علیہ الرحمہ کی اس رُباعی میں سمجھ لیجئے ۔ ع

ای دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است ٭ جز سرِّ عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدیٰ بشوی لوحِ دل از نقشِ غیرِ حق ٭ علمی کہ رہ بحق ننماید جہالت است

علم کے سلسلہ میں ہم نے یہ خیالات اس لئے عرض کئے کہ پڑھنے والے حضرات یہ بات اچھی طرح سمجھیں کہ علم سے کون سا علم ارباب شریعت اور اصحاب طریقت کے نزدیک مطلوب اور مقصود ہے تاکہ عام بندگانِ خدا کو رہزنوں سے دھوکہ اور فریب نہ لگ جائے اور ان علوم کی طرف بھی کچھ دیں جن کی انتہائی ضرورت ہے۔

سُبحان اللہ علماءِ دین پر جو ذمہ داری عاید ہوتی ہے اُس کا اندازہ بزرگانِ دین کے درج ذیل اقوال و ہدایات سے اچھی طرح ہو گا۔

حضرت سعید المسیب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اِذَا رَأَیْتُمُ الْعَالِمَ یَغْشَی الْاُمَرَاءَ فَھُوَ لِصٌّ کہ "جب تم عالمِ دین کو امیروں کے پاس آتے ہوئے دیکھو گے تو سمجھو کہ وہ دین کا چور ہے"۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اِذَا رَأَیْتُمُ الْعَالِمَ مُحِبًّا لِلدُّنْیَا فَاتَّھِمُوْہُ عَلٰی دِیْنِکُمْ فَاِنَّ کُلَّ مُحِبٍّ یَخُوْضُ فِیْمَا اَحَبَّ کہ جب تم عالمِ دین کو دنیا کی طرف راغب دیکھو گے تو اس پر دین کے بارے میں اعتماد نہ کرو کیونکہ وہ ناقابلِ اعتبار بن گیا ہے اس لئے دنیا کی طرف رغبت کرنے والا اور دلی تعلق رکھنے والا اپنی اسی چیز میں غوطہ زنی کرتا ہے جس سے اُس کا دل لگا ہوا ہو۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے گذشتہ کتابوں میں پڑھا ہے۔ اِنَّ اللہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اِنَّ اَھْوَنَ مَا اَصْنَعُ بِالْعَالِمِ اِذَا اَحَبَّ الدُّنْیَا اَنْ اُخْرِجَ حَلَاوَۃَ مُنَاجَاتِیْ مِنْ قَلْبِہٖ کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ جو عالمِ دین دُنیا کی طرف مائل ہو جائے تو میں اُس وقت اُس کے ساتھ کم سے کم معاملہ جو کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنی مناجات اور بندگی کا ذائقہ حلاوت و شیرینی اس کے دل سے باہر نکال کر پھینکتا ہوں۔ یعنی پھر اس کی عبادت میں کوئی لذت و سرور نہیں رہتا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اس وقت ہماری عبادتوں میں وہ لذت و سرور اور وہ کیفیت و حلاوت کیوں پائی نہیں جاتی اس لئے کہ ہمارے دلوں میں وہ استغراق و حال نہیں رہا جو سلف صالحین کو حاصل اور نصیب تھا۔ عصر حاضر کے اکثر علماء

دین کی یہ حالت ہے کہ دنیا اور اہلِ دنیا کے گرد اس طرح گھومتے ہیں جس طرح مکھی ناپاکی اور گندگی کے اردگرد گھومتی ہے۔

ایک شخص کا دوست تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے دینی علوم سے نوازا تھا تو اس دوست نے اس عالم کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا: اِنَّكَ قَدْ اُوْتِيْتَ عِلْمًا فَلَا تُطْفِئَنَّ نُوْرَ عِلْمِكَ بِظُلْمَةِ الذُّنُوْبِ فَتَبْقٰى فِى الظُّلْمَةِ يَوْمَ يَسْعٰى اَهْلُ الْعِلْمِ فِىْ نُوْرِ عِلْمِهِمْ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں پیغمبرانہ علم ملا ہے تو اب اپنے علم کے مقدس نور کو اپنے گناہوں کی تاریکی سے نہ بجھادو ورنہ تم اس دن یعنی قیامت کے دن جبکہ دینی عالم اپنے علم کے نور میں پناہ لیں گے تم بے نور رہ کر تنگ نائے تاریکی میں رہوگے۔

علماءِ وقت کو عبرت و نصیحت کے لئے آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد کافی اور وافی ہے کہ آپ نے فرمایا: مَنْ طَلَبَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ لِيُصِيْبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ کہ جس نے علم دین خواہ وہ شریعت سے متعلق ہو یا طریقت سے، حصولِ دنیا کے لئے پڑھا اور طلب کیا تو وہ قیامت کے دن جنت کی بو بھی نہ سونگھے گا۔[له]

اس سلسلہ میں علماءِ دین، مفتیانِ عظام، واعظینِ خوش الحان اور حضراتِ متو صافیہ کے لئے حضرت مالک بن دینار کے پیش کردہ یہ ابیات بھی قابلِ غور ہیں ؎

يَا وَاعِظَ النَّاسِ قَدْ اَصْبَحْتَ مُتَّهَمًا	اِذْ عِبْتَ مِنْهُمْ اُمُوْرًا اَنْتَ تَاْتِيْهَا
اَصْبَحْتَ تَنْصَحُهُمْ بِالْوَعْظِ مُجْتَهِدًا	فَالْمُوْبِقَاتُ لَعَمْرِىْ اَنْتَ فَاعِلُهَا
تَعِيْبُ دُنْيَا وَنَاسًا رَاغِبِيْنَ لَهَا	وَاَنْتَ اَكْثَرُ مِنْهُمْ رَغْبَةً فِيْهَا

له قال الشارح غفر الله ذنوبه كلّ ذلك مذكور في احياء علوم الدّين للامام الغزالي رح في صفحة ۳۴۵ من المجلد الاوّل وان شئت الزيادة فراجع اليه رحمك الله۔

وتاب اخرے

لَا تَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَتَاْتِيَ مِثْلَهٗ ، عَارٌ عَلَيْكَ اِذَا فَعَلْتَ عَظِيْمٌ

ترجمہ :۔ اے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے والے! اب تو بھی لوگوں میں متہم اور ناقابلِ اعتبار ہو گئے ہو کیونکہ تو نے لوگوں کو بہت سی چیزوں سے خوف زدہ بنایا اور ان کے کرنے سے روکا مگر خود تو اُن ممنوع چیزوں کو انجام دیتے ہو، یہ بھی کوئی وعظ اور نصیحت ہے؟ کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ افسوس کہ تمہارے وعظ سے دین کو بہت نقصان پہنچا۔ تم لوگوں کو بھرپور وعظ و نصیحت کرتے ہو مگر مجھے اپنی عمر کی قسم ہے کہ ہلاک کرنے اور برباد کرنے والی چیزوں کو تم نڈر ہو کر کرتے ہو۔ اور تو دنیا اور دنیا کی طرف رغبت کرنے والوں کی عیب چینی کرتے ہو مگر سب سے زیادہ تو ہی دنیا کی طرف راغب اور لپکتے ہو۔ ایسی باتوں سے منع نہ کر جن کا تو خود ارتکاب کرتا ہے۔ یہ طریق کار تمہارے لئے بہت زیادہ عار اور قابلِ شرم و مذمت ہے۔

بحثِ علم میں علماءِ دین یہ بات یاد رکھیں کہ وہ علوم جن سے بندہ اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہو جاتا ہے اور اس کی خوشنودی حاصل کرتا ہے دو قسم پر ہیں:۔ علومِ ظاہرہ علومِ باطنہ۔ علومِ ظاہرہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بندہ اور اس کے خدا کے درمیان کس قسم کا معاملہ ہونا چاہیئے۔ علومِ ظاہرہ کی دوسری قسم وہ ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آدمی کو دوسرے بندگانِ خدا اور مخلوقِ الٰہی سے کیسا معاملہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح علومِ باطنہ کی بھی دو قسمیں ہیں :۔ (۱) وہ علم جو ان احوال و معاملات سے بحث کرتا ہے کہ جن سے تزکیۂ قلب حاصل ہو جائے یعنے اس علم سے پتہ چلتا ہے کہ بری اور مذموم صفتوں سے بچکر دل کس طرح پاک و صاف ہو جائے۔ دوسری قسم علومِ باطنہ کی وہ ہے کہ جس سے اُن عمدہ صفتوں کا علم حاصل ہو جاتا ہے کہ جن سے قلبِ انسانی آراستہ اور پیراستہ ہو جائے۔ پس اگر دینی علوم سے خدا تعالیٰ اور بندگانِ خدا سے اچھے تعلقات

قائم ہو جائیں اور عالم کا ضمیر بے داغ اور مذموم صفتوں سے بچ کر عمدہ صفات سے مزین ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ علم سے کچھ فائدہ پہنچا ورنہ یہی علمِ دین قیامت کے دن عالم کے لئے وبالِ جان بن جائے گا۔ یہ مجھ ناچیز کے خیالات نہیں بلکہ یہ مصنف تعارف[1] الاحیاء لفضائل الاحیاء کے خیالات ہیں کہ فرماتے ہیں) :-

اِعْلَمْ اَنَّ عُلُوْمَ الْمُعَامَلَةِ الَّتِیْ یُتَقَرَّبُ بِهَا اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی تَنْقَسِمُ اِلٰی ظَاهِرَةٍ وَبَاطِنَةٍ وَالظَّاهِرَةُ قِسْمَانِ مُعَامَلَةٌ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَمُعَامَلَةٌ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْخَلْقِ - وَالْبَاطِنَةُ اَیْضًا قِسْمَانِ مَا یَجِبُ تَزْکِیَةُ الْقَلْبِ عَنْهُ مِنَ الصِّفَاتِ الْمَذْمُوْمَةِ - وَمَا یَجِبُ تَحْلِیَةُ الْقَلْبِ بِهٖ مِنَ الصِّفَاتِ الْمَحْمُوْدَةِ اِلٰی اٰخِرِهٖ[2]

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ تقرّب اور رضائے رحمانی صرف اس صورت میں حاصل ہوگی جبکہ علومِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ واکمل التّحیۃ کی پوری اتباع کی جائے۔ حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جن علوم کے منبع اور سرچشمہ ہیں ان سے دل و دماغ معطّر اور منوّر ہو جاتا ہے لہٰذا علماء کو بھی سوچنا چاہیئے کہ انہوں نے دینی علوم سے کس قدر نورِ باطن اور یقینِ کامل حاصل کیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَنَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ۔

عفیف الدین الیافعی الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

اَلْاَوْلِیَاءُ تُرَدُّ عَلَیْهِمْ اَحْوَالٌ یُشَاهِدُوْنَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیُبْصِرُوْنَ الْاَنْبِیَاءَ اَحْیَاءً غَیْرَ اَمْوَاتٍ کَمَا نَظَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِهٖ وَاِلَی ... جَا ...

[1] یعنی الاستاذ الفاضل العلامۃ الشیخ عبد القادر بن شیخ بن عبد اللہ العیدروس باعلوی (تریمی) ...

[2] اس عبارت کا خلاصہ اردو میں اس سے پیشتر آچکا ہے۔

للانبیاء معجزۃً جاز للاولیاء کرامۃً بشرط عدم التحدی قال ولا ینکر ذٰلک الّا الجاھل۔ ونصوص العلماء فی حیاۃ الانبیاء کثیرۃ فلنکتف بھذا القدر[1]۔

ترجمہ: "اولیاء پر کچھ ایسے حالات لوٹائے جاتے ہیں جن میں وہ آسمانوں اور زمین کے ملکوت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور انبیاء کو مردہ نہیں بلکہ زندہ دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسٰی کو اُن کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ یہ یوں ثابت ہے کہ جو کچھ نبی کے لئے بطور معجزہ جائز ہے وہی اولیاء کے لئے بطور کرامت جائز ہے۔ اور اس سے جاہل ہی انکار کر سکتا ہے۔ انبیاء کی حیات کے بارے میں علماء کے نصوص بہت ہیں، ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

وَالْحِکْمَۃُ: اس لفظ کی لغوی تحقیق بیشتر سطروں میں آچکی ہے۔ البتہ علماء اسلام حکمت کی تعریف میں مختلف نظر آتے ہیں جن میں سے ہم تفسیر خازن سے چند اقوال پیش خدمت کرتے ہیں:-

(۱) ھی الاصابۃ فی القول والعمل ولا یسمّی الرجل حکیماً الّا اذا اجتمع فیہ الامران یعنی حکمت قول و فعل میں درستی قائم کرنے کا نام ہے اور یہ کہ حکیم شریعت میں صرف اس شخص کو کہیں گے جس کے قول و فعل میں درستی اور راستی پائی جائے اور یہ کہ علم نے اس کے عمل پر اپنا بہترین پرتو ڈالا ہو کہ اب وہ اپنے اعمال کو اپنے علم صحیح اور فہم کامل کے مطابق سرانجام دیتا ہو۔

(۲) ھِیَ الَّتِی تَرُدُّ عَنِ الْجَھْلِ وَالْخَنَا کہ حکمت اُن اسرار و معارف کا نام ہے جو اپنے موصوف اور اپنے صاحب کو جہالت و نادانی اور غفلت کاری سے باز رکھے۔

(۳) مَعْرِفَۃُ الْاَشْیَاءِ بِحَقَائِقِھَا کہ اشیاء کی معرفت اس طرح حاصل کرنا کہ موصوف

[1] منقول از انباء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء صفحہ ۳۸

بہا پر اُن کی اصلیت اور حقیقت عیاں ہو جائے۔ یہ معمولی معنی نہیں ہے کہ حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ کہ اے ہمارے پروردگار ! ہمیں اشیاء کی حقائق و معرفت اس طرح عطا فرمائیے جیساکہ واقع اور نفسُ الامر میں موجود اور زیورِ وجود سے آراستہ ہیں۔

(۴) امام مالک رحمہ اللہ[1] سے حکمت کے معنے دریافت کئے گئے تو آپ نے اِن لفظوں میں اس کی تعریف فرمائی: اَلْمَعْرِفَۃُ فِی الدِّیْنِ وَالْفِقْہُ فِیْہِ وَالْاِتِّبَاعُ لَہٗ کہ دین کی معرفت اُس کی سمجھ اور پھر اس کی اتباع و پیروی کرنا۔

(۵) حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے اس کی تعریف اَلْحِکْمَۃُ ھِیَ السُّنَّۃُ سے کی یعنی حکمت سنتِ سنیۂ حضرت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔

(۶) دوسرے علماء نے حکمت کے یہ معنے بتائے: ھِیَ الْفَصْلُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ کہ جو علم حق و باطل، سچ اور جھوٹ میں فرق پیدا کرے اُس کا نام حکمت ہے۔

(۷) کچھ علماءِ اسلام نے حکمت کی وضاحت اس طرح فرمائی :-

ھِیَ الْعِلْمُ بِاَحْکَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی الَّتِیْ لَا یُدْرَکُ عِلْمُھَا اِلَّا بِبَیَانِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْمَعْرِفَۃِ بِھَا مِنْہُ ۔ حکمت وہ ربانی علوم اور احکام حاصل کرنے کا نام ہے کہ جن کی تہہ اور حقیقت تک پہنچنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر موقوف ہے۔

(۸) بعض علماء نے فرمایا اَلْحِکْمَۃُ مَعْرِفَۃُ الْاَحْکَامِ وَالْقَضَاءِ کہ حکمت احکام و فیصلہ جات کو اچھی طرح اور صحت منطریقہ سے سمجھنے کا نام ہے۔

(۹) قِیْلَ ھِیَ فَھْمُ الْقُرْاٰنِ کہ قرآنِ مجید کے حقائق و معارف سمجھنے کو حکمت کہتے ہیں۔

---

[1] کما روی عنہ ابن وھب

(۱۰) وهي مافيه من المصالح الدينية والاحكام الشرعية۔ دینی، شرعی مصلحتوں اور شرعی احکام کو اس طرح سمجھنا کہ آدمی اُن کی اصلیت تک پہنچے۔

(۱۱) كُلُّ كَلِمَةٍ وَعَظَتْكَ أَوْ دَعَتْكَ إِلَى مَكْرُمَةٍ أَوْ نَهَتْكَ عَنْ قَبِيْحٍ یعنی حکمت اس کلمہ کا نام ہے جو سننے والے کو نصیحت یا نیکی کی طرف دعوت دے یا اس کو گناہوں اور برائیوں سے دور رکھے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حکمت سے صرف اتنا مقصود نہیں کہ چند اقوالِ متداولہ مشہورہ اہلِ علم سے سُن کر یاد کئے جائیں اور بے سروپا طریقہ سے اُن کو دُہرایا جائے بلکہ حکمت سے اصل مقصود یہ ہے کہ مطالبِ حقیقیہ اور مقاصدِ صحیحہ سے آشنا اور ہمکنار ہونا۔ خواہ عالم اس کمال تک علم و فکر اور نظر و استدلال سے پہنچ جائے جیساکہ اہلِ نظر اور علماءِ ظاہر کا طریقہ ہے یا حقائقِ اشیاء تک تزکیۂ قلب اور صفاءِ باطنی یعنے اوراد و اذکار کے ذریعہ پہنچ جائے اور یہ طریقہ عُرفاء اور اولیاء اللہ کا ہے اور دونوں جماعتیں یعنی علماءِ ابرار نظر و فکر سے استدلال کرنے والے اور وہ لوگ جو ریاضت و عبادت سے تصفیہ و تزکیۂ قلب کرنے والے ہیں، دونوں گروہ درحقیقت حکماء ہیں۔ بلکہ دوسری جماعت (اہلِ دل) چونکہ محض موہبتِ ربانی اور مکتبِ خانۂ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا سے درجۂ کمال تک پہنچی ہے۔ شکوک و شبہات، اوہام و ظنون، بے یقینی، حسد، ریاء، بغض، خواہشاتِ نفسِ امارہ و دیگر باطنی امراض سے پاک ہوتی ہے اس لئے پہلی جماعت کے مقابلہ میں زیادہ اشرف و اعلیٰ ہے اور دونوں گروہ وراثتِ نبوت کے زیادہ قریب ہیں۔ چنانچہ محقق جلال الدین دوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

"درمیانِ محققین ہر دو طریق ہیچ خلاف نیست" کہ محققین کے نزدیک وصولِ حق تک دونوں طریقوں کے درست اور صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یعنے

لہ جمیع هٰذهِ الاقوالِ مذکورة "۔

علماءِ شریعت اور اولیاءِ طریقت دونوں گروہوں کے علم و تذکیر اور عبادت و ریاضت کے ذریعہ قربِ الٰہی اور رضاءِ ربانی حاصل کرنے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ اور فرماتے ہیں منقول ہے "شیخ عارف محقق مدقق قدوۂ ارباب البیان صفوۃ اعیان الانسان شیخ ابوسعید بن ابی الخیر را با قدوۃ الحکماء المتاخرین شیخ ابوعلی سینا قدس اللہ روحہما اتفاق صحبتی افتاد و بعد از انقضای آن یکی گفت آنچہ او میداند ما می بینیم و دیگرے گفت آنچہ او می بیند ما می دانیم الخ"

یعنی "پیشوای ارباب قال و حال اور خلاصہ علم و تقویٰ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمہ اللہ کو متاخرین فلاسفہ کے پیشوا بوعلی سینا سے اتفاقی طور پر ملاقات ہوئی پھر ایک دوسرے سے رخصت ہونے کے بعد شیخ ابوسعید رحمہ اللہ نے فرمایا شیخ بوعلی سینا جو جانتے ہیں، میں اُسے حقائق کے رنگ و بو میں دیکھتا ہوں اور بوعلی سینا نے فرمایا کہ جو معارف و حقائق حضرت ابوسعید ابوالخیر آنکھوں سے دیکھتے ہیں میں بذریعہ علم و ادراک انہیں جانتا ہوں"۔ غرض ان میں سے کسی نے کسی پر عیب چینی اور نکتہ چینی نہیں فرمائی۔

بلکہ ارسطا طالیس نے کہا کہ علوم متداولہ مطالب حقیقہ اور مقاصدِ اسنٰی کے لئے زینہ اور سیڑھی کی طرح ہیں۔ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ یُحصّلھا فلیحصّل لنفسہٖ نظرۃً اُخریٰ کہ جو کوئی اہلِ مشاہدہ میں سے ہونا چاہیئے تو وہ تحصیلِ علم کے بعد زہادِ اُمت اور اولیاءِ ربانی سے تربیت پائے۔ بر طریقت پیرِ کامل، رہبرِ طریقت کے بغیر وصال نہیں ہوگا۔ اسی کی طرف بقولِ بعض مفسرین اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ میں اشارہ ہے۔ افسوس ہے زمانۂ حال کے نیم دہریہ اس کے منکر بن گئے جماعت صوفیہ کو زہد، تقویٰ، پرہیزگاری از کار و اوراد سے ہٹا کر دنیا کے گردابوں میں الجھا بیٹھے یعنی حق سے دور کر کے باطل سے ہمکنار کرنے لگے۔ معاذ اللہ کا طریقہ بھی نہایت نکمو ہے۔

مشکل ہے کیونکہ یہ طریقہ شیخ کامل پر موقوف ہے جس کا پایا جانا مشکل اور اس کی معرفت وشناخت نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ بعض مدعیان طریقت معمولی اشارات کے حصول پر مغرور ہوتے ہیں جیسا کہ چند علماء ظاہر چند کتابیں پڑھنے پڑھانے سے اس قدر اتراتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کی بات، بلکہ صحابۂ کرام پر بھی تنقید و تبصرہ فرمانے لگتے ہیں پس بزرگو! دونوں طریقوں میں راہزن اور لٹیرے موجود ہیں جن سے باخبر اور ہشیار رہنا چاہیے اور شریعت حقہ اور طریقت کاملہ کی تفسیر و توضیح صرف متقدمین علماء ابرار و اولیاء اللہ کے قول و عمل کو معیار حق قرار دینا چاہیے اور عصر حاضر کے علماء و ارباب تصوف میں سے بہت کم قابل اعتبار ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن و سنت کی تفسیر متقدمین علماء راسخین اور حضرات صوفیہ کے فرمودات کا مطالعہ کرنا چاہیے ورنہ صراط مستقیم کا پانا اور حاصل کرنا ناممکن ہے۔

دور است سر آب دریں بادیہ ہشدار ✽ تا غول بیابان نفریبد بسرابت

خیلتی قطاع الفیافی الی الحمی ✽ کثیرٌ [illegible] الوصول قلائل

یاقوت را بقعا بہ خرمہرہ می خرند ✽ سنگ سیہ بنرخ زر سرخ می خرند

بہرحال حکمت کی عظمت و فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا کہ جس کو ذات باری کی طرف سے حکمت عطا ہوئی ہے اسے انتہائی خیر و برکت عطا ہوئی۔ اسی [illegible] عَلِيمٌ حَكِيمٌ [illegible] حکیم کو علیم کے لئے تاکید [illegible] جاتے رہا اور پختہ کار [illegible] سے [illegible] سورت میں حکیم علیم کے لئے از قبیلہ الفاظ [illegible] گا بلکہ [illegible] معنی مزید پیدا ہوگا اور علم المعانی [illegible] جملہ [illegible] الکبیر [illegible] لفظ [illegible] زیادہ

بہتر اور اَشبہ ہے۔ اس لئے قدیم حکماء نے فلسفہ کی تعریف میں فرمایا اَلتَّشَبُّہُ بِالْاِلٰہِ بِقَدْرِ الْاِمْکَانِ کہ فلسفہ کی حقیقت یہ ہے کہ امکان بھر اللہ تعالیٰ کے افعال سے مشابہ بننا۔" اور معلوم ہے کہ صرف علم و فہم سے تشبہ باخلاق اللہ نہیں ہو سکتا اور یہ کہ آدمی کتنا ہی عالم کیوں نہ ہو جب تک اس کا عمل اور کردار مطابق علم نہ ہو اس کو حکیم نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْعَامِلُ بِلَا عِلْمٍ وَبِاءِ لَا اِلٰی وَالْعِلْمُ بِلَا عَمَلٍ کہ علم عمل صحیح کے بغیر وبال اور عمل بغیر علم صحیح کے ضلالت و گمراہی ہے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ ایزدی میں دعا فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ کہ اے اللہ میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں کہ جو صحیح عمل کی طرف نہ پہنچائے۔

غرض یہ ہے کہ حکمت زیادہ اہم اور حکیم کے معنے میں عالم کے معنے کے مقابلہ میں بہت زیادہ وسعت اور زیادتی ہے۔ اس لئے حضرت مصنف رضی اللہ عنہ نے فن میں ... حکمۃ کا لفظ لایا اور فرمایا وَمَنْبَعُ الْعِلْمِ وَالْحِکْمَۃِ یہاں الحکمۃ کا عطف العلم پر ایسا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ عالیہ میں فرمایا گیا ہے یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ۔ یہاں پر یعلمھم کا عطف یتلو پر ہے۔ بظاہر دونوں کا معنے ایک ہے جو تاکید کی صورت ہے جو علم معانی خاص کر قرآن کریم کی شان اعجاز کے برخلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ سے مطلب حفظ قرآن اور دراست فرقان ہے تاکہ تحریف و تبدیلی سے مصون اور محفوظ رہے اور تعلیم الکتاب کے معنے حقائق اور اسرار کتاب سکھانے کے ہیں لہٰذا تکرار لازم نہیں آیا۔ اور الحکمۃ سے قول و فعل میں راستی اور درستی کے ہیں چنانچہ حکیم اس کو کہتے ہیں جو قول و فعل میں درستی اور پختگی رکھتا ہو۔

ARABIC COLLEGE LIBRARY 872

اسی طرف سورۃ الم التنزیل میں ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے فلما
ذکر اللہ تعالیٰ اولاً امر التلاوۃ وھی حفظ القرآن ودلیل سنتہ لیبقی
مصوناً عن التحریف والتبدیل ثم ذکر بعدہ تعلیم حقائقہ واسرارہ
والحکمۃ ای ویعلمہم الحکمۃ وھی الاصابۃ فی القول والعمل ولا
یسمی الرجل حکیماً الا اذا اجتمع فیہ الامران الخ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم علومِ الٰہیہ، اقوالِ سدیدہ اور اعمالِ شریفہ کے منبع اور سرچشمہ ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نوٹ: اس بحث کی تفصیل محقق جلال الدین دوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔

چونکہ حضرت مصنف رحمہ اللہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منبع العلم والحکمۃ قرار دیا اسلئے اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علم کی مزید تشریح اور وضاحت کی جائے تاکہ علم و صنعت میں فرق کرنا آسان ہو جائے اور علم کی غرض وغایت عیاں ہو جائے۔

لہذا معلوم ہونا چاہیے کہ علم سے علم دین مراد ہے، خاص کر وہ جس سے خالق کائنات کا علم، اس کی وحدانیت کا علم، نبوۃ و رسالت کا علم اور دیگر ارکان اسلام کا علم۔ پس جس کو ان اہم امور کا علم عطا کیا جائے تو اسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر اور روحانی اسرار و معارف عطا ہوتے ہیں۔

اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ ان علوم کے جاننے کا اصل مقصد عمل صالح اور اچھی صفتوں سے موصوف اور آراستہ ہونا ہے۔ ان سے دنیا کمانا اور دنیاداروں کا غلام ہونا اچھا نہیں ہے۔ اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ علم دین قول وعمل پر مقدم ہے جیسا کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اس پر ایک باب اس طرح بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں: باب العلم قبل القول والعمل لقول اللہ عزّ وجلّ: فاعلم انّہ لا الٰہ الا اللّٰہ۔

فَبَدَأَ بِالْعِلْمِ وَ اَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ ۔ وَرَّثُوا الْعِلْمَ مَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ بِهٖ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ ۔ وَ قَالَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔ وَ قَالَ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ ۔

ترجمہ :۔ باب اس بیان میں قول و عمل سے پہلے علم حاصل کرنا چاہیے قول و عمل بے اعتبار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی آخر الزّمان صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح تعلیم دی اور فرمایا پہلے جان لیجئے معبود برحق صرف حضرت اللہ ہے ۔ تو شروع فرمایا علم سے کیونکہ علم کے بغیر نہ قول و فعل صحیح ہوگا ۔ اور نہ عبادت کا صحیح ڈھنگ ممکن ہوگا ۔ اور آنحضورؐ نے فرمایا ۔ علماء حق انبیاء کے اصل وارث ہیں ۔ اور یہ کہ وہ اپنی میراث علم دین چھوڑتے ہیں، پس جس نے علم دین حاصل کرلیا اس نے بڑا حصہ پایا ۔ اور آپ نے فرمایا جو شخص کسی راستہ سے علم دین حاصل کرنے کے لئے چلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت کا راستہ آسان بنا تا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف اہل علم اس سے ڈرتے ہیں اور ہراساں رہتے ہیں کہ اس علم دین کی تبلیغ اور فتویٰ میں غلطی نہ ہونے پائے ۔ اور یہ کہ خالق حقیقی کی عظمت منکشف ہونے کے بعد اس کے قہر اور سزا سے ڈرتے ہیں ۔ جیسا کہ آیت فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا کی تفسیر ملاحظہ کیجئے ۔ کہ کس طرح حضرت داوود پیغمبر علیٰ نبینا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنا فیصلہ چھوڑ کر

Scanned with CamScanner

اپنے نابالغ صاحبزادے سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی طرف رجوع فرمایا۔ یہ ہیں حقیقی علماء دوسرے عصر حاضر کے دین فروشوں پر گہری نظر ڈالئے۔ پناہ بخدا کہ شیطان بھی شرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی علماء حق کے متعلق فرماتا ہے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ بھلائی اور بہتری چاہتے ہیں اُسے دین حق میں سمجھ عطا کرتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ علم دین سب سے بڑی اور اچھی دولت ہے۔ جبکہ عالم کا عمل اِسی کے مطابق ہو۔ اور اگر عالم دین نے علم دین غلط طور پر الٹا پلٹ کر پیش کیا تو وہی عالم بدترین اہل زمانہ ہے۔

اسلئے مسلمانوں کو علم دین کی طرف زیادہ دلچسپی دینی چاہیے، خود بھی علم دین سیکھیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی دینی علوم سے آراستہ کریں۔ سبحان اللہ علم دین حاصل کرنا کتنی بڑی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں عظمت و رفعت فرماتے ہیں: وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ اِس بات کی دُعا فرماتے رہیے کہ اے میرے پروردگار میرے علم میں اور برکت اور اضافہ فرمائیے۔ لہٰذا علم دین سیکھنے میں کوئی شرم اور عار نہیں ہونی چاہیے۔ اسی علم دین کے متعلق حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے یہ دو شعر منقول ہیں۔

رَضِیْنَا قِسْمَۃَ الْجَبَّارِ فِیْنَا　　لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ
فَاِنَّ الْمَالَ یَفْنٰی عَنْقَرِیْبٍ　　وَاِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَا یَزَالُ

اسی علم دین کے متعلق حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا مانگتے تھے مولا! مجھے فایدہ پہونچا دے اُس علم سے جو آپ نے مجھے عطا فرما دیا۔ اور مجھے وہ علم سیکھاو جو میرے لئے فایدہ بخش ثابت ہو۔ اور میرے علم میں اور بھی زیادتی اور برکت عطا فرما۔ پھر دعا مانگتے تھے۔ اللہ کا شکر ہے ہر حال میں اور میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں

جہنمیوں کے حال سے۔ متن حدیث یہ ہے عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَ عَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ حَالِ اَھْلِ النَّارِ (رواہ ترمذی)، تو معلوم ہوا علم سے مطلب اسلام میں خصوصیت کے ساتھ وہ علم ہے جس علم سے حاصل کرنے والا رب العلمین کے رضا اور دیدار کا حق دار ہوجائے۔ اور رہا وہ علم عالم جو علم دین پڑھ کر اُسے دینی فایدہ حاصل نہ کرلے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے علم سے اور ایسے عالم سے پناہ مانگتے تھے۔ چنانچہ ابواب الدعوات ترمذی میں بروایت عبداللہ ابن عمرو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا مشہور ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اِن چار چیزوں سے پناہ مانگتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعِ۔

(ترجمہ)، کہ اے خدا میں آپ سے ایسے دل سے پناہ مانگتا ہوں جو خشوع وتقویٰ سے خالی ہو اور اُس دُعا سے بھی پناہ مانگتا ہوں جو آپ کی بارگاہ میں شرفِ قبول نہ پاوے، اور ایسے نفس سے بھی پناہ مانگتا ہوں جو کھا کھا کر بھی سیر نہ ہوجاوے اور ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو میرے دین کیلئے مفید ثابت نہ ہو۔ اے اللہ میں آپ سے اِن چار چیزوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

بزرگو اِس مقام پر یہ چند احادیث یاد دلانے سے آپ کی توجہ اِس بات کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ علم دین نفس اور تن پروری کے لئے، حیلہ بازی کرکے لئے، معمولی باتوں پر فتنہ وفساد قائم کرنے کیلئے نہیں، افترا کے لئے نہیں اور بہتان تراشی کے لئے نہیں بلکہ علم دین اسلئے حاصل کرنا چاہئے کہ اسے رضاء ربانی حاصل ہوجائے اور غضب الٰہی سے بچنے کی کوشش کی جائے جیسا کہ خود حضرت قطب ربانی نے کبریت احمر کو اسی دعا پر ختم فرمایا۔ وَاَنْتَ رَاضٍ عَنَّا غَیْرَ غَضْبَانَ وَاَلْھِمْنَا وَاخْتِمْ لَنَا مِنْکَ بِخَیْرٍ وَعَافِیَۃٍ بِلَا مِحْنَۃٍ اٰمِیْن (ختم شد شرح کبریت احمر حصہ اول)

جناب الحاج مولانا بخاری صاحب کی دوسری تصنیفات

۱۔ تحفۃ المدینہ ۲۔
۲۔ تحفۃ الانیقہ۔ ۳۔ فضیلت رمضان
۴۔ مسایل عیدالاضحیٰ۔
۵۔ حالات طیبات حضرت امیر کبیر
۶۔ حالات طیبات حضرت سلطان العارفین (حصہ اول)
اس کے دو ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں
۷۔ قول الحق فی رد من تجاوز عن قبول الحق
۸۔ تذکرہ ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق
۹۔ فضایل عشرہ ذی الحجہ
۱۰۔ اتمام الحج (انشاء اللہ اس سال اس کا تازہ ایڈیشن شائع ہوگا۔
یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں مصنف نے تالیف کی تھی۔
۱۱۔ آسان دینیات (حصہ اول)
۱۲۔ آسان دینیات (حصہ دوم)
۱۳۔ آسان دینیات (حصہ سوم)
(یہ تینوں حصے دینی مدارس اور بہت سے سرکاری مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں)
۱۴۔ بصیرت سلوک ترجمہ و شرح
۱۵۔ ایضاً بصیرت سلوک شرح ذخیرۃ الملوک (باب دوم)

۱۶۔ ایضاً بصیرت السلوک حصہ اخلاق شرح ذخیرۃ الملوک
۱۷۔ شفاء البشر حصہ اول
۱۸۔ تاج العارفین جلد اول
۱۹۔ ترجمہ و تفسیر سورۂ طٰہٰ
۲۰۔ ترجمہ بزبان کشمیری و اردو و تفسیر بزبان اردو سورۂ کہف
۲۱۔ المقالۃ الناطقۃ فی حالات امام ابی حنیفہ رضؓ فصیح عربی
۲۲۔ سیرت امام اعظم حصہ اول بزبان اردو
۲۳۔ فتاویٰ بخاری
۲۴۔ تشریح المذہبین
۲۵۔ تفسیر سیرت پاک آں سرور
۲۶۔ تعلیمات قادریہ مختصر اور جامع
۲۷۔ سیرت پاک حضرت غوث رضؓ
۲۸۔ خطبۂ صدارت اسلام آباد
۲۹۔ خطبہ صدارت سوپور
۳۰۔ خطبہ صدارت بارہ مولہ
۳۱۔ خطبہ صدارت ۱۹۶۱ء امراکدل
۳۲۔ حالات حضرت امام حسین رضؓ

۳۳۔ قربانی کی حقیقت
۳۴۔ معراج النبیؐ حصہ اول
۳۵۔ اقوال الصادقین ترجمہ منہاج العارفین
۳۶۔ المقالۃ السالفۃ فی قوانین الشریعۃ
۳۷۔ دروس احادیث
۳۸۔ ترتیب السور و حروف مقطعات
۳۹۔ حالات طیبات حضرت محبوب العالم رحؒ و حضرت بابا داود خاکی رحؒ
۴۰۔ ترجمۃ القرآن بزبان کشمیری زیر تالیف
۴۱۔ حالات حضرت امام حسین و زین العابدین رضؓ
۴۲۔ شفاء البشر کا دوسرا حصہ زیر تالیف
۴۳۔ درس حدیث زیر طبع

کتابت:-
سید محمد مقبول بخاری ابن (مرحوم خاموش کریری)

LIBRARY
872

Scanned with CamScanner

التجاء دعا

امیر شریعت علامہ سید محمد قاسم شاہ بخاریؒ
کی مایہ ناز کتاب "شفاء البشر فی شرح کبریت احمر"
کو پی ڈی ایف شکل میں آپ کے لیے تیار کی ہے
اور اس کا مطالعہ کرنے والوں سے گزارش ہے کہ وہ
میرے لخت جگر سید محمد حنان جو یکم ذی قعد
۱ جون 2022 [illegible] کو ۱۱ سال کی عمر میں انتقال کر گئے، کے لیے دعا
مغفرت کرے۔ اللہ اس کا اجر عزیز القدر سید محمد حنان کو
عطا کرے۔ آمین

سید عارف احمد قادری

Scanned with CamScanner